تاریخ و شجرہ قریشی ہاشمی

(سمبڑیال)

تحقیق و مرتبہ

محمد طاہر الہاشمی محمدی، حنفی، ماتریدی، قادری، سروری

ایم اے علوم اسلامیہ (پنجاب)

ایم اے ہسٹری (پنجاب)

بی ایڈ (پنجاب)

انتساب

وجہ وجود کائنات، باعث تخلیق کائنات، مقصودِ کائنات سید و سرور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کہ جن کی ضیا پاشیوں سے خاندان ہاشمی کو سطوت و شان عطا ہوئی۔

ہزاروں درود و سلام ہوں آپ پر، آپ کی اولاد پر آپکی آل پر آپکی اہل بیت پر اور آپکے اصحاب پر

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی سَیِّدَنَا اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

و

والدین محترم قبلہ نور احمد ہاشمیؒ و محترمہ مسعودہ ہاشمیؒ جنکی محبتوں اور دعاؤں سے توفیق میسر ہوئی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ تَوَالَدَ وَلِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْیَآءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مُّجِیْبُ الدَّعْوَاتِ بِرَحْمَتِكَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِۙ‏ (۲۴) تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍۢ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ‌ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ‏ (۲۵) (ابراہیم 24)

کیا تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں وہ سمجھیں

میں نے اپنا نام اتنا لمبا کیوں لکھا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ‌ۚ فَمَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ فَاُولٰۤـئِكَ يَقۡرَءُوۡنَ كِتٰبَهُمۡ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ۞

ترجمہ

جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے، سو جن لوگوں کو ان اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنے اعمال ناموں کو پڑھیں گے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

محمدی: چونکہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم نبی اکرم ﷺ کے امتی ہیں

حنفی: امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں

ماتریدی: علم الکلام کے اعتبار سے عقائد میں ابو منصور ماتریدی کے زیر اثر

قادری: حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید

اعتذار

بندہ کو اپنی کم مائیگی اور کم علمی کا اعتراف ہے
لیکن تقریباً ہر گھر میں ایک اضطراب تھا کہ
شجرہ شریف کو جن کے پاس ہے نئ نسل اس
سے آشنا نہیں۔ بندہ نے چونکہ قبلہ ماسٹر محمد نواز صاحب
کی کچھ عرصہ سنگت کی ہے۔ اور ان کی تحقیق دیکھی
اور قبلہ والد گرامی قدر نے اس کی نقل تیار کرلی تھی
اسلئۓ مزید تحقیق اور جستجو سے اسے یہ رنگ دے دیا ہے۔
اگرچہ ناقص ہے پر اس کا نعم البدل فی الحال کوئی نہیں

عرض گذاشت

شجرہ شریف میں کچھ بزرگوں کے نام کے ساتھ شیخ کا لفظ آیا ہے۔ یہ لفظ عزت افزائی اور مقام و مرتبہ کے لئے مستعمل تھا۔ اور واعظ، فقیہ، عالم، فاضل، مذہبی، علوم میں فائق شخص کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ عموماً شیخ (استاد) یا امرأیا بادشاہ ایک ٹائٹل کے عطا کرنے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ بعد ازاں مریدین نے اپنے مذہبی رہبر کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

چونکہ ہمارے بزرگ شاہی عہدون پر رہے ہیں اس لئے بادشاہوں نے جیسے شاہ جہاں، احمد شاہ درانی اور عالمگیر نے انہیں بالخصوص ان خطابات سے نوازا۔ بلکل اسی طرح کا لقب ہے جیسے شیخ الاسلام، شیخ الجامعہ اور شیخ الشیوخ وغیرہ۔

شجرہ نسب کو پرکھنے کا طریقہ کار و کسوٹی

نسابین کرام نے کسی بھی نسب نامہ کو پرکھنے کے لیے کچھ شرائط وضع کی جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

1۔ اطراف موجود تو سب کچھ موجود

2۔ شجرہ نسب کا قدیم کتب انساب و تاریخ سے ثابت ہونا۔ کوئی شجرہ خواہ کتنا ہی قدیم ہو اگر اس میں موجود افراد کا ذکر قدیم کتب انساب و تاریخ میں نہ ہو تو اس شجرہ کو مشکوک سمجھا جاتا ہے۔

3۔ زمانہ کے حساب سے درست ہونا۔ مثلاً اگر مورث اعلیٰ 500 سال قبل گزرا ہو تو اس سے نیچے موجودہ دور تک کم و بیش 15 پشتیں ہونی چاہیں۔ 2 یا 3 پشت اوپر نیچے ہونا ممکن ہے۔ (ایک صدی میں 3 پشت اوسط کے حساب سے)

۔ بلدی شہرت کا ان افراد کے دعویٰ نسب کے حق میں ہونا۔ مثلاً ایک ایسا خاندان جو شجرہ نسب کے مطابق تو سید ہو لیکن اہل علاقہ اس کی سیادت کی نفی کریں۔ اور اگر اہل علاقہ کے پاس اس کے سید نہ ہونے پر قوی دلیل ہو تو یہ شجرہ غلط قرار پاتا ہے۔

۔ 4 کسی بھی شجرہ میں موجود مختلف فرعوں (شاخوں) میں اگر باقی فرعیں اس شاخ کی اپنے ساتھ الحاق کی تائید نہ کریں۔ اور اگر نفی کریں تو شجرہ مشکوک سمجھا جاتا ہے۔

۔ 5۔ اگر دعویٰ نسب کے مطابق اس خاندان کی دیگر شاخوں میں قدیم سے رشتہ داری وغیرہ نہیں ہو رہی ہو تو اس پر شک کیا جا سکتا ہے

6 ۔ اگر ان کے رسم و رواج یا عادات و اطوار باقی خاندان سے مختلف ہوں۔ تو پھر بھی شک کیا جائے گا۔ مثلاً اگر وہ سید ہونے کے دعویٰ دار ہیں تو ان میں سادات کے اجماعی رسم و رواج جو بلا تفریق مسلک صدیوں سے رائج ہیں جیسے صدقہ نہ کھانا۔ خاندان سے باہر شادی نہ کرنا۔ اپنے اور اپنے اجداد کے دشمنوں سے نفرت کرنا۔ محمد ﷺ و آل محمد ﷺ کا محب اور طرف دار ہونا وغیرہ وغیرہ کا ہونا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے بزرگوں نے شجرہ پرکھنے کے لیے ایک
مشہور مقولہ بیان فرمایا ہے

" شجر، ٹبر اور قبر "

مطلب اصلی سید شجرہ نسب، رشتہ داریوں اور بزرگوں کے مزارات و قبور سے پہچانا جاتا ہے۔۔ جو اصلی سید ہوتا ہے انکے پاس شجرہ نسب ہوتا ہے ان کی قدیم سے سادات میں رشتہ داریاں ہوتی ہیں اور بزرگوں کے مزارات یا قبریں بھی ہوتی ہیں۔۔

خاندان بنو ہاشم کے عادات و خصائل

- خواہ بڑے سے بڑے مالدار اور اہل علم اور عہدے دار ہی کیوں نہ ہوں، حلیم الطبع اور رحم دل ہوتے ہیں۔
- حق بات کے اظہار میں بے باک ہوتے ہیں
- جھوٹ اور لغو سے دور اور عفو و درگذر سے کام لیتے ہیں
- بلا خوف اپنے حقوق چھین لیتے ہیں
- سخی، مہمان نواز اور غربا پرور ہوتے ہیں
- سادگی انکی اولین پہچان ہے
- محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں
- اپنے ہاتھ سے رزق حلال کما کر کھانے اور بچوں کو کھلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں
- زکوٰۃ و صدقات اور نجس مال نہیں کھاتے
- ذہین پر دماغ اور علم و فن میں ماہر ہوتے ہیں
- نہایت بہادر اور خوش اخلاق ہوتے ہیں
- معاشرتی برائیوں سے دور رہتے ہیں اور امن پسند ہوتے ہیں

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِۙ‏(۲۴) تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍۢ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ‏ (۲۵) **(ابراهیم 24)**

کیا تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں وہ سمجھیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلمہ (بات) کی کیسی مثال بیان فرمائی وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین) میں مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔ وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثال بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور ناپاک کلمہ (بات) کی مثال اس ناپاک درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا اس کے لیے بالکل ثبات نہیں۔ (ابراھیم: 24،26)

حضرت ابن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے اگر تم مومن کو اپنا ساتھی بناؤ گے تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس سے مشورہ کرو گے تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس کے پاس بیٹھو گے تو وہ تم کو نفع دے گا اس کے ہر حال میں نفع ہے اسی طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز میں نفع ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: 9072، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت 1410ھ)
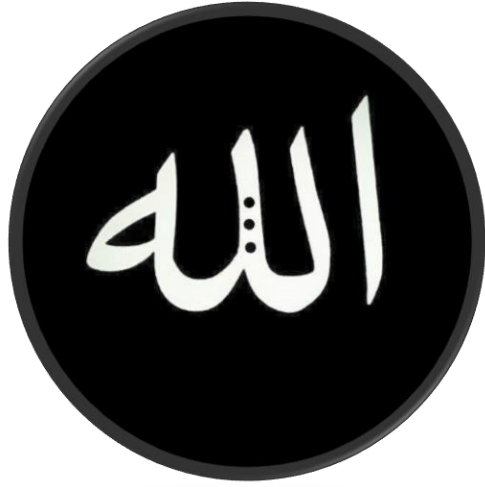
وہ صرف اللہ ہی ہے نہ اسکا کوئی باپ نہ اس کی اولاد وہ واحد واحد ہے لم یلد اور لم یولد ہے وہی الصمد ہے۔ یکتا و تنہا۔ لہٰذا اس کا کوئی شجرہ نہیں اور اسی کے حکم سے سبھی کے شجرے آباد ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

اے حبیب مکرم ﷺ کہیے وہ اللہ ایک ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔ (الاخلاص: 4-1)

مطالب کی تین قسمیں؛

1۔ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے فرمایا، آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو بتادیا کہ بات یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور آپ کو اس مشقت میں نہیں ڈالا کہ آپ دلائل عقلیہ سے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کو معلوم کریں۔ امام رازی فرماتے ہیں: مطالب تین قسم کے ہیں: ایک وہ مطالب ہیں جن کو خبر کے ذریعے نہیں معلوم کیا جاسکتا یہ وہ اور معجزات کی صحت کا علم (کیونکہ عقل یہ کہتی ہے کہ اس جہان کا کوئی بنانے والا ہونا چاہیے اور یہ ضروری ہے کہ وہ عالم اور قادر بھی ہو کیونکہ بغیر علم اور قدرت کے وہ اس جہان کو بنا نہیں سکتا اور نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ معجزہ دکھائے ورنہ سچے نبی اور جھوٹے نبی میں امتیاز نہیں ہوسکتا) اور

2۔ مطالب کی دوسری قسم وہ ہے جس کا بغیر خبر کے محض عقل سے علم نہیں ہو سکتا (جیسے دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس (19) ہے

3۔ مطالب کی تیسری قسم ہے وہ جس کا علم عقل سے بھی ہو سکتا ہے اور خبر سے بھی ہو سکتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ہم درج ذیل آیت کی تفسیر میں مفصل دلائل پیش کر چکے ہیں : **لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔** (الانبیاء : 22) اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا متعدد خدا ہوتے تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا ہے

1۔ اگر اس کائنات کے متعدد پیدا کرنے والے ہوتے تو فرض کیجیے ایک خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا کیا جائے اور دوسرا خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا نہ کیا جائے تو دونوں کا ارداہ پورا ہونا محال ہے کہ زید پیدا بھی ہو اور نہ بھی ہو، کیونکہ یہ اجتماع نقیضین ہے تو جس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہوگا، دوسرا خدا نہیں ہوگا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دونوں خدا اتفاق سے پیدا کرتے ہیں اور ان میں اختلاف نہیں ہوتا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اختلاف ممکن تو ہے تو جب ان میں اختلاف ہوگا تو پھر کس کا ارادہ پورا ہوگا سو جس کا ارادہ پورا ہوگا، وہی خدا ہوگا دوسرا خدا نہیں ہوگا، نیز جب وہ دونوں اتفاق سے پیدا کرتے ہیں تو ضروری ہوگا کہ ایک خدا دوسرے خدا کی موافقت کرے تو جس کی موافقت کی جائے گی وہ متبوع ہوگا اور جو موافقت کریگا وہ تابع ہوگا اور تابع خدا نہیں ہو سکتا تو پھر دو خدا نہیں ہو سکتے اور جب دو خدا نہیں ہو سکتے تو دو سے زیادہ بھی نہیں ہو سکتے۔

(2) ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں پیدائش اور موت، اور تغیر و تبدیل نظام واحد پر چل رہا ہے، سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہو جاتا ہے، اسی طرح چاند اور ستارے بھی نظام واحد کے موافق طلوع اور غروب ہو رہے ہیں، زرعی پیداوار اور انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور متواتر ایک نظام کے تحت ہو رہی ہے، اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو کائنات کے نظام متعدد ہوتے، ہر خدا اپنا اپنا نظام جاری کرتا اور اس کائنات میں نظام واحد ہونا اس پر دلیل ہے کہ اس کا نظام اور خالق اور موجد بھی واحد ہے۔

3۔ اس کائنات میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے، تب ہی نظام صحیح رہتا ہے ورنہ نظام فاسد ہو جاتا ہے، اسکول میں ماسٹر متعدد ہوں تو ہیڈ ماسٹر واحد ہوتا ہے، صوبہ میں وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعلیٰ ایک ہوتا ہے، وفاقی وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعظم واحد ہوتا ہے اور جس ملک میں صداری نظام ہو وہاں صدر ایک ہوتا ہے تو جب ایک ملک کے دو صدر نہیں ہو سکتے تو اس کائنات کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

) 4۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کائنات کا واحد خالق اور مالک ہے اور اس کے ثبوت میں اس نے نبیوں، رسولوں کو بھیجا اور آسمانی کتابوں کو نازل کیا، اگر اس کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق تھا تو اس پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے نبی اور رسول بھیجتا، جو آ کر یہ بتاتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے او وہ اس کائنات کی

تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے، لیکن جب ایسا کوئی نبی نہیں آیا، ایسی کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے واحدہ لاشریک ہونے کا دعویٰ سچا ہے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت لازم نہیں ہے۔ جب اللہ واحد ہے تو مجوسیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ دو خدا ہیں، ایک خیر کا خالق ہے وہ یزداں ہے اور ایک شر کا خالق ہے وہ اہرمن ہے اور عیسائیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ تین خدا ہیں، اللہ تعالیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم اور مشرکین مکہ کا بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مستحق عبادت ماننا بھی باطل ہو گیا۔

سورۃالاخلاص میں فرمایا: اللہ بے نیاز ہے۔ "**الصمد**" کے معانی اور محامل اس آیت میں "**صمد**" کا لفظ ہے "**صمد**" کا معنی ہے: اپنی حاجات اور ضروریات میں جس کا قصد کیا جائے اور اسے کسی کی طرف حاجت اور ضرورت نہ ہو، الاصم نے کہا: "**الصمد**' وہ ہے جو تمام چیزوں کا خالق ہو، السدی نے کہا: "**صمد**" وہ ہے جس کا مرغوبات کے حصول میں قصد کیا جائے اور آفات اور مصائب میں اس سے فریاد کی جائے، الحسین بن فضل البجلی نے کہا: '**صمد**" وہ ہے جو جس چیز کو بھی چاہے وہ کرے اور اپنے ہر ارادہ کو پورا کرے اور اس کے حکم اور اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہ ہو "**صمد**" وہ ہے جو غنی ہو، قرآن مجید میں ہے: "**ھو الغنی الحمید**۔" (الحدید: 24) وہ مستغنی ہے اور تعریف کیا ہوا ہے "**صمد**" وہ ہے جس کے اوپر کوئی نہ ہو "**وھو القاھر فوق عبادہ**" (الانعام: 18) وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے، قتادہ نے کہا: وہ کھاتا پیتا نہیں ہے "**وھو یطعم ولا یطعم**" (الانعام: 1) وہ کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا، نیز قتادہ نے کہا: '**صمد**" وہ ہے جو ہمیشہ باقی رہے اور اس کے سوا ہر چیز فانی ہے: "**کل من علیھا فان۔ ویبقی وجہ ربك** (الرحمٰن: 27-26) زمین پر ہر چیز فانی ہے۔ اور آپ کا رب باقی ہے، ابومالک نے کہا: "**صمد**" وہ ہے جس کو اونگھ اور موت نہیں آتی: "**لا تاخذہ سنۃ ولا نوم**" (البقرہ: 255) اس کو نہ نیند آتی ہے نہ موت، مقاتل بن حیان نے کہا: "**صمد**" وہ ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو، ربیع بن انس نے کہا: "**صمد**" وہ ہے جس پر کوئی آفت اور مصیبت نہ آئے، سعید بن جبیر نے کہا: "**صمد**" وہ ہے جو اپنی تمام صفات اور افعال میں کامل ہو، امام جعفر صادق نے کہا، جو ہمیشہ غالب ہو اور کبھی مغلوب نہ ہو، "**صمد**" وہ ہے جو تمام نقصانات اور تغیرات سے منزہ ہو اور زمان و مکان کے احاطہ سے مبرا ہو۔ (تفسیر کبیر ج 11 ص 362-363 ملخصاً و موضحاً دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1415ھ) الاخلاص: 3 میں فرمایا: اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی اولاد کی نفی کی ہے اور پھر دوسرے حصہ میں اس کی نفی کی ہے کہ وہ خود کسی کی اولاد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی اولاد ہے، البتہ اس کے کئی فرقے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور یہود یہ کہتے تھے کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد اس لئے نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے، اگر اس کی اولاد ہوتی تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتی اور جو پیدا ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ممکن اور حادث ہوگا۔ عیسائی یہ کہتے ہیں کہ ہم مسیح کو اللہ کا بیٹا اور اللہ کو اس کا باپ کہتے ہیں، یہ اطلاق مجازی ہے، اور یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمانی طور پر مسیح کا باپ ہے بلکہ اس کو عزت اور بزرگی کے طور پر باپ کہا جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ پر ایسے اسماء کا اطلاق کیا جاتا ہے جن میں نقص کا پہلو نہ ہو اور ان صفات کا اطلاق کیا جاتا ہے جو اس کی شان کے لائق ہوں اور باپ ہونے میں نقص کا پہلو ہے کیونکہ اس سے جسمانی رشتہ سے باپ ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے، موجودہ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کو باپ کہتے تھے، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ایسا برگزیدہ نبی کب اس بات سے ناواقف ہوگا کہ باپ ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کو باپ نہیں کہہ سکتے۔

الاخلاص : 4 میں فرمایا : اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔ یہ بھی خالص : توحید کا تتمہ ہے کیونکہ کوئی شخص اسی کو بیوی بناتا ہے جو اس کے کفو ہو اور اس کی ہم پلہ ہو اس کائنات میں کوئی اس کا ہم پلہ ہے ہی نہیں تو وہ کسی کو بیوی کیسے بنائے گا۔ قرآن مجید میں ہے : (الانعام : 101) اللہ کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے، اس کی تو کوئی بیوی ہی نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

الخلاص کا خلاصۃ الخلاص :

1 ۔ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، الاخلاص : ۔ 2 ۔ میں فرمایا : اللہ تعالیٰ صمد ہے یعنی وہ رحیم و کریم ہے، سب اس کا قصد کرتے ہیں اور وہ کسی کا قصد نہیں کرتا، الاخلاص : ۔ 3 میں فرمایا : وہ والد ہے نہ مولود ہے یعنی ممکنات کی صفات سے مبرا اور منزہ ہے۔ الاخلاص : ۔ 1 ۔ میں فرمایا : اللہ احد ہے تو ان کا رد ہو گیا جو متعدد خدا مانتے ہیں جیسے مشرکین اور عیسائی، اور الاخلاص : 2 ۔ میں فرمایا : اللہ صمد ہے، سب اسی کا قصد کرتے ہیں تو ان کا رد ہو گیا جو اپنی حاجات میں بتوں کا قصد کرتے ہیں اور الاخلاص : 3 ۔ میں فرمایا : وہ والد نہیں ہے تو یہود کا رد ہو گیا، جو کہتے تھے : عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں کا رد ہو گیا جو کہتے تھے : مسیح اللہ کا بیٹا ہے اور مشرکین کا رد ہو گیا جو کہتے تھے : فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور الاخلاص : 4 ۔ میں فرمایا : اللہ کا کوئی کفو اور ہم سر نہیں تو ان مشرکین کا رد ہو گیا جو بتوں کو اللہ تعالیٰ کا ہم سر مانتے تھے۔ یہ سورت، سورۃ الکوثر کے مقابلہ میں ہے، سورۃ الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے

رسول اللہ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ کی مدافعت کی تھی اور جس نے آپ کو ابتر کہا تھا، اس کی مذمت کی اور آپ کی شان بیان کی تھی، اس سے پہلے 'قل" (آپ کہیے) نہیں فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ از خود آپ کی مدافعت کر رہا ہے اور آپ کی شان بیان کر رہا ہے اور اس سورت میں پہلے " قل "فرمایا: یعنی آپ کہیے اور اللہ تعالیٰ کی مدافعت کیجیے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف اس کا شریک، اس کا بیٹا اور اس کی بیوی مانتے ہیں، ان کا رد کیجیے تاکہ معلوم ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مدافعت کر رہے ہیں، الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے بنی نضر کو ابتر کہنے والے کا رد کیا تھا اور الاخلاص میں فرمایا کہ آپ کہیے اور انکار کیجیے جو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے ہیں، اس کا بیٹا مانتے ہیں، اس کی بیوی مانتے اور اس کی شان کے خلاف اس کی صفات بیان کرتے ہیں۔

شرک کی تعریف اور مشرکین مکہ کا شرک کیا تھا؟

سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر فرمایا ہے اور شرک کا رد کیا ہے، اس مناسبت سے ہم چاہتے ہیں کہ توحید پر دلائل دینے کے بعد شرک کی وضاحت کریں۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے، اس کی ہر صفت مستقل بالذات ہے اور وہ مستحق عبادت ہے، سو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب اور قدیم ماننا یا اس کی کسی صفت کو مستقل بالذات ماننا شرک ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز شرک نہیں ہے۔

اہل سنت و جماعت صالحین اور اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں

یا اسناد مجازی کے طور پر ان سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں فلاں چیز عطا فرمائیں جیسے حضرت ہاجرہؑ نے صفا، مروہ کے گرد سات چکر لگانے کے بعد جب حضرت جبرائیلؑ کی آواز سنی تو کہا: اغث ان کان عندك خیر۔ اگر تمہارے پاس کوئی خیر ہے تو مدد کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 3365 مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: 9107 مسند احمد ج 1 ص 253) یا جیسے حضرت جبریل (علیہ السلام) نے حضرت مریم سے کہا: (مریم: 19) جبریل نے کہا: میں آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں۔ جب حضرت جبریل بیٹا دے دینے کی اپنی طرف نسبت کر سکتے ہیں تو مسلمان بھی بیٹا دینے کی نسبت اولیاء اللہ اور صالحین کی طرف کر سکتے ہیں اور یہ اسناد مجازی ہے اور ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے، ورنہ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت جبرائیلؑ کو بھی مشرک قرار دینا ہوگا۔ العیاذ باللہ! مخالفین اس نوع کی استمداد کو شرک کہتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو قبر پرست اور مشرک کہتے ہیں، نیز کہتے ہیں کہ اہل مکہ کا شرک یہی تھا کہ وہ صالحین سے مدد طلب کرتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں ہے کہ اہل مکہ قبر والوں سے یا صالحین سے مدد طلب کرتے تھے یا ان کی عبادت کرتے تھے، قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ اہل مکہ ملائکہ کی، جنات کی، ستاروں کی اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے کسی کی عبادت اس کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے۔ مشرکین فرشتوں کی عبادت ان کی صلاحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی عبادت اس وجہ سے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، قرآن مجید میں ہے: (الزخرف: 20-19) اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کی عبادت کرنے والے ہیں

مئونث قرار دیا، کیاوہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود تھے، عنقریب ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کے متعق باز پرس کی جائے گی۔اور انہوں نے کہا، اگر رحمٰن چاہتا تو ہم فرشتوں کی عبادت نہ کرتے، انہیں اس کا کوئی علم نہیں، وہ صرف اندازے سے بات کرتے ہیں۔اور مشرکین جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت بھی وہ ان کی صالحیت کی وجہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دے دیا تھا، قرآن مجید میں ہے : (الانعام : 100) اور انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنالیااور بغیر علم کے ان کو اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بنالیا، اللہ ان کی دی ہوئی صفات سے بہت بلند ہے۔(الصفت : 158) اور انہوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان نسب گھڑ لیا۔مشرکین ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے کوئی چیز بھی اصلاانسان نہیں ہے، قرآن مجید میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ مشرکین کسی صالح انسان کی عبادت کرتے تھے یا کسی قبر کی عبادت کرتے تھے۔مشرکین بتوں کی نذر مانتے تھے، ان کی نذر کو ایصال ثواب پر چسپاں کرنا بھی باطل ہے، ہمارے نزدیک نذر اللہ کی مانی جاتی ہے کہ اے اللہ ! اگر فلاں بیمار کو تو نے شفادے دی تو میں تیری رضاکے لئے اتنا طعام صدقہ کروں گا، پھر اس طعام کو صدقہ کرکے اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔(تبیان القراان)

باقی سب انساب سے پاک نہیں ہر ایک کے ماں باپ ہونا ضروری ہیں یہی کثرت ہے۔لیکن حضرت آدم علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ تھوڑا عجیب ہے۔

قرآنِ مجید اِس حقیقت کو اِن اَلفاظ میں بیان کرتا ہے:

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا.

(الانبیاء، 30:21)

اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اِکائی (singularity) کی شکل میں جڑے ہوئے تھے، پس ہم نے اُنہیں پھاڑ کر جدا کر دیا۔

اِس آیتِ کریمہ میں دو اَلفاظ ''رَتْق'' اور ''فَتَق'' خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ 'رَتْق' کے معنی کسی شے کو ہم جنس مواد پیدا کرنے کے لئے ملانے اور باندھنے کے ہیں۔ 'فَتَق' متضاد ہے 'رَتْق' کا، جس کا معنی توڑنے، جدا کرنے اور الگ الگ کرنے کا عمل ہے۔ قرآنِ مجید نے آج سے 14 صدیاں قبل تخلیقِ کائنات کی یہ حقیقت عرب کے ایک جاہل معاشرے میں بیان کر دی تھی اور لوگوں کو یہ دعوتِ فکر دی تھی کہ وہ اِس حقیقت کے بارے میں سوچیں۔ صدیوں کی تحقیق کے بعد بیسویں صدی کے وسط میں جدید علمِ تخلیقیات (cosmology)، علمِ فلکیات (astronomy) اور علمِ فلکی طبیعیات (astrophysics) کے ماہرین نے بالکل وُہی نظریہ منظرِ عام پر پیش کیا ہے کہ کائنات کی تخلیق ایک 'صفر درجہ جسامت کی اِکائیت' سے ہوئی۔ 'عظیم دھماکے کا نظریہ' (Big Bang Theory) اسی کی معقول تشریح و توضیح ہے۔
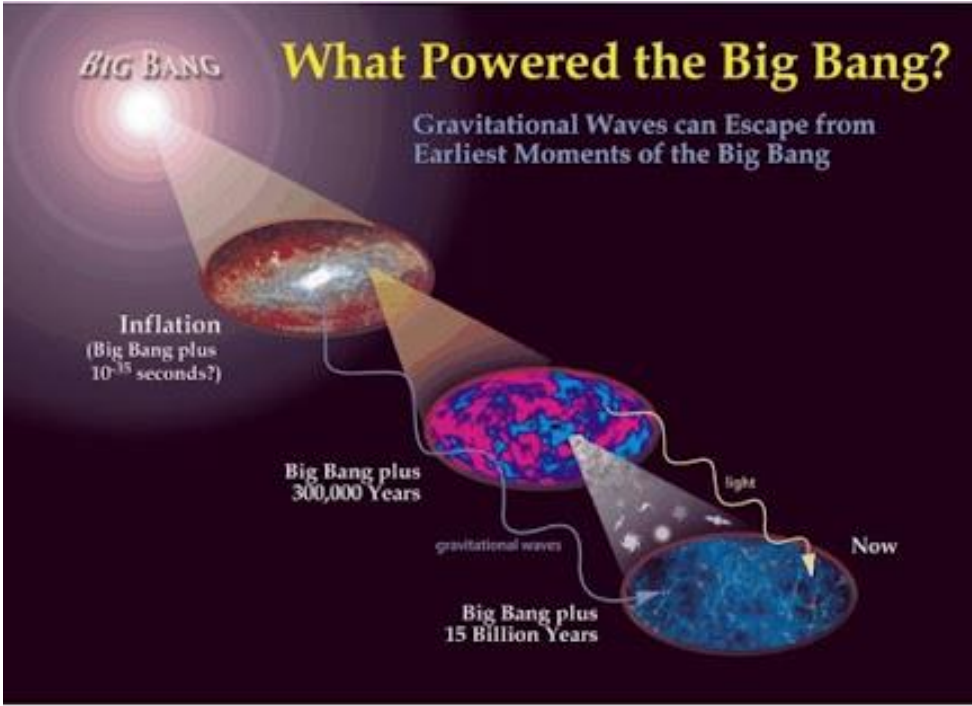
کائنات کوعدم سے وجود میں لایا گیا۔ کائنات کا مادہ ایک نقطہ میں بند تھا جسے ایک دھماکے سے پھاڑ دیا گیا جس سے گیسوں اور گرد کا ایک بہت بڑا دھواں نما بادل بن گیا بعدازں اسی سے چھوٹی اور بڑی کہکشائیں بنیں اور پھر ان سے ستارے اور سیارے بنے۔ ہمارا نظام شمسی بھی اسی طرح وجود میں آیا تھا

موجودہ سائنسی تحقیقات کے محتاط اندازوں کے مطابق اَب تک اِس کائنات کو تخلیق ہوئے کم و بیش 15 ارب سال گزر چکے ہیں۔ آج سے 15 ارب سال پہلے پائی جانے والی اُس اِبتدائی کمیّتی اِکائی سے پہلے وہ کیا شے تھی جس سے یہ کائنات ایک دھماکے کی صورت میں تخلیق کی گئی؟ سائنس اِس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ اِس مُعمّے کا حل قرآنِ مجید کے اِس فرمان پر اِیمان لانے سے ہی ممکن ہے:

إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ٥

(مریم، 19:35)

جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو اُسے صرف یہی حکم دیتا ہے: ''ہو جا''، بس وہ ہو جاتا ہے٥

مطلع اول

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قلت: یا رسول اللہ! بأبي أنت و أمی! أخبرنی عن أوّل شئ خلقه اللہ تعالی قبل الأشیاء، قال: یا جابر! إن اللہ تعالی قد خلق قبل الأشیاء نور نبیك من نوره. فجعل ذلك النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ تعالی، ولم یکن فی ذلك الوقت لوح ولا قلم، ولا جنة ولا نار، ولا ملك، ولا سماء ولا أرض، ولا شمس ولا قمر، ولا جنی ولا انسی، فلما أراد اللہ تعالی أن یخلق الخلق، قسم ذالك النور أربعة أجزاء: فخلق من الجزء الأوّل القلم، ومن الثانی اللوح، ومن الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأوّل حملة العرش، ومن الثانی الکرسی، ومن الثالث باقی الملائکة، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأوّل السموت، ومن الثانی الأرضین، ومن الثالث الجنة والنار...

''میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ! مجھے بتائیں کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی؟ حضور صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جابر ! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اس نے نور کے فیض سے) پیدا فرمایا، پھر وہ نور مشیتِ ایزدی کے مطابق جہاں چاہتا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھا اور نہ انسان۔ جب اللہ تعالی نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا: پہلے حصے سے قلم بنایا، دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصے سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے۔ پھر چوتھے کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے سے آسمان بنائے، دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت اور دوزخ۔۔۔''

)قسطلانی، المواہب اللدنیہ، 1 : 71 ، بروایت امام عبدالرزاق (

اللہ رب العزت تاجدار کائنات صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے ہر شے کو تخلیق فرمانے کی وجہ خود بیان کرتا ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ

لولاه ما خلقتك ولا خلقت سماء ولا ارضا.

''اگر میں اسے (محمد صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) پیدا نہ کرتا تو نہ تمہیں (آدم علیہ السلام) پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان کو پیدا کرتا۔''

)قسطلانی، المواہب اللدنیہ، 1 : 9(

کیونکہ اس جسد کا کیا کرنا جس کی روح ہی تخلیق میں نہ آئی ہو۔ جب روح تخلیق میں آجائے تو پھر اس کو پھونکے جانے کے لئے جسد بھی بنایا جاتا ہے۔ پس آدم علیہ السلام کو بھی بنا دیا گیا اور نور مصطفیٰ صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روح بنا کر کائنات میں بھیجنے کے لئے کائنات بھی بنادی۔

پس اس روح سے مراد نور محمدی صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جس سے آدم کا جسد یعنی عالم اصغر زندہ ہو گیا۔ اسی طرح عالم اکبر یعنی کل کائنات بھی ایک روح کی تلاش میں تھی تو اللہ رب العزت نے آقا صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو اس کائنات کی بھی روح بنا کر اس کائنات کو زندگی عطا کی۔ جس طرح آدم کے اندر نور محمدی صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم روح بن کر اس کو زندہ رکھے ہوئے ہے، اسی طرح اس کل کائنات کی روح اور جان روح محمد صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن کے وسیلہ سے کائنات حرکت میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام

اللہ کے اولین پیغمبر۔ **ابوالبشر** (انسان کا باپ) اور صفی اللہ (خدا کا بر گزیدہ) لقب۔ آپ کے زمانے کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ کچھ علمائے نزدیک آپ کا وقت 4452 قبل مسیح ہے۔

دلائل سے ثابت ہے کہ جہان حادث ہے اور قدیم نہیں ہے تو پھر انسان کی تخلیق کا سلسلہ ماضی کی جانب کسی ایک انسان پر ختم ہوگا جو پہلا انسان ہوگا اور ضروری ہے کہ وہ انسان ماں باپ اور معروف طریقہ سے پیدا نہ ہو ورنہ وہ پہلا انسان نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے انسان کو مٹی کے پتلے سے بنایا ہے اس لیے اس کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے کوئی علت اور فاعل ہونا چاہیے اور ضروری ہے کہ وہ علت اور فاعل واجب اور قدیم ہو ممکن اور حادث نہ ہو کیونکہ ممکن اور حادث کو تو اپنے وجود میں خود میں خود کسی علت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علت اور فاعل واحد ہو کیونکہ متعدد واجب نہیں ہو سکتے ورنہ ہر واجب میں دو جز ہوں گے ایک نفس وجوب جس میں وہ سب مشترک ہوں گے اور ایک وہ جز جس سے ایک واجب دوسرے واجب سے ممتاز ہوگا اور جو چیز سے مرکب ہو وہ اپنے وجود میں ان اجز کی محتاج ہوتی ہے اور محتاج ممکن اور حادث ہے اور واجب نہیں ہو سکتا ہے پس ثابت ہوا کہ انسان کا بنانے والا واجب اور واحد ہے اور جب پہلے انسان کو وہ بنانے والا ہے تو تمام انسانوں کا وہی پیدا کرنے والا ہے جو واجب قدیم اور واحد ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کی خلقت کے مادہ میں مختلف آیات کی توجیہ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ (آل عمران: 59) اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے جس کو اس نے مٹی سے پیدا کیا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ (ص: 71) میں گارے (مٹی اور پانی کا آمیزہ) سے ایک بشر پیدا کرنے ولا ہوں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کو گارے اور کیچڑ سے پیدا کیا گیا ہے۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (الرحمن: 14) انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی خشک مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور اس آیت میں فرمایا ہے: اور بیشک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو پہلے سیاہ سڑا ہوا بدبودار گارا تھی۔ ان آیتوں میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ پہلے انسان کا مٹی سے پیدا کیا پھر گارے سے، پھر سیاہ سڑے ہوئے بدبودار گارے سے پھر ٹھیکرے کی طرح بجنے والی خشک مٹی سے۔ حضرت ابن

عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ انسان کو تین مرتبہ بنایا گیا۔ چمٹنے والی مٹی سے خشک مٹی سے اور سیاہ بدبودار کیچڑ سے۔ (الجامع جز 14 ص 37، مطبوعہ دارالفکر بیروت 1415ھ) امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کی تخلیق کے لیے تمام روئے زمین سے مٹی لی گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے شایان شان ہاتھ سے ان کا پتلا تیار کیا حتی کہ وہ پتلا خشک ہو گیا اور ٹھیکرے کی طرح بجنے ولی مٹی ہو گیا کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو اس سے کھنکتی ہوئی آواز نکلے۔ (الدار لمشور ج 5 ص 77، مطبوعہ دارالفکر بیروت، 1414ھ) علامہ ابو المظفر السمعانی الشافی المتوفی 489ھ لکھتے ہیں: بعض آثار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کے گارے کا خمیر بنا کر چھوڑ دیا،۔ حتی کہ وہ سیاہ بدبودار گارا ہو گیا۔) تفسیر القرآن ج 3 ص 137، مطبوعہ دارالوطن، ریاض 1418ھ) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو کسی بھی جنس کے جسم سے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کر دیتا اور وہ اس پر بھی قادر تھا کہ مرحلہ وار پیدا کرنے کے بجائے ابتداء پیدا کر دیتا لیکن جس طرح اس نے علم کبیر کو تدریجا چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے اسی طرح اس نے اس عالم صغیر یعنی انسان کو بھی تدریجا پیدا کیا اور اس میں بندوں کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ وہ اطمیان سے تدریجا کام کیا کریں۔ (تبیان القرآن)

حوا علیہا السلام کی پیدائش

جمہور مفسرین کی رائے کے مطابق حضرت حواء کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے ہوئی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت حواءؑ کی پیدائش اللہ تعالی نے حضرت آدمؑ کو بناتے وقت بچی ہوئی مٹی سے کی ہے، لیکن پہلے والا قول ہی راجح ہے۔ فقط

منهما يعني آدم وحواء، قال مجاهد-رحمه الله-: خلقت حواء من قصيرى آدم، وفي الحديث: خلقت المرأة من ضلع عوجاء۔ القرطبي: ٦/٦، سورة النساء: ١، ط: مؤسسة الرسالة بيروت، لبنان۔ وفي تفسير روح المعاني: "وخلق منها زوجها" وهو عطف على خلقكم داخل معه في حيّز الصّلة، وأعيد الفعل لإظهار ما بين الخلقين من التفاوت لأن الأول بطريق التفريع من الأصل والثاني بطريق الإنشاء من المادة، فإن المراد من الزوج حواء وهي قد خلقت من ضلع آدم عليه السلام الأيسر كما روى ذلك عن عمر -رضي الله عنه- وغيره۔ وروى الشيخان "استوصوا بالنساء خيراً فإنهن خلقن من ضلع وإن أعوج شيء في الضلع أعلاه الخ" وأنكر أبو مسلم خلقها من الضلع، لأنه سبحانه قادر على خلقها من التراب فأي فائدة في خلقها من ذلك، وزعم إن معنى "منها"

من جنسها ...... ووافقه على ذلك بعضهم مدّعيا أن بما ذكر يجر إلى القول بأن آدم -عليه السلام- كان ينكح بعضه بعضا، وفيه من الاستهجان مالا يخفى، وفي الهامش: وقيل إنها خلقت من فضل طينه ونسب للباقر۔ روح المعانی: ۱۸۱/۳، الجزء الرابع "مطلب في الذي خلقكم من نفس واحدة الخ" ط: مكتبة إمدادية، ملتان، باكستان۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ .... قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ

جب فرشتوں نے کہا اے مریم ! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں عزت والا ہے اور وہ مقربین میں سے ہے کہنے لگی الٰہی ! مجھے بیٹا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اسے فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے

حضرت مریم علیہا السلام کو ولادت عیسیٰ (علیہ السلام) کی خوشخبری، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے اوصاف، معجزات اور ان کے مشن کا بیان۔ ملائکہ کی گفتگو ابھی جاری تھی کہ حضرت مریم (علیہ السلام) شرمندگی اور گھبراہٹ کے عالم میں فرشتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگیں کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی عیسیٰ (علیہ السلام) کی خوشخبری دے رہے تھے۔ اے میرے رب ! مجھے کیونکر بیٹا ہوگا؟ جب کہ کسی بشر نے آج تک مجھے چھوا ہی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے تو وہ صرف اس کام کے ہو جانے کا حکم دیتا ہے اور وہ کام اسی طرح ہو جاتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام یہ سوچنے لگیں کہ میں کنواری ہوں میرے ماں باپ نے مجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کررکھا ہے۔ معاشرہ مجھے نیک اور باحیا سمجھتا ہے۔ قوم میں میرے خاندان کی نیک نامی کا شہرہ ہے، مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں وہ انہی خیالات میں گم تھیں کہ اچانک حضرت جبریل امین (علیہ السلام) انسان کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ حضرت مریم علیہا السلام چونک اٹھیں کہ میں تجھے رب

رحمٰن کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ اگر تم واقعی نیک ہو تو میرے قریب نہ آنا۔ جبریل امین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے نیک بچہ عطا کروں۔ (سورۂ مریم آیت 19) حضرت جبریل (علیہ السلام) نے حضرت مریم علیہا السلام کو عیسیٰ (علیہ السلام) کے اوصاف، خصوصیات، مرتبہ میں بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکمت و دانائی کی تعلیم دے گا تورات اور انجیل بھی سکھلائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو لکھنے کا طریقہ سکھلایا' ان کی گفتگو اتنی حکیمانہ ہوتی کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں انجیل سے نوازا اور تورات پر انہیں اتنا عبور تھا کہ اگر کوئی یہودی ان سے سوال کرتا تو وہ تورات کی عبارت کا زبانی حوالہ دے کر اسے قائل اور خاموش کر دیتے۔ فرشتوں نے مریم علیہا السلام کے سامنے یہ بات بھی واضح کی کہ وہ بنی اسرائیل کا رسول ہوگا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ میں تمہارے رب کی طرف سے کھلے دلائل اور معجزات لے کر آیا ہوں، میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑنے لگتا ہے پیدائشی نابینے کو بینا، کوڑھی کو صحیح اور مردے کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں پھر میں تمہیں یہ بھی بتلاتا ہوں کہ تم اپنے گھروں میں کیا کھاتے اور کیا جمع کرتے ہو؟ یقیناً ان معجزات اور دلائل میں تمہارے لیے ہدایت کے بڑے ثبوت ہیں۔ اگر تم ایمان لانے کے لیے تیار ہو۔ میں تورات کی تائید کرتا ہوں اور ان چیزوں کو تمہارے لیے حلال کرتا ہوں جو تمہاری نافرمانیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام قرار دیں ہیں۔ ان چیزوں کو بھی تمہارے لیے جائز قرار دیتا ہوں جو تمہارے مذہبی پیشواؤں نے اپنی مرضی سے تم پر حرام کی ہیں۔ میں یہ سب دلائل و معجزات تمہارے رب کی طرف سے پیش کرتا ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری تابع داری میں لگ جاؤ۔ یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ نبی جس قوم میں مبعوث کیا جاتا ہے وہ قوم جس فن میں ید طولیٰ رکھتی ہو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی نبوت ثابت کرنے کے لیے اسے ایسے معجزات عطا فرماتا ہے کہ جس سے ظاہری اسباب کے حوالے سے بھی نبی کی صداقت لوگوں کے سامنے اظہر من الشّمس ہو جائے اور لوگ نبی کے دلائل کے سامنے لاجواب ثابت ہوں۔ عیسیٰ (علیہ السلام) کی بعثت سے پہلے اس زمانے کے اہل علم طب، جراحت اور جادو گری میں اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے انہیں لاجواب کرنے کے لیے عیسیٰ (علیہ السلام) کو ایسے معجزات عطا فرمائے کہ لوگ یہ معجزات دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ یاد رہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ان معجزات کی نسبت اپنی طرف کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں کہ جس طرح میں اللہ کا رسول ہوں اسی طرح یہ معجزات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اس میں میرا کمال اور اختیار نہیں ہے۔ (فہم القرآن محمد جمیل)

نسب کی ضرورت

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو زندگی کی کسی شعبہ میں رہنمائی حاصل کرنے کے لئے غیروں کا محتاج نہیں رکھا۔ روح و جسم کی تمام ضرورتیں پوری کی ہیں۔ معاش و معاد کے تمام مسائل کا شافی حل بتادیا ہے۔ ذہنوں میں اٹھنے والے وسوسوں اور دماغوں میں پیدا ہونے والی الجھنوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔ اب یہ امت پر منحصر ہے کہ وہ اس خزینہ علم و حکمت سے کہاں تک فیض یاب ہونے کی سنجیدہ کوشش کرتی ہے۔ البتہ ایک بات طے ہے کہ انسانیت کا مستقبل دین اسلام سے وابستہ ہے۔ تہذیب حاضر نے مادی ترقی کے عوض انسان سے جو کچھ لیا ہے اس سے انسان کو جو ذہنی انتشار، نفاق، کھچاؤ اور ظلم و بربریت اور سیاسی و اقتصادی غلامی نصیب ہوئی ہے وہ بڑی بھاری قیمت ہے جو انسان نے ادا کی ہے۔ نئی سائنسی ترقی سے مخلوق خدا کو جو فوائد و برکات حاصل ہو سکتی تھیں وہ کم اور اس کی مکمل تباہی کا جو سامان مہیا کر دیا گیا ہے اس کی ہلاکت آفرینی کا خوف زیادہ ہے۔

برادری سسٹم کی حقیقت

قرآن کریم میں برادری سسٹم کے بارے میں جامع ہدایات دی گئیں ہیں۔ اس کے فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے بگاڑ کے اسباب و نتائج سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ.

الحجرات، 13:49

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں ایک بڑی اور عالمگیر گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جس سے دنیا میں ہمیشہ گمراہی پھیلی ہے اور جس سے ظلم و زیادتی کی جڑیں مضبوط ہوئی ہیں۔ یعنی نسلی، قومی، وطنی، لسانی اور رنگ کا تعصب۔ قدیم زمانے سے انسانوں نے انسانیت کو چھوڑ کر اپنے ارد گرد کچھ دائرے کھینچے ہیں جن کے اندر بسنے والوں کو اس نے اپنا اور باہر والوں کو بیگانہ سمجھا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی یا

اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ اتفاقیہ پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ مثلا، ایک قبیلے یا خاندان میں پیدا ہونا۔ کسی خاص خطہ زمین پر پیدا ہونا، کوئی خاص زبان بولنا، کسی خاص رنگ و نسل سے متعلق ہونا وغیرہ۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی اگر اس میں صرف یہ ہوتا کہ اپنوں سے نسبتاً زیادہ محبت ہوتی، ان سے زیادہ ہمدردی ہوتی، ان سے زیادہ حسن سلوک کیا جاتا تو بات بری نہ تھی۔ مگر اس تمیز نے دوسروں سے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین صورتیں اختیار کیں۔ اس کے لئے فلسفے گھڑے گئے، مذہب ایجاد ہوئے، قوانین بنائے گئے، اخلاقی اصول وضع کئے گئے، قوموں اور سلطنتوں کی اس پر بنیاد رکھی گئی، صدیوں تک اس پر عمل ہوا اور ہو رہا ہے۔ چنانچہ یہودیوں نے اسی بناء پر بنی اسرائیل کو خدا کی برگزیدہ مخلوق ٹھہرایا۔ اور مذہبی معاملات تک میں دوسری قوموں کو اپنی قوم سے فروتر رکھا۔ ہندوؤں کے ہاں درم آشرم کو اسی خیال نے جنم دیا، جس کی رو سے برہمنوں کو باقی قوموں پر برتری حاصل ہوئی۔ اونچی ذات والوں کے مقابلے میں تمام انسان ہیچ اور ناپاک ٹھہرائے گئے۔ شودروں کو انتہائی ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ کالے اور گورے کی تمیز نے افریقہ اور امریکہ میں سیاہ فام لوگوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں، ان کو تاریخ کے اوراق میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں ہر شخص ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ یورپ والوں نے امریکہ میں ریڈ انڈین نسل کے لوگوں سے جو سلوک کیا اور ایشیا و افریقہ کے اکثر ممالک پر تسلط قائم کر کے ان پر جو مظالم ڈھائے اور جس طرح ان کے مادی وسائل کا استحصال کیا اور سامراج کا چھوٹی قوموں سے جو ظالمانہ برتاؤ ہمیشہ رہا ہے، اس سے کون واقف نہیں؟۔ فلسطینی مسلمانوں پر اور ہندوستان میں اقلیتوں پر جو مشق ستم جاری ہے اس سب میں ایک ہی سبب کار فرما ہے کہ اپنی قوم کے سوا سب کا مال، جان اور عزت مباح ہے، جیسے چاہو پامال کرو۔ اپنی قوم کے سوا سب کو غلام بنالو، ضرورت محسوس ہو تو نیست و نابود کر دو۔ مغربی دنیا میں پچھلی دو عظیم جنگیں ہو چکی ہیں۔ ان کے پیچھے بھی نسلی برتری کا یہی تصور موجود تھا۔ ان حقائق کو نظر میں رکھ کر اگر اس آیت کریمہ پر غور کیا جائے تو انسان بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ کتنی بڑی گمراہی ہے جس کی اصلاح کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں تین نہایت اہم اصولی باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

ہم نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ ان تمام قوموں اور نسلوں کی ابتداء صرف ایک آدم اور حواء سے ہوئی ہے۔ اس تمام سلسلہ میں کوئی بنیاد اس اونچ نیچ کے لئے نہیں جس میں لوگ مبتلا ہیں۔ ایک خدا پیدا کرنے والا۔ ایک مادہ منویہ سے سب کی پیدائش، ایک طریقہ تخلیق کے ماتحت تمام انسان پیدا کئے گئے۔

دوم یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پورے روئے زمین کے انسانوں کا ایک ہی خاندان یا ایک ہی علاقہ یا ایک جیسا رنگ یا ایک ہی زبان تو نہ ہوئی تھی۔ نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ خاندان بڑھیں۔ مختلف علاقوں میں آباد ہوں۔ خاندانوں سے قومیں بنیں اور کسب معاش کے لئے مختلف پیشے اختیار کریں اور تمدن کی بنیاد رکھیں۔ ان فطری اختلافات کو تو ظاہر ہونا ہی تھا، اس میں کوئی خاندانی خرابی نہ تھی بلکہ ان سے قوموں میں

اور انسانوں کے مختلف طبقات میں تعارف پیدا ہوا جو نا گزیر تھا۔ مگر اس فطری فرق و امتیاز کا ہر گز منشا یہ نہ تھا کہ اس امتیاز پر انسانوں میں اونچ نیچ، شریف کمین، برتر اور کمتر اور چھوٹے بڑے کے امتیازات قائم کئے جائیں۔ ایک نسل دوسری نسل پر اپنی فضیلت جتائے۔ ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کی تحقیر کریں اور ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوق جمائے اور انسانی حقوق میں ایک گروہ کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہو۔ خالق نے مختلف اقوام اس لئے بنائیں کہ باہمی تعارف و تعاون ہو۔ ایک دوسرے سے محبت و مودت ہو اور لوگ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں۔

سوم کسی قوم اور برادری میں پیدا ہونا کسی کی بزرگی یا سعادت کی بنیاد نہیں۔ بزرگی و شرافت کی اصل بنیاد اخلاقی فضیلت ہے۔ کسی شخص کا کسی قوم میں پیدا ہونا اس کے لئے اتفاقی امر ہے۔ اس کا اپنا اس میں کوئی اختیار نہیں لہٰذا شرف بزرگی کا اصل سبب قوم و قبیلہ سے متعلق ہونا نہیں بلکہ اس کی ذاتی اخلاقی خوبیاں ہیں۔ جو شخص خدا سے زیادہ ڈرتا ہے، اس کے احکام کا پابند ہے، اس کی رضا کا متلاشی ہے، وہ عظیم ہے، شریف ہے، بزرگ ہے اور قابل تکریم و تعظیم ہے، اور جو شخص خدا کا باغی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ ہے وہ ذلیل ہے، نیچ ہے، حقیر ہے۔

ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہی حقائق جو قرآن کی مختصر سی آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مختلف خطبات میں مختلف مواقع پر تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر فرمایا۔

ألحمد الله الذی أذهب عنکم عیبة الجاهلیة و تکبرها. یأیها الناس رجلان بر تقی کریم صلی الله علیه وآله وسلم علی الله وفاجر شقی هین علی الله. والناس بنو آدم و خلق الله آدم من تراب.

سیوطی، الدر المنثور، 7 :579

''شکر ہے اس خدا کا جس نے تم سی جاہلیت کا عیب اور غرور دور فرمایا، لوگو! تمام انسان صرف دو قسم کے ہیں۔ ایک نیک، پرہیزگار، اللہ کی نگاہ میں عزت والا۔ دوسرا فاجر بدبخت جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہوتا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ نے مٹی سے بنایا''۔

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

یا أیّها الناس ان ربکم واحد لا فضل لعربي علی عجمي ولا لعجمی علی عربي ولا لأسود علی أحمر ولا لا حمر علی أسود إلا بالتقوی إن أکرمکم عند الله أتقٰکم ألا هل بلغت؟ قالوا بلی یا رسول الله قال فلیبلغ الشاهد الغائب.

بیہقی، شعب الایمان، 4 :289، الرقم : 5137

''لوگو! سن لو، تمہارا خدا ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو سرخ اور کسی سرخ کو کالے پر تقوی کے سوا کوئی فضیلت نہیں۔ بے شک تم میں اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ سنو! کیا میں نے تمہیں بات پہنچا دی؟ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ! ہاں! فرمایا تو جو آدمی یہاں موجود ہے وہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دے جو موجود نہیں''۔

ایک حدیث میں ہے:

إن اللہ لا ینظر إلی صورکم وأموالکم ولکن ینظر إلی قلوبکم وأعمالکم.

ابن ماجہ، السنن، 2:1388، الرقم: 4143

''بے شک اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دل اور تمہارے عمل دیکھتا ہے''۔

یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اہل ایمان کی ایک عالمگیر برادری عملًا قائم کر کے دکھا دی ہے۔ جس میں رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کی کوئی تمیز نہیں۔ جس میں چھوت چھات اور تفریق و تعصب کا کوئی تصور موجود نہیں۔ جس میں شریک ہونے والے تمام انسان خواہ کسی قوم، نسل، وطن، رنگ اور زبان سے تعلق رکھنے والے ہوں، بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔ اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اصولوں کو جس طرح کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی صورت دی گئی ہے، اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی ملک، کسی دین اور کسی نظام میں کہیں نہیں پائی گئی۔ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے مختلف قبیلوں اور قوموں کو ملا کر ایک امت بنا دیا ہے۔

اس سلسلہ میں اسلامی نظام معاشرت میں بیاہ شادی کے وقت کفو کا حکم دیا گیا ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوتا ہے کہ اسلام میں بعض قوم قبیلے شریف اور کچھ رذیل ہوتے ہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اسلام میں ایک مسلمان عورت کا نکاح ہر مسلمان سے ان شرائط کے ساتھ ہو سکتا ہے جو شریعت میں بیان کر دی گئیں ہیں۔ اس میں کہیں بھی ایسا کوئی حکم نہیں کہ جس سے ایک قوم کے مرد کا نکاح دوسری قوم کی عورت سے مخصوص قومی اختلاف کی وجہ سے ناجائز ہو جائے۔ البتہ میاں بیوی میں عمر، تعلیم، شکل و شباہت، سماجی و معاشی مناسبت وغیرہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جس کے بغیر ظاہر ہے کہ زوجین میں اتفاق اور نبھا مشکل ہوتا ہے۔ اس مناسبت کا خیال رکھنا ہر گز ذات پات کے وہ بندھن نہیں، جن میں مذکورہ بالا خرابیوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی بھائی چارہ مضبوط کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (مفتی عبدالقیوم ہزاروی)

خاندان سادات کی فوقیت

سادات کی عظمت و تعظیم اور ان پر بہتان اور تذلیل سے اجتناب کا حکم۔ قرآن و حدیث اور اقوال علماء سے سمجھیں۔
بحثیت انسان ہر شخص صاحب عظمت ہے، کیوں کہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کے شرف سے نوازا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ....

"اور ہم نے بنی آدم کو عزت و تکریم عطا کی اور انہیں خشکی اور تری پر سوار کیا اور انہیں پاکیزہ روزی عطا کی اور انہیں اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی" [سورۃالاسراء: 70]

نبی ٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی طرح کی برتری حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری حاصل ہے. اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر، اور نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر فوقیت حاصل ہے مگر تقویٰ کے ساتھ - اب اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی تذلیل کرنا گناہ ہے، لیکن اللہ ربّ العزت نے کسی خاص نسبت کی وجہ سے انسان ہی میں خاص عظمت و رفعت سے نوازا، جیسا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے اعلیٰ خاندان میں پیدا فرمایا، سید الانبیاء بنایا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو حکم دیا کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرو، جس نے نہ کیا وہ بارگاہِ الٰہی سے نکالا گیا جو شیطان ملعون بنا اور اپنے اسی فتنہ حسد بغض میں انسانوں کو مبتلا کرنا شروع کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میرا نیک بندہ ہوگا شیطان کی راہ پر ہر گز نہیں آئے گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے صدی، دن، مہینہ، جگہ احباب و اصحاب ممتاز ہوتے گئے حتیٰ کہ آپ کے اہلِ بیت اور اولاد کو بھی خاص عظمت سے نوازا اور اسے پاک اور ستھرا بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت سادات کو خاص مقام حاصل ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے: ستّة لعنتهم لعنهم الله وكل نبي مجاب الزائد في كتاب الله والمكذب بقدر الله والمستحل من عترتي ما حرم الله الحديث ۲ــہ۔

چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی اللہ اُن پر لعنت کرے، اور نبی کی دعا قبول ہے ازانجملہ ایک وہ جو کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھائے اور وہ جو خیر و شر سب کچھ اللہ کی تقدیر سے ہونے کا انکار کرے اور وہ جو میری اولاد سے اس چیز کو حلال رکھے جو اللہ نے حرام کیا۔

) ۲؎ سنن الترمذی کتاب القدر حدیث ۲۱۶۱ دارالفکر بیروت ۴/ ۶۱ (

اور ایک حدیث میں کہ ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من لم يعرف حق عترتي فلاحدى ثلث اما منافق

وامّا ولدلزانیۃ واما حملتہ امّہ علیٰ غیر طھر ۱ ؎۔ جو میری اولاد کا حق نہ پہچانے وہ تین باتوں میں سے ایک سے خالی نہیں، یا تو منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ۔

)۱؎ کنز العمال حدیث ۳۴۱۹۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰۴/۲(

مجمع الانہر میں ہے کہ: من قال لعالم عویلم اولعلوی علیوی استخفافا فقد کفر ۲؎۔

یعنی جو کسی عالم کو مولویا یا سید کو میروا اس کی تحقیر کے لئے کہے وہ کافر ہے۔

)۲؎ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۶۹۵/۱(

اور اس میں شک نہیں جو سید کی تحقیر بوجہ سیادت کرے وہ مطلقّاً کافر ہے اس کے پیچھے نماز محض باطل ہے ورنہ مکروہ، اور جو سید مشہور ہوا گرچہ واقعیت معلوم نہ ہو اسے بلا دلیل شرعی کہہ دینا کہ یہ صحیح النسب نہیں اگر شرائط قذف کا جامع ہے تو صاف کبیرہ ہے اور ایسا کہنے والا اسّی کوڑوں کا سزاوار، اور اس کے بعد اس کی گواہی ہمیشہ کو مردود، اور اگر شرط قذف نہ ہو تو کم از کم بلاوجہ شرعی ایذائے مسلم ہے اور بلاوجہ شرعی ایذائے مسلم حرام،

قال اللہ تعالیٰ: والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا ۳؎۔

جو لوگ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے (کوئی معیوب کام) کیا ہو ان کا دل دکھاتے ہیں تو بیشک انہوں نے اپنے سر پر بہتان باندھنے اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھالیا (۳؎ القرآن الکریم ۵۸/۳۳)

اب اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا قادری علیہ رحمہ کے فرمان ملاحظہ فرمائیں:

یہ فقیر ذلیل بحمدہ تعالیٰ حضرات ساداتِ کرام کا ادنٰی غلام و خاکپا ہے۔ ان کی محبت و عظمت ذریعہ نجات وشفاعت جانتا ہے، اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ سیّد اگر بدمذہب بھی ہو جائے تو اس کی تعظیم نہیں جاتی، جب تک بدمذہب حدِ کفر تک نہ پہنچے، ہاں بعدِ کفر سیادت ہی نہیں رہتی، پھر اس کی تعظیم حرام ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی فقیر بار ہا فتوی دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید

جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ اور خواہی نخواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں

تو بُرا کہنا مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں۔

"الناس امنأعلی انسابھم (لوگ اپنے نسب پر امین ہیں)، ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سیّد نہیں اور وہ سید بنے اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے نہ اسے سید کہیں گے اور مناسب ہوگا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کر دیا جائے۔

میرے خیال میں ایک حکایت ہے جس پر میرا عمل ہے کہ ایک شخص کسی سیّد سے الجھا، انہوں نے فرمایا میں سیّد ہوں کہا۔ کیا سند ہے تمہارے سیّد ہونے کی۔ رات کو زیارتِ اقدس ﷺ سے مشرف ہوا کہ معرکہ حشر ہے یہ شفاعت خواہ ہوا، اعراض فرمایا: اس نے عرض کی: میں بھی حضور کا امتی ہوں۔ فرمایا: کیا سند ہے تیرے امتی ہونے کی۔
فتویٰ رضویہ ! جلد ۲۹(
بیشتر مشائخ و علماء فرماتے ہیں کہ سادات کی تعظیم کرنا فرض ہے اور ان کو برا بھلا کہنا، انکی دل آزاری اور توہین حرام ہے۔ اور لوگ سادات کی تذلیل اکثر حسد اور کینہ کی وجہ سے کرتے ہیں۔
لھذا سادات (سید) کو بھی چاہئے کہ اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سنیت پر قائم رہیں اور سامنے والوں کی عزت و تکریم میں کمی نہ کریں، اخلاق و اخلاص سے لوگوں سے پیش آئیں، اور لوگوں کو بھی چاہئے کہ سادات پر الزام و ابہام تراشنے سے پہلے حق جاننے کی کوشش کریں کیونکہ قرآن کا فرمان عام ہے کہ افواہ سے خبر دار رہو ! حکم قرآن:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ!
اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نا دانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔ (سورہ حجرات)
صحابہ کرام اور بزرگانِ دین اور سچے مسلمان کے سامنے کوئی شخص کسی کی برائی یا شکایت کرتا تو حق جاننے کے لئے دونوں گروہ کی خبر گیری فرماتے، یاد رہے کہ انسان غلطی سے خالی نہیں۔ ساتھ ساتھ انسان خود کی برائی نہ کرتا ہے نہ سننا چاہتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے جب تم کسی مسلمان میں برائی تلاش کروگے تو صرف برائی ہی پاؤگے اگر اچھائی تلاش کرو تو صرف اچھائی ہی پاؤگے۔ کوئی فیصلہ کریں یا اس پر لعن تعن کریں تو اعتدال پسند اور تحقیق سے ہی کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اعتاب خدا کے شکار ہو جائیں۔

سادات کون ہیں اور ان کے کفو کون ہیں؟ سید کا غیر سید قوم میں نکاح کا حکم

1۔۔ سیّد کے مصداق وہ لوگ ہیں جو حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عباس، حضرت عقیل اور حضرت حارث رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اولاد میں سے ہیں، ان سب پر صدقہ حرام ہے، لیکن عام عرف میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد پر سید کا اطلاق ہوتا اور یہ آلِ رسول ﷺ ہیں۔

2۔۔ جہاں تک نکاح میں کفو ہونے کا تعلق ہے تو قریش آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، ان میں بعض سید ہیں اور بعض غیر سید، سادات کی کفو قوموں میں صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، زبیری، یعنی شیوخ، قریش وغیرہ شامل ہیں۔

3۔۔ سید لڑکے کا غیر سید لڑکی سے نکاح کرنا بہر صورت جائز ہے۔ اور سیدہ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت سے غیر سید مسلمان لڑکے سے بھی جائز ہے۔

البتہ اگر عاقلہ و بالغہ سیدہ لڑکی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر غیر سید لڑکے سے نکاح کرے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن اگر لڑکا اس لڑکی کا کفو نہ ہو (یعنی قریش کے علاوہ دیگر عرب قبیلہ کا یا عجمی قوم میں سے ہو) اور ولی کو اس پر اعتراض ہو تو اولاد ہونے سے پہلے ولی بذریعہ عدالت اس نکاح کو ختم کروا سکتا ہے۔

صحیح مسلم: (4 / 1873)

(2408) "حدثني زهير بن حرب، وشجاع بن مخلد، جميعا عن ابن علية، قال زهير: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، حدثني أبو حيان، حدثني يزيد بن حيان، قال: انطلقت أنا وحصين بن سبرة، وعمر بن مسلم، إلى زيد بن أرقم، فلما جلسنا إليه قال له حصين: لقد لقيت يا زيد خيرا كثيرا، رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، وسمعت حديثه، وغزوت معه، وصليت خلفه لقد لقيت، يا زيد خيرًا كثيرًا، حدثنا يا زيد ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: يا ابن أخي والله لقد كبرت سني، وقدم عهدي، ونسيت بعض الذي كنت أعي من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فما حدثتكم فاقبلوا، وما لا، فلا تكلفونيه، ثم قال: قام رسول الله صلى الله عليه وسلم يومًا فينا خطيبًا، بماء يدعى خما بين مكة والمدينة فحمد الله وأثنى عليه، ووعظ وذكر، ثم قال: " أما بعد، ألا أيها الناس فإنما أنا بشر يوشك أن يأتي رسول ربي فأجيب، وأنا تارك فيكم ثقلين: أولهما كتاب الله فيه الهدى والنور فخذوا بكتاب الله، واستمسكوا به " فحث على كتاب الله ورغب فيه، ثم قال: «وأهل بيتي أذكركم الله في أهل بيتي، أذكركم الله في أهل بيتي، أذكركم الله في أهل بيتي» فقال له حصين: ومن أهل بيته؟ يا زيد أليس نساؤه من أهل بيته؟ قال: نساؤه من أهل بيته، ولكن أهل بيته من حرم الصدقة بعده، قال: ومن هم؟ قال: هم آل علي وآل عقيل، وآل جعفر، وآل عباس قال: كل هؤلاء حرم الصدقة؟ قال: نعم ".

مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر: (1 / 224)

"(ولا) تدفع (إلى هاشمي من آل علي أو عباس أو جعفر أو عقيل) بفتح العين (أو الحارث بن عبد المطلب، ولو كان عاملا عليها) أي على الزكاة لقوله عليه الصلاة والسلام: «إن هذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس و إنها لا تحلّ لمحمد ولا آل محمد، و العباس و الحارث ابنا عبد المطلب و علي و جعفر و عقيل أولاد أبي طالب - رضي الله تعالى عنهم -»، وفائدة التخصيص بهؤلاء أنه يجوز الدفع إلى من عداهم من بني هاشم كذرية أبي لهب، كما في الجوهرة وهو ظاهر الرواية".

المبسوط للسرخسی: (5 / 24)

"الكفاءة في خمسة أشياء (أحدها) النسب، وهو على ما قال: قريش أكفاء بعضها لبعض فإنهم فيما بينهم يتفاضلون، وأفضلهم بنو هاشم، ومع التفاضل هم أكفاء ألا ترى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوج عائشة - رضي الله تعالى عنها -، و كانت تيميةً و تزوج حفصة - رضي الله تعالى عنها - و كانت عدويةً «و زوج ابنته من عثمان - رضي الله عنه - و كان عبشميًا» فعرفنا أن بعضهم أكفاء لبعض.

قریش کی تاریخ

بنو قریش یا قریش مکہ کا ایک اہم ترین قبیلہ تھا۔ خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق اسی قبیلے کی ایک شاخ بنو ھاشم سے تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ امجد قصی ابن کلاب کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے۔ چونکہ قصی ابن کلاب نے اہل عرب کو ایک مرکز پر جمع کیا اس لیے وہ قریش کہلائے کیونکہ تقرش کا مطلب عربی میں جمع کرنے کے اور قصی عرب کو جمع کرنے والے تھے۔ آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا میں آنے سے قبل بھی عرب کے تمام قبیلوں میں خاندانِ قریش کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ خانہ کعبہ جو تمام عرب کا دینی مرکز تھا اس کے متولی یہی قریش تھے اور مکہ مکرمہ کی ریاست بھی انہی سے متعلق تھی۔ قبیلہ قریش کی بڑی بڑی شاخیں مندرجہ ذیل تھیں :

1۔ سدانتہ

یعنی کعبہ کی حفاظت اور اس کی خدمت، محافظ کعبہ ہی کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی تھی اور وہی لوگوں کو اس کی زیارت کراتا تھا۔ یہ عہدہ بنی ہاشم کے خاندان میں تھا اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے زمانہ میں آپ کے دادا عبدالمطلب اس عہدے پر مقرر تھے

۔2۔ سقایہ

، یعنی پانی کا انتظام، مکہ معظّمہ میں پانی کی قلّت تھی اور موسم حج میں ہزارہا زائرین کے جمع ہو جانے کی وجہ سے پانی کا خاص انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ چمڑے کے حوض بنوا کر اُنہیں صحنِ کعبہ میں رکھ دیا جاتا تھا اور اُس کے آس پاس کے پانی کے چشموں سے پانی منگوا کر اُنہیں بھر دیا جاتا تھا۔ جب تک چاہِ زمزم دوبارہ صاف نہ ہو گیا یہ دستور جاری رہا۔ سقایہ کی خدمت بنی ہاشم سے متعلق تھی.

۔3۔ رفادہ زائرین

، کعبہ کی مہمانداری کے لئے قریش کے تمام خاندان ایک قسم کا چندہ ادا کرتے تھے اس چندہ سے غریب زائرین کے کھانے پینے کا انتظان کیا جاتا تھا یہ خدمت پہلے بنی نوفل سے متعلق تھی پھر بنی ہاشم کے حصے میں آئی.

۔4۔عُقاب

یہ قریش کے قومی جھنڈے کا نام تھا جب لڑائی کا زمانہ ہوتا تھا تو اسے نکالا جاتا تھا اگر اتفاق رائے سے کوئی معزز شخص جھنڈا اُٹھانے کے لئے تجویز ہو گیا تب تو اسے دے دیا جاتا تھا ورنہ جھنڈے کا محافظ جو بنو امیہ کے خاندان میں سے ہوتا تھا، یہ خدمت انجام دیتا تھا.

۔5۔ندوہ، یہ مکہ کی قومی اسمبلی تھی۔قریش مشورہ کرنے کے لئے یہیں جمع ہوتے تھے یہیں جنگ و صلح اور دوسرے بڑے بڑے معاملات کے فیصلے ہوتے تھے اور قریش کی شادیاں بھی یہیں ہوتی تھیں) ندوہ (کا انتظام بنی عبدالدار سے متعلق تھا.

۔6۔قیادہ

یعنی قافلہ کی راہنمائی، جس شخص سے یہ منصب متعلق ہوتا تھا اسے خاص معاملات میں مشورہ لیا جاتا تھا۔قریش کسی معاملہ کا آخری فیصلہ کرنے سے پہلے مشیر کی رائے ضرور حاصل کر لیتے تھے۔یہ منصب بنی اسد سے متعلق تھا۔

7۔قبہ

جب مکہ والے لڑائی کے لئے نکلنے کا ارادہ کرتے تو ایک خیمہ نصب کیا جاتا اس خیمہ میں لڑائی کا سامان جمع کر دیا جاتا تھا۔یہ ذمہ داری بھی قریش کے کسی خاندان سے متعلق ہوتی تھی

۔8۔حکومہ

یعنی آپس کے لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا،

9۔سفارہ

یعنی ایلچی گری، جب کسی دشمن قبیلہ سے صلح کی بات چیت ہوتی تو کسی سمجھ دار آدمی کو اس کام کے لئے مقرر کیا جاتا.

ابتداا سلام میں قریش کے آخری سفیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب تھے۔اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ، قریش، عرب کا سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔پھر قریش میں بھی بنی ہاشم کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا کیونکہ اکثر بڑے بڑے عہدا نہی سے متعلق تھے۔

شجرۃ المبارکہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ

شجرة نسب النبي محمد صلى الله عليه وسلم

ہاشم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پر دادا تھے۔
ان کی اولاد قریش کے معزز ترین قبیلہ بنو ھاشم کے نام سے مشہور ہے۔ان کا اصل نام عمرو تھا۔ھاشم اس لیے نام ہوا کیونکہ وہ مکہ کے زائرین کی تواضع ایک خاص عربی شوربہ سے کرتے تھے جسے ھشم کہا جاتا ہے۔یہ لقب اس وقت ملاجب ایک قحط کے دوران انہوں نے یہی شوربہ اہلِ مکہ کو کھلایا۔
آپ اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام سے تھے۔مکہ کے مشہور تاجر تھے اور نہایت معزز تھے۔انہوں نے قریش کے تجارتی قافلے شروع کروائے اور ان کے لیے بازنطینی سلطنت کے ساتھ معاہدے کیے جن کے تحت قریش بازنطینی سلطنت کے تحت آنے والے ممالک میں بغیر محصول ادا کیے تجارت کر سکتے تھے اور تجارتی قافلے لے جا سکتے تھے۔
یہی معاہدے وہ حبشہ کے بادشاہ کے ساتھ بھی کرنے میں کامیاب ہوئے جس کا تمام قریش کو بے انتہا فائدہ ہوا اور ان کے قافلے شام، حبشہ، ترکی اور یمن میں جانے لگے۔آپ دینِ حنیف) دینِ ابراہیمی (پر قائم تھے اور بت پرستی نہیں کرتے تھے۔
اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریشی وہاشمی بہی کہا جاتا ہے.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد

ہاشم بن عبد مَناف بن قُصَی بن کِلاب بن مُرّہ:

رسول اللہ (ص) کے پڑداد ا اور مکہ کے صاحبان مناصب میں سے تھے۔ وہ بنو ہاشم تک پہنچنے والے مختلف سلسلہ ہائے نسب کے مورث اعلی ہیں۔

حلف المطیبین کے بعد سقایت (حجاج کو پانی فراہم کرنے) اور رفادت (حجاج کو کھانا فراہم کرنے) کے دو مناصب ان کو سونپ دیئے گئے۔ مراسمات حج کی تعظیم اور اپنے دو مناصب سے بخوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

ہاشم وہ شخصیت ہیں جنہوں نے قریش کے لئے جاڑے اور گرمی والے تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی۔ وہ قریش کے لئے شوکت اور امن سکون کا اصلی ترین عامل تھے اور قریش دلی طور پر ان سے بہت زیادہ وابستہ تھے؛ یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہوا تو وہ بہت زیادہ فکر مند تھے کہ کہیں دوسرے عرب قبائل ان پر غلبہ نہ کرلیں۔ وہ قحط کے مواقع پر لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے اور انھوں نے ہی تجارت سے حاصلہ آمدنی غرباء میں تقسیم کرنے کا قانون وضع کیا تھا اور ان کے یہ دو اقدامات ان کی شہرت کا سبب تھے۔

ہاشم نے اپنے والد عبد مناف کے بعد عظمت اور شہرت پائی۔ وہ نورانی اور روشن چہرے کے مالک تھے حسب و نسب اور اخلاقی محاسن و مکارم کے لحاظ سے قریش کے برترین اور بہترین فرد تھے۔ فیاض، کریم اور مہمان نواز تھے اور ان کی سخاوت کا چرچا عام تھا۔

ہاشم کے تین بھائی تھے: "مُطَّلِب، نَوفَل اور ابو عمرو"، اور ان کی چھ بہنیں تھیں۔ ان کی والدہ عاتِکہ بنت مُرّة بن ہلال تھیں۔

ہاشم مراسمات حج کی تعظیم اور اپنے دو مناصب سے بخوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ ہر سال حج کے ایام میں قریش کے درمیان اٹھ جاتے تھے اور خطبہ پڑھ کر انہیں حجاج کی تکریم و تعظیم کی دعوت دیتے تھے اور ان کو ہدایت کرتے تھے کہ ان ایام میں انہیں بہر صورت مکہ میں ہی ٹھہر کر حجاج کے لئے کھانا تیار کریں۔ ہاشم خود بھی بہت زیادہ مال اس کام کے لئے پس انداز کرلیتے تھے اور قریشی بھی اپنی مالی حیثیت کے تناسب سے اپنا حصہ ہاشم کو ادا کرتے تھے۔

وہ ایام حج میں کعبہ کے قریب کھال کے بنے ہوئے بڑے بڑے حوض رکھواتے تھے اور مکہ کے کنوؤں سے خوشگوار پانی اکٹھا کروا کر ان میں بھروادیتے تھے۔ نیز سات ذوالحجہ سے لے کر منیٰ سے حاجیوں کی واپسی تک منیٰ اور مکہ نیز مشعر الحرام اور عرفہ میں حاجیوں کو کھانا فراہم کرتے تھے اور نان، ثرید، گوشت، گھی اور سویق کے ساتھ ان کی ضیافت کا اہتمام کرتے تھے۔

ان کے اقدامات میں سے ایک یہ تھا کعبہ کے لئے سنہری دروازہ بنوایا۔

انھوں نے لوگوں کے لئے لئے آب رسانی کے فریضے کی بہتر انجام دہی کے لئے مکہ میں دو کنوئیں کھود لئے۔ "بذّر" نامی کنواں شعب ابی طالب کے دہانے پر کھودا اور اس کا پانی عوام کے لئے وقف کر لیا اور "سجلۃ" نامی کنواں، جو عرصۂ دراز تک قبیلۂ مطعم بن عدی بن نوفل کے زیر استعمال تھا۔

مؤرخین کے مطابق، ہاشم قریش کے پہلے فرد تھے جنہوں نے (یمن یا حبشہ یا یمن اور حبشہ کی جانب) جاڑے کے تجارتی سفروں اور (شام کی جانب) موسم گرما کے سفروں کی بنیاد رکھی۔ قبل ازاں قریش کا تجارتی لین دین مکہ کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تھا اور یہ شہر دوسرے غیر عرب تاجروں اور سوداگروں کی گذرگاہ کا کردار ادا کرتا تھا اور ان کے پاس اپنا سامان تجارت ہوتا تھا۔ ہاشم جوان ہی ایام میں تجارت کے لئے شام اور یمن کا سفر اختیار کیا کرتے تھے اور بہت زیادہ سفر کرتے تھے، نے قریش کی تجارت کو منظّم اور منضبط کر دیا اور ان ہی کی ترغیب کے نتیجے میں ان کے قبیلے نے دو موسموں میں تجارتی سفروں کا اہتمام کیا۔ (سورہ قریش میں ان سفروں کی طرف اشارہ ہوا ہے)۔

نیز انھوں نے حبشہ کے حکمران نجاشی کو خط لکھا اور ان سے درخواست کی کہ قریشیوں کو اپنے زیر نگیں علاقوں میں کاروبار و تجارت کی غرض سے آمد و رفت کی اجازت دیں۔

ہاشم نے مکہ سے شام تک کے راستے میں آباد عرب قبائل کے سرداروں کے ساتھ قراردادیں منعقد کیں تاکہ قریش امن و امان کے ساتھ ان علاقوں سے گذریں اور اس کے بدلے قریشی ان کا ساز و سامان کرایہ وصول کئے بغیر مطلوبہ مقامات تک پہنچا دیں۔

ہاشم ہی بظاہر اس رسم کے بانی تھے کہ ہر قریشی تاجر تجارت سے حاصل ہونے والی آمدنی کو ایک نادار شخص کے ساتھ تقسیم کرے۔ اس اقدام کے نتیجے میں تمام غرباء بھی اغنیاء کی مانند، صاحب مال و ثروت ہوئے۔ یہ سلسلہ ظہور اسلام تک جاری رہا۔ اسی بنا پر عرب قبائل کے درمیان کوئی بھی قبیلہ قریش کی طرح صاحب عزت و حیثیت نہ تھا۔ قریشی ہاشم کے احکامات کی تعمیل اور ان کے ساتھ تعاون کے نتیجے میں پر آسائش زندگی سے بہرہ ور ہوئے۔ ہاشم قریش کی شوکت و عظمت اور آسائش فکر کا بنیادی سبب تھے اور قریش قریش دلی طور پر ان سے بہت زیادہ وابستہ تھے؛ یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہوا تو وہ بہت زیادہ فکرمند تھے کہ کہیں دوسرے عرب قبائل ان پر غلبہ نہ کر لیں۔

ہاشم اپنے آخری سفر میں قریش کے چالیس افراد کے ہمراہ شام کی طرف چلے گئے اور جب غزہ پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور وہیں وفات پا گئے۔ ان کے ساتھی ان کی تدفین کے بعد ان کے اموال ان کے فرزندوں کے لئے لے گئے۔ زیادہ تر مؤرخین نے وفات کے وقت ہاشم کی عمر کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے؛ بلاذری کے بقول ہاشم بوقت وفات 20 سالہ یا 25 سالہ نوجوان تھے۔ تاہم بلاذری کا یہ خیال، ہاشم کی سماجی منزلت اور فرزندوں کی تعداد کو مد نظر رکھ کر قابل قبول نہیں آتا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آخری سفر میں ہاشم کا ایک ساتھی

(قبیلۂ بنو عامر بن لؤی کا) ابو رہم بن عبد العزی العامری 20 برس کا نوجوان تھا۔ معلوم ہوتا ہے دوسرے مؤرخین کی رائے درست نہیں ہے اور انھوں نے اس عدد کو ہاشم کی عمر قرار دیا ہے۔

ہاشم نے اپنے بھائی مطلب کو اپنا وصی اور جانشین قرار دیا اور بعد کے زمانوں میں بنو ہاشم اور بنو المطلب ہمیشہ متحد رہے۔

ان کو ہاشم کا لقب ملا کیونکہ جن سالوں میں قریش قحط کا شکار ہوئے تھے، ہاشم نے ان کا مسئلہ حل کرنے کے لئے شام یا فلسطین کا سفر اختیار کیا اور ہدایت کی بہت زیادہ روٹیاں تیار کی جائیں۔ بعد ازاں روٹیوں کو اونٹوں پر لاد لیا اور مکہ منتقل کیا۔ وہاں روٹیوں کے ٹکڑے کر دیئے اور ثرید تیار کیا ((هَشَمَ الثَّرِيدَ/الخُبزَ) اور اونٹوں کو نحر کیا اور پکایا اور بے کسوں کا پیٹ بھر دیا۔ اسی بنا پر انہیں ہاشم (ٹکڑے ٹکڑے کرنے والا) کہا گیا۔

قریش کو قبائل کے سربراہوں اور پڑوسی بادشاہوں کے ساتھ مانوس و متحد کرنے کی بنا پر "صاحب ایلاف قریش" کا لقب دیا گیا ہے ہاشم کو "عمرو العلیٰ" کہا جاتا تھا جس کا سبب ان کی ذاتی خصوصیات اور نمایاں اور اعلی ذاتی صفات تھیں۔ "ابو الشعث الشحیات" بھی ہاشم کا ایک نام تھا۔ "بدران" بھی ایک لقب تھا جو لوگوں نے ہاشم اور ان کے بھائی عبد مناف کو دیا تھا۔ اس لقب کا سبب یہ تھا کہ وہ دونوں بہت زیادہ خوبصورت اور حسین و جمیل تھے "اقداح النضار"۔ یعنی خالص اور خوبصورت پیمانے۔ بھی ایک اجتماعی خطاب تھا جو ہاشم اور ان کے بھائیوں (مطلب اور نوفل) کو دیا گیا تھا۔

"مجیرون" (پناہ دینے والے) یا "مجیزون (اجازت دینے والے اور گذارنے والے) دوسرا اجتماعی لقب تھا جو ہاشم اور ان کے بھائیوں کو دیا گیا تھا؛ کیونکہ وہ بہت سخی اور فیاض تھے اور دوسرے عربوں پر سیادت و اعزاز رکھتے تھے اور ان کے درمیان ہاشم نے شام، روم اور غسان کے بادشاہوں کے ساتھ معاہدے کئے اور ان کے بھائیوں نے ایران، حبشہ اور یمن کے بادشاہوں کے ساتھ معاہدے کئے اور ان سب نے قریش کے لئے امان نامے وصول کئے تا کہ وہ خاطر جمعی اور سکون و آسائش کے ساتھ ان بادشاہوں کے قلمرو میں تجارت کر سکیں۔ بروایت دیگر، چونکہ خداوند متعال نے ان کے وسیلے سے قریش کی غربت اور بد حالی کا ازالہ کیا چنانچہ انہیں "مُجَبِّرون" (جبران یا ازالہ کرنے والے) کہا گیا۔

ہاشم نے کئی شادیاں کیں اور ان سے چار بیٹوں اور پانچ بیٹیوں کے باپ بنے ان کے بیٹوں کے نام "عبد المُطّلِب، اسد، ابو صَیفی، اور نَضلہ "۔ اور بیٹیوں کے نام "الشّفاء، خالدة، رقیة، حبیۃا ور ضعیفة" ہیں۔

ہاشم کی نسل صرف عبد المطلب سے چلی ہے۔ جبکہ نضلہ اور اسد کی نسل باقی اور جاری نہیں رہی۔ البتہ ابو صیفی کا "صیفی" نامی بیٹا تھا جو طفولت ہی میں وفات پا چکا تھا اور ان کی دو دوسرے بیٹے "عمرو اور ضحاک" بھی تھے۔ نیز نضلہ ایک بیٹا تھا جس کا نام "ارقم" تھا۔ لیکن چونکہ عرب نسب شناس ابو صیفی اور نضلہ کے مقطوع النسل ہونے کے قائل ہوئے ہیں لہٰذا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے

بیٹوں سے کوئی نسل باقی نہیں رہی ہے۔ اسد کے لئے بھی فاطمہ بنت اسد کے سوا کسی فرزند کا تذکرہ نہیں ہوا ہے جو (ابو طالب کی زوجۂ مکرمہ اور) امام علی علیہ السلام کی والدہ ہیں۔

جناب ہاشم کی تربت غزہ فلسطین میں ہے جس پر ایک قدیم مسجد (مسجد السید ہاشم) بھی قائم ھے۔ جو کہ پیش کردہ تصویر میں دیکھی جا سکتی ھے۔

حوالہ جات:-

ا ۔ابن ہشام، السیرۃالنبویۃ، ج1، ص1۔
۲ ۔طبری، تاریخ، ج2، ص251۔
۳ ۔ابن اثیر، الکامل، ج2، ص16۔
۴ ۔ابن ہشام، السیرۃالنبویۃ، ج1، ص138۔
۵ ۔ابن سعد، الطبقات، ج1، ص75۔
٦ ۔حلبی، السیرۃالحلبیۃ، ج1، ص7۔
7 ۔بلاذری، انساب الاشراف، ج1، ص61۔54

حضرت عبد المطلب

(عبد المطلب) پیدائش 480 :ء، مدینہ منورہ – وفات 578 :ء، مکہ) (عربی میں عبد المطّلب (سیدنا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے ان کا اصل نام شیبہ تھا (شیبہ بن ہاشم عربی میں شيبة ابن هاشم یاشيبة الحمد)۔ان کو عبد المطلب (درست تلفظ: عبد المطَّلِب) اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کو ان کے چچا مطلب نے پالا تھا۔ کیونکہ ان کے والد ہاشم کی وفات ان کی پیدائش سے کچھ ماہ پیشتر ہو گئی تھی۔ حضرت عبد المطلب دینِ ابراہیمی (اسلام) پر قائم تھے اور ایسی کوئی ایک بھی روایت نہیں ملتی کہ انہوں نے کبھی بت پرستی کی ہو۔

تعارف

آپ کا اسم گرامی عامر، لقب شیبہ (بوڑھا) عبد المطلب، فیاض اور مطعم طیر السماء (آسمانی پرندوں کی ضیافت کرنے والا)، کنیت ابو حارث اور ابو بطحاء ہے۔آپ کے والد ماجد کا نام گرامی عمرو لقب عمرو العلا (اعلیٰ، بلند اور بزرگوار) اور ہاشم (چورہ کرنے والا) اور کنیت ابو نضلہ، ابویزید اور بعض کے نزدیک آپ کی کنیت ابو اسد ہے اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی سلمی ہے۔امام سہیلی کہتے ہیں کہ درست بات یہی ہے کہ آپ کا نام شیبہ ہے۔آپ انتہائی حسین و جمیل تھے۔حذافہ بن غانم عدوی نے آپ کے بارے میں کہا ہے:

" وَأَلَادُهُ بِيْضُ الْوُجُوهِ وُجُوهُهُمْ تُضِيءُ ظَلَامُ اللَّيْلِ كَالْقَمَرِ الْبَدْرِ

ان (شیبہ) کی اولاد کے چہرے سفید ہیں۔ وہ چودھویں کے چاند کی طرح رات کی تاریکی کو روشن کر دیتے ہیں۔

سلسلہ نسب

والد ماجد کی جانب سے سلسلہ نسب یہ ہے ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔

والدہ ماجدہ کی جانب سے سلسلہ نسب یہ ہے سلمی بنت عمرو بن زید بن لبید خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

دادی جان کی جانب سے سلسلہ نسب یہ ہے عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ۔

نانی جان کی جانب سے سلسلہ نسب یہ ہے عمیرہ بنت صخر بن حبیب بن الحارث بن ثعلبہ بن مازن بن النجار۔

شیبہ کی وجہ تسمیہ

جب آپ پیدا ہوئے تھے تو آپ کی پیشانی کے چند بال سفید تھے تو اس لیے شیبہ (بوڑھا یا بڑھاپے والا) نام پڑ گیا۔ چونکہ آپ نیک کاموں میں سبقت لے جاتے تھے اس لیے شیبۃ الحمد کے لقب سے پکارے جانے لگے اور بعض کے نزدیک لوگ آپ کی بہت تعریف کرتے تھے اس لیے یہ نام مشہور ہو گیا۔ واللہ اعلم

عبد المطلب کی وجہ تسمیہ

جب حضرت مطلب بن عبد مناف حضرت عبد المطلب کو مدینہ سے مکہ لے کر آرہے تھے تو راستے میں جو بھی مطلب سے پوچھتے کہ یہ پیچھے کون ہے تو حضرت مطلب بتاتے یہ میرا غلام (عبد) ہے جو مدینہ سے خرید کر لا رہا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبدالمطلب مناسب لباس بھی نہیں پہنے ہوئے تھے، راستے میں آفتاب کی تمازت سے اور تکلیف بھی اٹھائی تھی اس لیے تکان کی وجہ سے چہرہ کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔ مکہ میں آکر مطلب نے شیبہ کو عمدہ لباس پہنا کر بنو عبد مناف کے اشراف کی مجلس میں لا کر بیٹھایا۔ اور سب کو بتایا یہ میرا بھتیجا شیبہ بن ہاشم ہے۔ چونکہ راستے میں حضرت مطلب نے شیبہ کو عبد کہا تھا اس لیے آپ عبد المطلب مشہور ہو گئے۔

بہن اور بھائی

حضرت عبد المطلب کے تین بھائی اور پانچ بہنیں تھیں۔ ان میں رقیہ بنت ہاشم آپ کی حقیقی بہن ہے جو بچپن میں ہی فوت ہو گئ۔

ان کے علاوہ بھائیوں میں اسد بن ہاشم، ابو صیفی بن ہاشم جن کا نام عمرو تھااور نضلہ بن ہاشم شامل ہیں۔آپ کی بہنوں میں شفاء بنت ہاشم، حیہ بنت ہاشم، ضعیفہ بنت ہاشم اور خالدہ بنت ہاشم شامل ہیں۔ان سب میں سے ابو صیفی اور حیہ کی والدہ کا نام ہندبنت عمرو ہے، اسد کی والدہ کا نام قیلہ ملقب بہ جزوربنت عامر، نضلہ اور شفاء کی والدہ کا نام امیہ بنت عدی ضعیفہ اور خالدہ کی والدہ کا نام واقدہ بنت ابوعدی تھا۔ حضرت عبد المطلب کی بہن بھائیوں کی مذکورہ تفصیل ابن ہشام کے مطابق ہے جبکہ طبقات ابن سعد کے مطابق ابو صیفی نام عمرو ہے اور ان کے ایک اور بھائی صیفی بن ہاشم کا ذکر کرتے ہیں لیکن حیہ کا ذکر نہیں کرتے اور وہ خالدہ کی ایک اور بہن رقیہ بنت ہاشم کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے علاوہ حضرت عبد المطلب کے ایک اور بہن کاحنہ بنت ہاشم کا ذکر کرتے ہیں جن کی والدہ کا نام عُدی بنت حبیب ہے۔ابن سعد کی پیش کردہ محمد بن سائب کلبی کی روایت کے مطابق حضرت ہاشم بن عبد مناف کے پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں بنتی ہیں جبکہ کلبی کی روایت کے آغاز میں یہ عبارت ہے: ہاشم کی اولاد چار بیٹوں اور پانچ بیٹیوں پر مشتمل ہےاس لیے ابن ہشام کی تفصیلات ہی درست معلوم ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم

پیدائش و بچپن

آپ کے والد ہاشم بن عبد مناف نے آپ کی والدہ ماجدہ سلمی بنت عمرو سے اس شرط پر نکاح کیا تھا کہ وہ جو بھی بچہ جنے گی وہ میکے میں جنے گی چنانچہ جب حضرت عبد المطلب کی ولادت کا وقت قریب آیا تو حضرت ہاشم نے اپنی زوجہ کو اس کے میکے مدینہ میں چھوڑ کر خود تجارت کی غرض سے ملک شام چلے گئے اور وہیں غزہ میں وفات پائی۔ حضرت عبد المطلب کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔آپ سات آٹھ برس تک مدینہ منورہ میں ہی رہے۔ایک مرتبہ بنوالحارث بن عبد مناۃ کا ایک شخص مدینہ آیا۔ یہاں اسے چند لڑکے تیر اندازی کرتے ہوئے ملے۔شیبہ جب نشانے پر تیر مارتے تھے، وہ فخر سے کہتے تھے، میں ہاشم کا بیٹا ہوں، میں بطحا کے رئیس کا بیٹا ہوں۔ حارثی نے ان سے پوچھا تم کون ہوں؟ انہوں نے کہا میں شیبہ بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔ حارثی نے مکہ آکر حضرت مطلب بن عبد مناف سے جو حجر میں بیٹھا ہوئے تھے کہا اے ابوالحارث سنو! میں نے یثرب میں چند لڑکوں کو تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا۔ان میں سے ایک ایسا لڑکا تھا کہ جب اس کا تیر نشانے پر لگ جاتا تو وہ اظہار فخر میں کہتا، میں ہاشم کا بیٹا ہوں، میں بطحا کے رئیس کا بیٹا ہوں۔ حضرت مطلب نے کہا بخدا! میں اب اپنے گھر نہیں جاؤں جب تک کہ اس بچے کو نہ لے آؤں گا۔ حارثی نے کہا کہ اگر اس قدر مستعد ہو تو میری ناقہ صحن میں بندھی ہے اس پر چلے جاؤ۔ مطلب اسی اونٹنی پر سوار ہو کر یثرب گئے۔ سرشام وہ آبادی میں پہنچے۔ پھر بنوعدی بن النجار کے محلے میں آئے۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ قبیلہ کی چوپال میں لڑکے گیند کھیل رہے تھے، اس نے اپنے بھتیجے کی شناخت کرکے وہاں والوں سے پوچھا کہ یہ ہاشم کا بیٹا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں یہ تمہارا بھتیجا ہے۔اگر تم اسے لینا چاہتے ہو تو ابھی پکڑ لو اس کی ماں کو اس کی خبر نہ ہونے پائے، ورنہ اگر اسے معلوم ہو گیا تو وہ اسے کبھی نہیں جانے دے گی اور پھر ہم بھی اسے

نہ جانے دیں گے اور روک لیں گے۔ مطلب نے شیبہ کو آواز دی اور کہا کہ اے میرے بھتیجے میں تمہارا چچا ہوں، تم کو تمہاری قوم کے پاس لے جانے آیا ہوں اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنی اونٹنی بیٹھا دی اور وہ تیر کی طرح اچھل کر ناقہ کے پچھلے حصہ پر بیٹھ گئے۔ مطلب اسی وقت لے کر مکہ روانہ ہو گئے۔ اس کی ماں کو رات ہونے تک اس کے جانے کی اطلاع نہ ہوئی، جب رات کو اسے اس کی اطلاع ہوئی، تو اس نے شور مچایا کہ کوئی شخص میرے بچے کو بھاگا لے گیا پھر اسے اطلاع کی گئی کہ اس کا چچا اسے لے گیا ہے۔

ایک اور روایت کے مطابق محمد بن عمرو بن واقد الاسلمی کہتے ہیں کہ ثابت بن المنذر بن حرام صحابی رسول حسان بن ثابت کے والد عمرہ کے لیے مدینہ سے مکہ مکرمہ گئے وہاں حضرت مطلب بن عبد مناف سے ملے جو ان کے دوست تھے (باتوں باتوں میں) ان سے کہا: اگر تو اپنے بھتیجے شیبہ کو ہمارے قبیلہ میں دیکھتا تو اس کے شکل و شمائل میں تجھے خوبی و خوبروئی و ہیبت و شرافت نظر آتی، میں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے ماموں زاد بھائیوں میں تیر اندازی کر رہا ہے کہ نشان آموزی (وہ کمزور تیر ہے جس سے لڑکے تیر اندازی سیکھتے) کے دونوں تیر میرے کف دست جیسے مقدار کے ہدف میں داخل ہو جاتے ہیں، جب تیر نشانہ پر بیٹھتا ہے تو وہ کہتا ہے

" انا ابن عمرو العلی "میں بلند و مرتبہ عمرو (ہاشم) کا فرزند ہوں

مطلب: میں تو جب تک وہاں نہ جاؤں اور اس کو ساتھ نہ لاؤں اتنی بھی تاخیر نہیں کر سکتا کہ شام ہو جائے (اتنی جلدی ہے کہ آج دن کے اختتام ہونے کا بھی انتظار نہیں کر سکتا)۔ ثابت: میری رائے میں اسے نہ تو سلمی تیرے سپرد کر دے گی اور نہ اس کے ماموں تجھے لے جانے دیں گے۔ اگر تو اسے وہیں رہنے دیں کہ اپنے ننھیال میں اس وقت تک رہے کہ خود بخود تیرے پاس برضا و رغبت آ جائے تو اس میں تیرا کیا حرج ہے؟ مطلب نے کہا کہ وابواؤس میں تو اسے وہاں نہ چھوڑوں گا کہ اپنی قوم کے ماثر و فضائل سے بیگانہ بنا رہے، تجھے یہ تو معلوم ہی ہے کہ اس کا حسب و نسب و مجد و مشرف سب کچھ اس کی قوم کے ساتھ ہے۔ حضرت مطلب بن عبد مناف مکہ سے مدینہ گئے اور ادھر ایک گوشہ میں فروکش رہے۔ شیبہ کو دریافت کرتے رہے حتی کہ اپنے ننھیالی لڑکوں میں تیر اندازی کرتے ہوئے وہ مل گئے۔ مطلب نے انہیں دیکھا تو باپ کی شباہت ان میں نظر آئی، پہچان لیا، آنکھیں اشکبار ہوئیں، گلے سے لگایا، حلہ یمانی پہنایا اور کہنے لگے:

عرفت شیبۃ والنجار قد حفلت

ابناؤھا حولہ بالنبل تنتضل

"میں نے شیبہ کو پہچان لیا اور ایسی حالت میں پہچانا کہ قبیلہ بنی نجار کے لڑکے اس کے ارد گرد تیر اندازی کے لیے مجمع کیے ہوئے تھے"

عرفت اجلادہ منا و شیمتہ
ففاض منی علیہ وابل سبل

"میں نے پہچان لیا کہ اس کا زور بازو و طور و طریق ہم ہی میں سے ہے اور یہ پہچان کر میری آنکھیں اس پر آنسوؤں کے ڈونگرے برسانے لگیں"
سلمی نے پیغام بھیج کر مطلب بن عبد مناف کو اپنے ہاں فروکش ہونے کی دعوت دی جس کے جواب میں مطلب نے کہا: میری حالت اس (تکلف) سے بہت ہی سبک واقع ہوئی ہے، میں جب تک اپنے بھتیجے کو نہ پاؤں گا اور اسے اس کے شہر و قوم میں نہ لے جاؤں گا اس وقت تک گرہ بھی نہیں کھولنا چاہتا۔ سلمی نے کہا: میں تو اس کو تیرے ساتھ بھیجنے کی نہیں۔ سلمی نے اس جواب میں مطلب کے ساتھ درشتی و خشونت ظاہر کی تو انہوں نے کہا ایسا نہ کر میں تو بغیر اس کے ساتھ لیے واپس جانے والا نہیں۔ میرا بھتیجا سن شعور کو پہنچ چکا ہے اور غیر قوم میں ہے اور اجنبی ہے۔ ہم لوگ اس کے خاندان کے ہیں کہ ہماری شرافت اور اپنے قومی شہر میں قیام کرنا یہاں کی اقامت سے اس کے لیے بہتر ہے اور وہ جہاں کہیں بھی ہو بہر حال تیرا ہی لڑکا ہے۔ لوگوں کا دعوی ہے کہ شیبہ نے اپنے چچا المطلب سے کہا کہ میں اپنی ماں کو جب تک وہ اجازت نہ دے نہ چھوڑوں گا۔ تو پھر سلمی نے اجازت دے دی اور شیبہ کو مطلب کے حوالے کر دیا۔

مکہ مکرمہ آمد اور مکہ کی سرداری

مطلب دن چڑھتے ہی شیبہ کو مکہ لے کر آئے اس وقت سب لوگ اپنی نشست گاہوں پر موجود تھے وہ پوچھنے لگے کہ مطلب یہ تمہارے پیچھے کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ میرا غلام ہے۔ اسی طرح مطلب اسے لیے ہوئے اپنے گھر پہنچے تو ان کی بیوی خدیجہ بنت سعید بن سہم نے پوچھا یہ کون ہے انہوں نے جواب دیا یہ میرا غلام ہے۔ گھر سے نکل کر مطلب حزدرہ آئے۔ یہاں سے انہوں نے ایک حلہ خریدا اور اسے شیبہ کو جا کر پہنایا پھر سر شام اسے لے کر بنی عبد مناف کی مجلس میں آئے اس کے بعد وہ لڑکا اسی حلہ کو پہنے ہوئے مکہ کی گلی کوچوں میں پھرا کرتا تھا۔ شیبہ کو عبد کہنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبدالمطلب مناسب لباس بھی نہیں پہنے ہوئے تھے، راستے میں آفتاب کی تمازت سے اور تکلیف بھی اٹھائی تھی اس لیے تکان کی وجہ سے چہرہ کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔ مکہ میں آ کر مطلب نے شیبہ کو عمدہ لباس پہنا کر بنو عبد مناف کے اشراف کی مجلس میں لا کر بیٹھایا اور سب کو بتایا کہ یہ میرا بھتیجا شیبہ بن ہاشم ہے۔

چونکہ راستے میں حضرت مطلب نے شیبہ کو عبد کہا تھا اس لیے آپ عبد المطلب مشہور ہو گئے۔ ایک اور روایت کے مطابق محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ مطلب شیبہ کو لیے ہوئے ظہر کے وقت مکہ پہنچے تھے۔ قریش نے یہ دیکھ کر کہا: ھذا عبد المطلب (یہ مطلب کا غلام ہے)۔ مطلب نے کہا: ہائیں افسوس! یہ تو حقیقت میں میرا بھتیجا شیبہ بن عمرو (ہاشم) ہے۔ لوگوں نے (بنظر غائر) شیبہ کو جب دیکھ لیا تو (پہچان کے) سب نے کہا: ابنہ لعمری (میری جان کی قسم یہ عمرو کا لڑکا ہے)۔ اس وقت سے لے کر حضرت عبد المطلب برابر مکہ میں ہی مقیم رہے، تاآنکہ سن بلوغت کو پہنچے اور جوان ہو گئے۔

متولی کعبہ

جناب مطلب بن عبد مناف یمن کے ایک تجارتی سفر کے دوران میں بردمان (یمن) میں ایسے بیمار ہوئے کہ پھر جاں بر نہ ہو سکے۔ انہیں وہیں سپرد خاک کر دیا گیا اور مکہ مکرمہ میں خاندانی قیادت و سیادت کی ذمہ داریاں حضرت عبد المطلب کے کندھوں پر آ گئیں۔ اس طرح آپ نوجوانی ہی میں سردار قریش تسلیم کر لیے گئے۔ حضرت ہاشم کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کا شرف مطلب بن عبد مناف کو ملا اور وہی قریش کے سردار مقرر ہوئے اور حضرت اسماعیل علیہ اسلام کے تبرکات مثلاً کمان، نذار کا عَلَم، خانہ کعبہ کی کنجیاں وغیرہ سب مطلب کو ملی اور مطلب کی وفات کے بعد سب کچھ حضرت عبد المطلب کو مل گیا۔

نوفل کے ساتھ تنازع

مکہ آکر مطلب نے حضرت عبد المطلب کو باپ کی املاک کی نشان دہی کر دی اور ان کو اس کے سپرد کر دیا۔ نوفل بن عبد مناف نے ایک کنوئیں کے بارے میں اس سے تنازع کیا اور زبردستی اسے غصب کر لیا۔ عبد المطلب نے اپنی قوم کے کئی آدمیوں کے پاس جا کر اس کی شکایت کی اور اپنے چچا کے مقابلہ میں مدد مانگی مگر ان لوگوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ ہم تمہارے چچا کے درمیان میں نہیں پڑتے۔ اس جواب پر عبد المطلب نے اپنی حالت اپنی ننھیال کو لکھی اور خط میں چند ایسے شعر بھی لکھے جس میں اپنے چچا نوفل کی شکایت کی تھی۔ چنانچہ اس خط کے موصول ہونے کے بعد ابو اسعد ابن عدس النجاری اسی ناقہ سواروں کے ساتھ یثرب سے روانہ ہو

کر مکہ آیا۔ عبد المطلب کو اس کے آنے کی اطلاع ہوئی وہ اس کے استقبال کو آئے اور انھوں نے کہا ماموں صاحب قیام فرمائیے۔ ابو اسعد نے کہا جب تک نوفل سے میری مڈ بھیڑ نہ ہو جائے گی میں فروکش نہ ہوں گا۔ عبد المطلب نے کہا میں اسے بحر میں قریش کے مشائخ کے ساتھ بیٹھا ہوا چھوڑ آیا ہوں۔ ابو اسعد بحر آیا نوفل کے سرہانے آکر کھڑا ہوا اور اس نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی اور پھر نوفل سے کہا کہ رب کعبہ کی قسم ہے یا تو میرے بھانجے کو اس کا کنواں واپس دے دے ورنہ میں ابھی اس تلوار سے تیرا کام تمام کر دیتا ہوں۔ نوفل نے کہا رب کعبہ کی قسم ہے میں نے وہ کنواں اسے واپس دے دیا۔ اس پر تمام حاضرین کی شہادت ہوئی۔ اس کے بعد ابو اسعد نے کہا اے میرے بھانجے اب میں تمہارا مہمان بنا ہوں۔ تین دن اس نے عبد المطلب کے ہاں قیام کیا اور اسی اثناء میں اس نے عمرہ بھی ادا کیا۔ اس واقعہ کے بیان میں عبد المطلب نے چند شعر کہے اور سمرہ بن عمیر ابو عمرو الکنانی نے بھی کچھ شعر کہے۔ اس واقعہ کا خود نوفل پر بھی اثر ہوا کہ اس نے تمام بنو عبد شمس سے بنو ہاشم کے خلاف ایک سمجھوتہ کر لیا۔

باہمی اتفاق و اتحاد کا معاہدہ

ہشام بن محمد نے اپنے والد سے، عبد المجید بن ابی عبس سے اور ابو المقوم وغیرہم سے روایت کی ہے کہ ان سب نے بیان کیا کہ تمام قریش میں عبد المطلب سب سے زیادہ خوش رو، سب سے زیادہ بلند و بالا، سب سے زیادہ بردبار (تحمل مزاج)، سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ ان مہلکات سے دور رہنے والے شخص تھے جو لوگوں کی حالت و حیثیت بگاڑ دیا کرتے ہیں۔ کبھی ایسا اتفاق نہیں پیش آیا کسی بادشاہ نے انہیں دیکھ کے ان کی تعظیم و تکریم نہ کی ہو اور ان کی سفارش نہ مانی ہو وہ جب تک زندہ رہے قریش کے سردار بنے رہے۔ قبیلہ خزاعہ کے کچھ لوگوں نے آکے ان سے کہا: نحن قوم متبادرون فی الدار ھلم فلنعاقدک (ہم سب لوگ گھر کے اعتبار سے آپس میں ہمسایہ و ہم جوار ہیں یعنی آؤ مخالفہ یعنی باہمی امداد و نصرت کا عہدہ پیمان کر لیں)۔ عبد المطلب نے یہ درخواست قبول کر لی اور سات شخصوں کو لے کے چلے جو اولاد مطلب بن عبد مناف وارقم بن نضلہ بن ہاشم و ضحاک و عمرو فرزندان ابو صیفی بن ہاشم تھے۔ اس میں سے نہ تو فرزندان عبد شمس بن عبد مناف میں سے کوئی شریک ہوا اور نہ نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے کسی نے شرکت کی۔ عبد المطلب اپنی جماعت کو لیے ہوئے دار الندوہ میں آئے۔ جہاں دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کی مدد مواسات کے لیے عہد و پیمان کیے اور ایک عہد نامہ لکھ کے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ عبد المطلب اس باب میں کہتے ہیں:

سادمی زبیرا أن توافت منیتی — بامساك ما بینی وبین بنی عمرو
وأن یحفظ الحلف الذی مسین شخه — ولا یلحدن فیه بظلم ولا عذر
هم حفظوا الآل القدیم وحالفوا — اباك فكانوا دون قومك من فهر

ترجمہ:

اگر میری موت آ گئی تو میں زبیر کو وصیت کر جاؤں گا کہ میرے اور فرزندان عمرو وخزاعی کے درمیان میں جو معاہدہ تھا وہ اس پر قائم رہے اور ٹوٹنے نہ دے۔
میں وصیت کر جاؤں گا کہ اس کے بزرگ نے جو عہد کیا ہے اس کی حفاظت کرے اور ایسا نہ ہو کسی طرح کے ظلم وعذر کے باعث اس کی خلاف ورزی ہو۔
اے زبیر! خاندان فہر کہ وہی تیری قوم والے ہیں ان سب میں سے یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے پرانی قسم کی حفاظت کی اور تیرے باپ کے حلیف بنے۔
اسی بناپر عبد المطلب نے اپنے بیٹے زبیر بن عبد المطلب کو اس عہد و پیمان کی وصیت کی۔ زبیر نے ابوطالب سے اور ابوطالب نے یہی وصیت عباس بن عبد المطلب سے کی تھی۔

طائف میں کامیابی

ابو مسکین کہتے ہیں: طائف میں ایک کنواں (یا چشمہ) عبد المطلب کی ملکیت میں تھا۔ جسے ذوالہرم کہتے تھے یہ ایک زمانے سے قبیلہ ثقیف کے قبضے میں تھا۔ عبد المطلب نے مطالبہ کیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ جندب بن الحارث بن خبیب بن الحارث بن مالک بن حطیط بن جشم بن ثقیف (ان دنوں) قبیلہ ثقیف کے سردار تھے جو منکر ہو گئے اور عبد المطلب سے لڑنے لگے۔ دونوں کو مناظرے کی ضرورت پڑی جس کے لیے کاہنہ بنی عذرہ منتخب ہوا کہ اس کو عزی سلمہ کہتے تھے اور وہ شام میں رہتا تھا۔ منافرہ چند اونٹوں پر قرار پایا جو نامزد کر لیے گئے (یہ شرط ہوئی کہ جیتنے والے کو اتنے اونٹ دیے جائیں گے)۔ عبد المطلب چند قریشیوں کو لے کر چلے اور ساتھ میں حارث بن عبد المطلب تھے کہ ان کے علاوہ عبد المطلب کے ان دنوں اور کوئی لڑکا نہیں تھا۔ جندب چلے تو ان کے ہمراہ ثقیف کے کچھ لوگ تھے۔ عبد المطلب اور ان کے ساتھیوں کے پاس (راستہ میں) پانی ختم ہو گیا ثقفیوں سے پانی مانگا تو انہوں نے نہ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے خود ہی عبد المطلب کے اونٹ کے نیچے ان کے لیے ایک چشمہ جاری کر دیا۔ عبد المطلب نے خدائے عزوجل کی حمد کی اور جان لیا کہ یہ اسی کا احسان و منت ہے۔ سب نے سیر ہو کے پانی پیا اور بقدر ضرورت لے لیا۔ جب بعد میں ثقفیوں کا بھی پانی ختم ہو گیا تو انہوں نے عبد المطلب سے التجا کی تو انہوں نے سب کو پانی پلوایا۔ کاہن کے پاس آئے تو انہوں نے عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا۔ عبد المطلب نے شرط کے اونٹ لے کر ذبح کر ڈالے۔ ذوالہرم کو اپنے قبضے میں لے لیا اور واپس آئے۔ خدا نے عبد المطلب کو جندب پر اور عبد المطلب کی قوم کو جندب کی قوم پر فضیلت بخشی۔

زمزم کی دوبارہ کھدائی

حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ بیت اللہ کے پاس سب سے پہلے آباد ہونے والے بنو جرہم کی بے اعتدالیاں جب حد سے بڑھ گئیں، مکہ آنے والے حاجیوں پر ان کے ظلم اور زیادتیوں میں بہت اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اقتدار چھیننے اور انھیں مکہ سے نکالنے کے اسباب مہیا کر دیے۔ ان کے آخری سردار عمرو بن حارث جرہمی نے کعبے کے نفیس اور قیمتی تحائف اور رکن یمانی کا پتھر چاہ زمزم میں پھینک دیے اور چاہ زمزم کو توڑ پھوڑ کر اس طرح بھرا کہ اس کا نشان ہی مٹا دیا اور خود یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس پر مدتیں بیت چکی تھیں۔ زمزم اور اس کا محل وقوع لوگوں کے ذہنوں تک سے محو ہو گیا تھا۔ لیکن اب ابراہیم علیہ اسلام کی نسل میں سے وہ فرد فرید اس دنیا میں آنے والا تھا جو خود اور اس کے ماننے والے سیدنا اسماعیل کے بعد آب زمزم کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔

خواب

سیدنا علی بن ابی طالب فرماتے ہیں: عبد المطلب کو خواب کے ذریعے سے اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا گیا اور اس جگہ کی علامات اور نشانات خواب ہی میں بتائے گئے۔ عبد المطلب نے بیان کیا: میں حطیم میں سو رہا تھا۔ خواب میں ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا: برہ کھودو۔ میں نے دریافت کیا: برہ کیا ہے؟ تو وہ شخص چلا گیا۔ اگلے روز میں پھر اسی جگہ سویا۔ میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: مضنونہ کھودو، میں نے دریافت کیا: مضنونہ کیا ہے؟ وہ شخص جواب دیے بغیر چلا گیا۔ تیسرے روز پھر اسی جگہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: طیبہ کھودو، میں نے پوچھا: طیبہ کیا ہے؟ وہ شخص پھر چلا گیا۔ چوتھے روز پھر اسی جگہ

یہ خواب دیکھا تو وہ شخص کہنے لگا: زمزم کھودو، میں نے کہا: زمزم کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ (کنواں ہے جس کا پانی) نہ کبھی ختم ہوگا نہ کبھی کم ہوگا اور وہ حاجیوں کی بہت بڑی تعداد کو سیراب کرے گا۔ پھر اس جگہ کے کچھ نشانات اور علامات بتائی گئیں کہ وہاں چیونٹیوں کا بل ہوگا اور وہ گوبر اور خون کے درمیان میں ہے جہاں سفید پروں والا ایک کوا چونچ مار رہا ہوگا۔ یہ جگہ دو بتوں اساف اور نائلہ کے درمیان میں تھی جہاں قریش اپنے جانوروں کو ذبح کیا کرتے تھے۔ اس طرح بار بار دیکھنے اور نشانات اجاگر ہونے سے عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ یہ خواب سچا ہے۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے والد جناب عبداللہؓ کی پیدائش سے بھی پہلے پیش آیا۔

خواب کی عملی تعبیر

عبدالمطلب نے قریش کو اپنا خواب سنایا اور کہا: میرا ارادہ اس جگہ کو کھودنے کا ہے۔ قریش نے مخالفت کی مگر عبدالمطلب نے مخالفت کی کوئی پروا نہ کی۔ وہ اپنے بیٹے حارث (اس وقت آپ کا یہی ایک بیٹا تھا) کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور بتائے گئے نشان کے مطابق وہ جگہ کھودنی شروع کر دی۔ عبدالمطلب کھودتے جاتے تھے اور حارث بن عبدالمطلب مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے جاتے تھے۔ جب باپ اور بیٹا کنواں کھود رہے تھے تو اس موقع پر جب قریش نے ان کا مذاق اڑایا تو حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اللہ تعالی نے اگر انہیں دس بیٹے عطا کیے اور وہ ان کے لیے قوت کا ذریعہ بنے اور دشمن سے مدافعت میں کام آئے تو وہ ایک بیٹے کو کعبہ کے پاس ذبح کر دیں گے۔ تین روز کی کھدائی کے بعد اس کے کچھ آثار نظر آئے تو عبدالمطلب نے خوشی سے نعرہ لگایا: **هذا طوی إسمعيل** یہی اسمٰعیلؑ کا کنواں ہے۔ جب قریش کو پتہ چلا کہ عبدالمطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں تو وہ سب مل کر آئے اور کہنے لگے: اے عبدالمطلبؓ! یہ کنواں ہمارے باپ اسماعیلؑ کا ہے۔ اس پر ہمارا بھی حق ہے، اس لیے اس کے جملہ حقوق میں ہمیں بھی شرکت کا موقع دو۔ عبدالمطلبؓ نے جواب دیا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ فضیلت میرے ہی لیے خاص کی گئ ہے۔ تمھارا اس میں کوئی حصہ نہیں لیکن قریش اپنے دعوے پر اصرار کرتے رہے، آخر کار یہ طے پایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ بنو سعد بذیم کی ایک کاہنہ سے کرایا جائے۔ یہ عورت شام کی سرحد کے پاس رہتی تھی۔

زمزم کی تولیت

عبدالمطلب اور قریش کے چند دیگر افراد کاہنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ قافلہ شام اور حجاز کے درمیان میں پہنچا تو ان کے پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ جب حمرا کی شدید گرمی اور پیاس نے انھیں ستایا تو انھیں اپنی موت یقینی نظر آنے گئی۔ عبدالمطلب نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ہمیں کیا کرنا چاہے؟ وہ کہنے لگے: موجودہ اضطراب انگیز حالت میں تو ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا، تم ہی کچھ بتاؤ۔ عبدالمطلب کہنے لگے: ہمیں باقی ماندہ توانائی مجتمع کرکے اپنی اپنی قبریں کھودنی چاہیں۔ ہم میں سے جو شخص فوت ہو جائے، اس کے ساتھی مل کر اسے دفن کر دیں یہاں تک کہ آخر میں جو شخص بچ جائے، وہ دفن ہونے سے رہ بھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ سب کے ضائع ہونے سے بہتر یہی ہے کہ کوئی ایک ضائع ہو۔ انھوں نے کہا: تمھاری بات ٹھیک ہے، چنانچہ وہ سب اپنی اپنی قبر کھودنے لگے۔ انھیں موت سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے ان سے کہا: اس طرح بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ ہم پانی کی تلاش جاری رکھیں، ہو سکتا ہے اللہ تعالی پانی کی طرف ہماری رہنمائی کر دے۔ وہ اس ارادے سے اپنی سواریوں کی طرف بڑھے۔ جب عبدالمطلبؓ نے اپنے اونٹ کو اٹھایا تو اس کے پاؤں کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سب نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔ انھوں نے خود بھی پانی پیا، اپنی سواریوں کو بھی پلایا اور اپنے مشکیزوں میں بھی بھر لیا، پھر وہ سب کہنے لگے: اے عبدالمطلبؓ! ہمارے اور تمھارے درمیان میں فیصلہ ہو گیا ہے۔ اب اس کاہنہ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم تم سے زمزم کے بارے میں بھی نہیں جھگڑیں گے۔ اب زمزم پر تمھارا ہی حق مسلم ہے

زمزم کا خزانہ

ابن ہشام کے مطابق زمزم کی کھدائی کے وقت سونے کے دو ہرن اور کچھ تلواریں اور زرہیں بھی ملیں۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا: اے عبدالمطلبؓ! ان چیزوں پر ہمارا بھی حق ہے۔ عبدالمطلبؓ نے ان چیزوں میں ان کا حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: اگر تم حصہ لینے پر مصر ہو تو آؤ فال کے تیر نکلوائیں۔ جس کا تیر نکل آئے، وہ حقدار ہوگا اور جس کا نہ نکلے، وہ محروم تصور کیا جائے گا۔ انھوں نے

پوچھا: یہ فال گیری کیسے ہو گی؟ عبدالمطلبؓ نے کہا: دو تیر کعبہ کے، دو میرے اور دو تمھارے لیے ہوں گے۔ جس کے تیر جس چیز پر نکل آئے، وہ چیز اسے مل جائے گی اور جس کے نہ نکلے، وہ اس سے محروم رہے گا۔ سب نے کہا: یہ ٹھیک ہے اور انصاف کی بات ہے۔ اس پر عبدالمطلب نے دو زرد تیر کعبہ کے لیے اور دو سیاہ تیر اپنے لیے اور دو سفید تیر قریش کے لیے تیار کیے، پھر سب سے بڑے بت ہبل کے پاس جا کر وہ تیر پانسادار کے حوالے کیے اور خود عبدالمطلب کھڑے ہو کر دعا کرنے لگے۔ پانسادار نے فال نکالی تو کعبہ کے دو زرد تیر ہرنوں کے نام نکلے اور عبدالمطلب کے دو سیاہ تیر تلواروں اور زرہوں کے لیے نکلے مگر قریش کے تیر ناکام رہے۔ عبدالمطلب نے ان تلواروں سے بیت اللہ کا دروازہ بنادیا اور سونے کے دو ہرن، جو کعبے کے حصے میں آئے تھے، انھیں پگھلا کر کعبے کا دروازہ سونے سے مرصع کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کعبے کا دروازہ سونے سے مزین کیا گیا۔ عبدالمطلب نے زمزم کو بلا تخصیص سب لوگوں کے لیے وقف کر دیا۔

حرب بن امیہ سے تنازع

علامہ بلاذری بیان کرتے ہیں: عبدالمطلب انتہائی بردبار، دانا اور انصاف کے علمبردار تھے۔ حرب بن امیہ ان کا ہم نوالہ و ہم پیالہ تھا۔ عبدالمطلب کی پناہ میں ادینہ نامی ایک یہودی رہتا تھا۔ وہ تہامہ کے بازار میں خرید و فروخت کیا کرتا تھا۔ حرب کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ اس نے قریش کے نوجوانوں کو ترغیب دی: اگر تم اس یہودی کو قتل کر کے اس کے مال پر قبضہ کر لو تو یہاں کوئی اس کے خون کا مطالبہ کرنے والا ہے نہ اس کا مال طلب کرنے والا۔ دو نوجوانوں ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار اور صخر بن عامر بن کعب نے حرب کی باتوں میں آ کر اسے قتل کر دیا۔ عبدالمطلبؓ کو اس جرم سے بہت تکلیف پہنچی۔ انھوں نے اس قتل کا سراغ لگا لیا اور حرب بن امیہ سے اس یہودی کے قاتلوں کو پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ حرب نے قاتلوں کو چھپا دیا اور انھیں عبدالمطلب کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ دونوں کے درمیان میں تلخ کلامی بھی ہوئی۔ معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر گیا تو ان دونوں نے نجاشی کو حکم مان لیا کہ وہ جو فیصلہ کرے گا، ہمیں منظور ہو گا لیکن نجاشی ان کا فیصل بننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ پھر انھوں نے سیدنا عمر بن خطاب کے جد امجد نفیل بن عبد العزی بن ریاح کو حکم مان لیا۔ نفیل حرب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: اے ابو عمرو! کیا تم ایک ایسے آدمی سے اختلاف کر رہے ہو جو قامت میں تم سے لمبا، صورت میں تم سے زیادہ حسین اور سرداری میں تم سے بڑھ کر ہے۔ اسے ملامت کرنے والے تم سے تھوڑے ہیں، اس کی اولاد تم سے زیادہ ہے۔ وہ صلہ رحمی میں تم سے بڑھ کر ہے اور اس کا دستر خوان تم سے وسیع تر ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم حلیم ہو، تمھاری عرب میں شہرت ہے۔ تم دور اندیش ہو تمھارے قبیلے والے تم سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن تم ایک ایسے آدمی کے مقابلے میں آئے ہو جو تم سے بہت ممتاز ہے۔ نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کر دیا لیکن

حرب نے اس کا فیصلہ تسلیم نہ کیا۔ عبد المطلب نے یہ معاملہ عبد اللہ بن جدعان کے سپرد کر دیا۔ عبد اللہ بن جدعان حرب کے پیچھے پڑے رہے یہاں تک کہ مقتول یہودی کے چچازاد کو اس سے دیت دلوائی۔

حوالہ تمام کتب سیر و تاریخ

مطلع ثانی

نور مصطفوی کی برکات

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ کی تربیت عالم غیب سے اس طرح ہوتی کہ ایک دن آپ نے اپنے والد ماجد حضرت عبد المطلب سے عرض کیا کہ جب کبھی میں بطحائے مکہ اور کوہ بثیرہ کی طرف جاتا ہوں تو میری پشت سے نور چمکتا دمکتا ظاہر ہوتا ہے اور وہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر مشرق و مغرب کی طرف جاتا ہے پھر مجتمع ہو کر ابر کی شکل اختیار کر کے میرے اوپر سایہ فگن ہو جاتا ہے۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور یہ ابر پارہ مدور شکل اختیار کر کے آسمان کی طرف جاتا ہے اور فوراً واپس آ جاتا ہے اور میری پشت میں واپس چلا جاتا ہے۔ میں جب زمین پر بیٹھتا ہوں تو زمین سے آواز آتی ہے

" اے وہ شخص جس کی پشت میں نور محمدی ﷺ امانت ہے آپ پر سلامتی ہو "

آپ نے مزید فرمایا کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ میں ایک خشک درخت کے نیچے بیٹھا ہوں تو وہ سرسبز و شاداب ہو گیا اور مجھ پر سلام کرتا ہے۔

عبد المطلب نے فرمایا کہ اے جان پدر تمہیں مبارک ہو کہ تمہاری صلب سے رحم مادر میں ایسا نطفہ منتقل ہو گا جو تمام مخلوق الٰہی کی بزرگ ترین شخصیت ہو گا اور میں نے بھی ایسے بہت سے مشاہدات کیے ہیں اور مجھے خواب میں بھی بہت سی بشارتیں دی گئی ہیں۔

عبد المطلب کی نذر

ابن اسحاق سے مروی ہے کہ حضرت عبد المطلب نے زمزم کے کھودنے کے وقت جب قریش کی جانب سے رکاوٹیں دیکھیں تو منت مانی تھی کہ اگر انہیں دس لڑکے ہوں گے اور وہ سن بلوغ کو پہنچ کر قریش کے مقابلے میں ان کی حفاظت کریں گے تو ان میں سے ایک لڑکے کو کعبۃ اللہ کے پاس اللہ تعالی (کی خوشنودی) کے لیے ذبح کر دیں گے۔ جب انہیں پورے دس لڑکے ہوئے اور انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ان کی حفاظت کریں گے تو ان سب کو جمع کیا اور اپنی نذر کی انہیں خبر دی اور انہیں اللہ تعالی کی نذر پوری کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کی بات مانی اور دریافت کیا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ حضرت عبد المطلبؓ نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص ایک ایک تیر لے اور اس پر اپنے نام لکھ کر میرے پاس لائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور عبد المطلبؓ کے پاس آئے۔ حضرت عبد المطلبؓ انہیں لے کعبۃ اللہ کے اندر ہبل کے پاس آئے اور ہبل ایک باولی پر تھا اور یہ باولی وہ تھی جس پر بیت اللہ کی نذر و نیاز میں جو چیزیں آئیں وہاں جمع رہتی تھی اور ہبل کے پاس سات تیر رکھے تھے اور ہر تیر پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ ایک پر خون بہا دوسرے پر ہاں تیسرے پر نہیں چوتھے پر تمھیں میں سے پانچویں پر تم میں ملا ہوا چھٹے پر تم میں سے نہیں ساتویں پر پانیوں کے متعلق کچھ لکھا تھا۔ حضرت عبد المطلب اس تیروں والے کے پاس آ کر کہا کہ میرے ان بچوں کے یہ تیر ہلا کر نکالو اور جو نذر انہوں نے مانی تھی اس کی کفیت بھی اسے سنا دی۔ ان میں سے ہر ایک لڑکے نے اپنا تیر اس کو دیا جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ ابن اسحاق نے کہا کہ لوگوں کے خیال کے موافق عبد اللہ عبد المطلب کے بہت چہیتے فرزند تھے اور یہی دیکھ رہے تھے کہ اگر تیر ان پر سے نکل گیا تو گویا وہ خود بچ گئے۔ جب تیر والے نے تیر لیے تاکہ انہیں حرکت دے کر نکالے تو عبد المطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کرنے لگے۔ جب تیروں والے نے تیر چلائے تو حضرت عبد اللہ کا نام نکلا۔ پھر تو عبد المطلب نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور چھری لی اور انہیں لے کر اساف و نائلہ کے پاس آئے تاکہ انہیں ذبح کریں۔ جب قریش نے دیکھا تو وہ اپنی مجلس چھوڑ کر ان کے پاس آئے اور کہا عبد المطلب تم کیا کرنا چاہتے ہوں۔ انہوں نے کہا میں اسے ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ جب قریش اور آپ کے دوسرے لڑکوں نے دیکھا تو کہا خدا کی قسم اس کو ہر گز ذبح نہ کیجئے جب تک آپ مجبور نہ ہو جائیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو ہر ایک شخص ہمیشہ اپنے بچے کو لایا کرے گا کہ اس کو ذبح کرے۔ اس طرح انسانی نسل باقی نہ رہے گی۔ مغیرہ بن عبد اللہ نے کہا خدا کی قسم ایسا ہر گز نہ کیجئے جب تک کہ آپ مجبور نہ ہو جائیں۔

اگر ان کا عوض ہمارے مال سے ہو سکے تو ہم ان کا فدیہ اپنے مال سے دیں گے۔ قریش اور ان کے دوسرے بچوں نے کہا ان کو ذبح نہ کیجئے بلکہ انہیں حجاز لے چلیئے وہاں ایک عرفہ (غیب کی باتیں بتانے والی) ہے جس کا کوئی (موکل یا شیطان یا کوئی روح) تابع ہے اس سے آپ دریافت کیجئے۔ اگر اس نے بھی ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو آپ کو ان کے ذبح کر ڈالنے کا پورا اختیار ہو گا اور اگر اس نے کوئی ایسا حکم دیا جس میں آپ کے اور اس لڑکے کے لیے اس مشکل سے نکلنے کی کوئی شکل ہو تو آپ اس کو قبول کر لیں۔ پھر وہ سب کے سب وہاں سے چلے اور مدینہ پہنچے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہاں انہیں معلوم ہوا کہ وہ خیبر میں ہے تو پھر وہاں سے سوار ہو کر خیبر آئے۔ عبدالمطلب نے اس عورت کو اپنے اور اپنے لڑکے کے حالات سنائے اور اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ اس عورت نے کہا آج تو میرے پاس سے تم لوگ واپس جاؤ یہاں تک کہ میرا تابع میرے پاس آئے اور میں اس سے دریافت کر لوں۔ پس سب کے سب اس کے پاس سے لوٹ آئے اور عبدالمطلب اس کے پاس سے آکر کھڑے اللہ تعالی سے دعا مانگتے رہے۔ دوسرے روز صبح سویرے سب اس کے پاس گئے۔ اس عورت نے کہا ہاں مجھے تمہارے متعلق کچھ معلومات ہوئی ہے۔ تم لوگوں میں دیت کی مقدار کیا ہے۔ سب نے کہا دس اونٹ اور واقعتاً یہی مقدار تھی۔ اس عورت نے کہا تم لوگ اپنی بستیوں کی جانب لوٹ جاؤ اور تم اپنے اس آدمی کو (اپنے لڑکے کو) اور دس اونٹوں کو پاس پاس رکھو اور ان دونوں پر تیروں کے ذریعے قرعہ ڈالو اگر تیر تمہارے اس لڑکے پر تو اونٹوں کو اور بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ تمہارا پروردگار راضی ہو جائے (اور) اونٹوں پر تیر نکل آئے تو اس کی بجائے اونٹ ذبح کر دو۔ اس طرح تمہارا رب بھی تم سے راضی ہو گیا اور تمہارا لڑکا بھی بچ جائے گا۔ (یہ سن کر) وہ وہاں سے نکل کر مکہ پہنچے۔ جب سب اس رائے پر متفق ہو گئے تو عبدالمطلب اللہ تعالی سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور حضرت عبداللہ کو اور دس اونٹوں کو وہاں لے آئے۔ اس حالت میں کہ عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر اللہ عزوجل سے دعا کر رہے تھے۔ پھر تیر نکالا گیا تو حضرت عبداللہ پر نکلا۔ تو دس اونٹ زیادہ کیے اور اونٹوں کی تعداد بیس ہو گئی اس طرح بڑھتی بڑھتی جب اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی تو تب جا کر تیر اونٹوں پر نکلا۔ وہاں پر موجود قریش اور دوسرے لوگوں نے کہا اے عبدالمطلب اب تم اپنے رب کی رضامندی کو پہنچ گئے۔ عبدالمطلب نے کہا اللہ قسم ایسا نہیں یہاں تک کہ تین وقت اونٹوں پر ہی تیر نکلے۔ پھر یہ عمل تین بار کیا گیا اور ہر بار ہی تیر اونٹوں پر نکلا۔ عبدالمطلب نے اللہ اکبر کی تکبیر کہی۔ عبدالمطلب کی لڑکیاں اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ کو لے گئیں۔ حضرت عبدالمطلبؓ نے صفا و مروہ کے درمیان میں اونٹوں کو لے جا کر قربانی کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلبؓ نے جب ان اونٹوں کی قربانی کی تو ہر ایک کے لیے ان کو چھوڑ دیا (جو چاہیے گوشت کھائے روک نہ رکھی)۔ انسان یا درندہ یا طیور کوئی بھی ہو کسی کی ممانعت نہ کی البتہ خود نہ کچھ کھایا نہ آپ کی اولاد میں سے کسی نے کوئی فائدہ اٹھایا۔ عکرمہ عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ان دنوں دس اونٹوں کی دیت (خون بہا) ہوتی تھی (دستور تھا کہ ایک جان کے بدلے دس اونٹ دیے جائیں) عبدالمطلب پہلے شخص ہیں

جنھوں نے ایک جان کا بدلہ سو اونٹ قرار دیا۔ جس کے بعد قریش اور عرب میں بھی یہی دستور ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو خود برقرار رکھا۔

حضرت عبد اللہؓ کی شادی

جب وہب بن عبد مناف نے ابلق سواروں کی جانب سے حضرت عبد اللہؓ کی حفاظت دیکھی تو ان کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ وہ اپنی بیٹی آمنہؓ کا نکاح حضرت عبد اللہؓ سے کریں گے۔ گھر آ کر انھوں نے سارا واقعہ اپنی بیوی کو سنا کر انہیں حضرت عبد المطلب کی خدمت میں روانہ کیا کہ جا کر ان سے کہیں میری عفت مآب اور نیک سرشت بیٹی جو اخلاق و اعمال میں بے مثال ہے اگر وہ اس کو اپنے بیٹے عبد اللہ کی زوجیت کے لیے قبول کر لیں تو نہایت مناسب ہو۔ حضرت عبد المطلبؓ نے حضرت آمنہ بنت وہب کی صفات اپنی بیوی ہالہ سے جو حضرت حمزہ بن عبد المطلب کی والدہ اور حضرت آمنہ کی چچازاد بہن تھیں بہت بار سنی تھیں۔ علاوہ ازیں قبیلہ کی عورتیں بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتی رہتی تھیں کہ حضرت عبد اللہؓ اور حضرت آمنہؓ کا جوڑ نہایت مناسب ہے۔ در حقیقت حضرت آمنہؓ اپنے دور کی نہایت عقلمند اور لائق فائق خاتون تھیں اور ان صفات میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ لہٰذا عبد المطلب نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔ علاوہ ازیں یہ بات اس یمنی خبر کے عین مطابق تھیں جو اس نے حضرت عبد المطلب سے سفر یمن کے موقع پر کہی تھی۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت عبد المطلب یمن کے سفر پر گئے اور وہاں یہودیوں کے ایک بڑے عالم نے ان سے ملاقات کے دوران میں دریافت کیا تھا کہ آپ کس قبیلہ سے ہیں۔ آپ نے جواب دیا بنو ہاشم سے ہوں اور ان کا بیٹا ہوں۔ اس نے عبد المطلب سے اجازت مانگی کہ آپ اگر اجازت عطا فرمائیں تو میں آپ کے جسم کے کچھ حصوں کو دیکھوں۔ آپ نے جواب دیا کہ ایک شرط کے ساتھ جسم کے دیکھنے میں کوئی اخلاقی گراوٹ نہ ہو تو دیکھ سکتے ہو۔ لہٰذا اس نے آپ کی ناک کے ایک نتھنے کو اپنے ہاتھ سے کھینچا اور اسی طرح دوسرے جانب عمل کیا۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے آپ کے ہاتھ کی ہتھیلیوں کو دیکھ کر کہا کہ ایک سے ملک و سلطنت اور دوسرے سے نبوت کا اظہار ہو رہا اور یہ سعادت دو منافوں کے قران سے ظاہر ہو رہی ہے (پہلے عبد مناف بن قصی دوسرے عبد مناف بن زہرہ) پھر اس نے سوال کیا کہ تمہارے بیٹے عبد اللہ کی شادی ہو گئی ہے۔ عبد المطلب نے جواب دیا نہیں۔ تب یہودی عالم نے کہا کہ اب تم واپس جا کر ان کی شادی بنی زہرہ میں کر دینا۔ جب حضرت عبد المطلبؓ مکہ آئے تو یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ وہب بن عبد مناف عبد اللہؓ سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلہ میں کارکنان قضا و قدر نے یہ یہودیوں والا قصہ اس کا سبب بنا دیا۔ لہٰذا حضرت عبد المطلبؓ نے حضرت ہالہ سے کہا کہ حضرت عبد اللہؓ کے لیے حضرت آمنہؓ کا نکاح

ایک مجلس میں کیا گیا۔ لیکن یہ روایت کہ عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ کا نکاح ایک مجلس میں پڑھا گیا محل نظر ہے کیونکہ حضرت عبدالمطلب نے ہالہ سے حضرت آمنہ کی تعریف سنی۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ کی وفات

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب قریش کے ایک قافلے کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام گئے۔ دوران میں سفر بیمار ہو گئے۔ واپسی پر یہ قافلہ مدینہ منورہ کے پاس سے گزرا تو حضرت عبداللہ بیمار ہونے کی وجہ سے مدینہ ہی میں اپنے والد عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بن نجار کے ہاں ٹھہر گئے۔ قافلہ مکہ پہنچا تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے بارے میں دریافت فرمایا۔ قافلے والوں نے بتایا وہ بیمار تھے اس لیے واپسی پر مدینہ ٹھہر گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو عبداللہ کی خبر لینے کے لیے بھیجا لیکن حضرت حارث بن عبدالمطلب کے پہنچنے سے پہلے حضرت عبداللہ فوت ہو چکے تھے اور انہیں دارالنابغہ میں دفن کر دیا گیا تھا۔ حارث نے واپس آ کر یہ افسوس ناک خبر سنائی تو حضرت عبدالمطلب، ان کے بھائی، بیٹے، بھتیجے غرض کہ سارا خاندان انتہائی غم زدہ ہو گیا۔ وفات کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر پچیس سال تھی اور رسول اللہ ﷺ اس وقت شکم مادر میں تھے۔

اصحاب فیل اور عبدالمطلب

حملے کی وجہ

جب ابرہہ کی حکومت کو یمن میں بہت زمانہ گزر گیا تو اس نے صنعا میں ایک کلیسا بنوایا جو اس زمانہ میں بے مثل مکان تھا۔ پھر اس نے نجاشی کو لکھ کہ میں نے تیرے لیے ایک ایسا کلیسا بنایا ہے جو اس وقت بے مثل مکان ہے اور اسی پر میں نے قناعت نہیں کی بلکہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ عرب کے حجاج کی زیارت گاہ اسی کو قرار دوں۔ جب اس بات کی ملک عرب میں شہرت ہوئی تو نساہ کے قبیلہ بنی فقیم میں ایک شخص کو غصہ آیا اور وہ اس کلیسا میں آیا اور اس کو بول و براز سے آلودہ کر گیا اور پھر اس بات کی ابرہہ کو خبر دی گئی اور لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ کام ان لوگوں میں سے کسی کا ہے جن کے پاس ایام حج میں حجاج آ کر ٹھیرا کرتے ہیں۔ اس امر سے ابرہہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے قسم کھائی کہ میں کعبہ جاؤں گا اور اسے منہدم کر دوں گا۔

سردار قریش ابرہہ کے لشکر میں

چنانچہ ابرہہ حبشیوں کی ایک جرار فوج لیکراسی قصد سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ایک ہاتھی جس کا نام محمود تھاوہ اس کے ساتھ تھا۔ایک روایت میں ہے کہ اس کے پاس تیرہ ہاتھی تھے اور سب کے سب محمود کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔مگراللہ سبحانہ تعالی نے اپنے کلام پاک میں فیل کو بصیغہ واحد بیان کیا ہے۔ بعض علما کرام فرماتے ہیں کہ اس سے وہی فیل مراد ہے جس کا نام محمود تھا وہ سب سے بڑااور نہایت شوکت دار تھا۔ہاتھیوں کی تعداد کتنی تھی اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔جب ابرہہ روانہ ہواتو عربوں نے یہ خبر سن کراس سے جہاد کرنا ضروری سمجھا۔لہٰذااشراف یمن میں سے ایک شخص جس کا نام ذونفر تھاوہ اس کے مقابل میں آیا مگرلڑائی میں اس نے شکست اٹھائی اور گرفتار ہوا۔ابرہہ نے اسے قتل کرنا چاہامگر پھراس مہم کے انجام تک اسے قید میں رکھا۔جب آگے بڑھاتو دوسرا شخص نفیل بن الخشعمی اس کا مقابل ہوااوراس نے بھی شکست کھائی اور گرفتار ہوا۔ نفیل نے ابرہہ سے راستہ بتانے کے وعدہ پر رہائی پائی۔جب ابرہہ طائف میں پہنچاتو بنو ثقیف نے اپناایک آدمی جس کا نام ابورغال تھاراستہ بتانے کے لیے ساتھ کردیااور جب یہ لشکر مغمس میں آیاتو وہاں ابورغال مرگیااسے وہی دفن کردیاگیاجس پر عرب ہنوز پتھر مارا کرتے ہیں۔ پھرابرہہ نے اسود ابن مقصود کومکہ کی طرف روانہ کیااور وہاں سے عرب لوگوں کے اونٹ پکڑلایااورانہیں اونٹوں کے ساتھ حضرت عبدالمطلب کے بھی دوسو اونٹ تھے۔اس کے بعد ابرہہ نے ایک دوسرے آدمی کو جس کا نام حناط الحمیری تھامکہ معظّمہ کو روانہ کیااوراس سے کہاکہ قریش کے سردار سے کہوکے میں تم سے لڑنے کو نہیں آیا ہوں بلکہ میں صرف اس ارادہ سے آیا ہوں کہ کعبہ کو گرادوں اگر تم اس کے گرانے میں میری مزاحمت نہ کروتو میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔جب یہ بات حناط نے عبدالطلب بن ہاشم سے کی توآپ نے کہا کہ ہم اس سے لڑنا نہیں چاہتے یہ بیت اللہ ہے اگرخدا کواس کی حفاظت منظور ہوئی تو وہ آپ اس کی حفاظت کریں گا۔ یہ بیت مکرم اس کا حرم ہےاور اگراللہ ہی کواس کی حفاظت منظور نہیں ہے توہمیں اس کے بچانے کی قوت نہیں ہے۔جب یہ تقریر حناط نے عبدالمطلب کی سنی توحناط نے آپ سے کہاکہ اچھاآپ میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلے توآپ اس کے ساتھ ہو لیے۔جب دونوں بادشاہ کے لشکر میں پہنچے تو وہاں جاکر ذونفر کا پتہ پوچھاجو عبدالمطلب کا دوست تھا۔لوگوں نے بتادیا کہ وہ فلاں مقام پر ہے۔جب آپ اس سے ملے اور مشورہ کیاکہ اس معاملہ میں تم ہماری کیامدد کرسکتے ہو۔اس نے کہاکہ ایک قیدی کیا کرسکتا ہے جو ایک بادشاہ کے

ہاتھ میں قید ہے جب چاہے اسے مار ڈالے البتہ جو یہاں کا ہاتھیوں کا سردار ہے جس کا نام انیس ہے وہ میرا دوست اس سے میں کچھ کہتا ہوں اور آپ کے درجہ اور عزت کا حال بیان کرتا ہوں وہ آپ کو شایستہ تقریب سے بادشاہ کے سامنے پیش کر دے گا اور جو آپ چاہتے ہیں وہ اس سے کہیئے۔ عبد المطلب نے فرمایا کہ بس اتنا ہی کافی ہے چنانچہ اس نے انیس کو بلایا اور آپ کی اس سے سفارش کی اور کہا کہ قوم قریش کے یہ سردار ہیں۔انیس نے ابرہہ سے آپ کا ذکر کیا کہ قریش کا سردار آپ کے لشکر میں آیا ہوا ہے۔ابرہہ نے آپ کو بلالیا۔ حضرت عبد المطلبؓ بڑے تندرست و توانا اور خوب صورت جوان تھے۔ جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو آپ کی عظمت و بزرگی اس کے دل میں جگہ کر گئی اور اس نے آپ کی تعظیم کی اور تخت سے اتر پڑا اور فرش پر ان کے ساتھ آکر بیٹھ گیا اور اپنے برابر ان کو بیٹھایا اور ترجمان سے کہا کہ پوچھو آپ کیا چاہتے ہیں؟ ترجمان نے آپ سے پوچھا کہ آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے دو سو ناقہ (اونٹ) آپ کے آدمی پکڑ لائے ہیں وہ مجھے دلوادیجیئے۔ابرہہ نے ترجمان سے کہا کہ میں نے جب تمہاری صورت دیکھی تھی تو آپ کو بہت اچھا سمجھا تھا لیکن جب آپ سے میری بات چیت ہوئی تو وہ عظمت جو آپ کی میرے دل میں تھی جاتی رہی۔ آپ نے اپنے اونٹوں کا مجھ سے سوال کیا اور جو آپ کا اور آپ کے آباؤاجداد کا دین ہے اس کی نسبت کے کچھ نہ کہا جس کے گرانے کے لیے میں آیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تو اونٹوں کا مالک ہوں اور اس بیت کا مالک خدا تعالیٰ ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت خود کرے گا۔ ابرہہ نے کہا کہ وہ تو مجھ سے اس کی حفاظت نہ کرسکے گا اور حکم کیا ان کے اونٹ دلا دیے جائیں۔ جب عبد المطلب نے اونٹ لیے تو ان اونٹوں کے گلے میں جوتیاں ڈال دیں اور ان کو ہدیہ اور قربانی کے طور پر حرم میں چھوڑ دیا۔ یہ عرب کا ایک دستور تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر اس میں سے کوئی اونٹ کھو جائیں گا تو پروردگار عالم کو غصہ آجائے گا۔

عبد المطلبؓ کی مناجات

جب عبد المطلب بن ہاشم قریش کی طرف لوٹ کر آئے تو قوم کو اس معاملہ کی خبر دی اور مشورہ ہوا کہ مکہ مکرمہ سے نکل کر چلے جائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چھپیں۔ پھر حضرت عبد المطلب کعبہ کے دروازے کے حلقہ کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔اشراف قریش بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور ابرہہ کے مقابلہ میں پروردگار عالم سے مدد چاہی۔ حضرت عبد المطلب نے اس انداز میں رب العالمین کے حضور مناجات پیش کیں۔

یَا رَبِّ لَا اَرْجُوْ لَهُمْ سِوَاكَا　　　یَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَا

اِنَّ عُدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَا كَا	اِمْنَعْهُمْ اَنْ يُّخَرِّبُوْفِنَا كَا
لَاهُمْ اِنَّ الْعَبْدَ يَمْنَعُ	رِحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ
لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ	وَمُحَالُهُمْ اَبَدًا مُحَالَكَ
وَ لَئِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّهٗ	اَمْرٌ تَتِمُّ بِهٖ فِعَالَكَ
اَنْتَ الَّذِىْ اِنْ جَاءَ بَاغٍ	نَرْ تَجِيْكَ لَهٗ فَذَالِكَ
وَلَمْ يَحُوْوْا سِوَى	خِزْيٍ وَ تُهْلِكُهُمْ هُنَالَكَ
لَمْ اَسْتَمِعْ يَوْمًا مَارُ	جَس مِنْهُمْ يَبْغُوْا قِتَالِكَ
جَدُوا جُمُوْعَ بِلَادِهِمْ	وَالْفِيْلَ كَىْ يَسبُوْا عيَالَكَ
عَمَدُوْا حِمَاكَ بِكَيدِهِمْ	جَهْلاً وَمَا رَقَبُوا جَلَالَكَ
اِنْ كُنْتَ نَارِ كَهُمْ	وَ كَعْبَتَا فَامْرٌ بَدَالَكَ

ترجمہ:

اے پروردگار مجھ کو تیرے سوا ان دشمنوں کے دفع کرنے کے لیے اور کسی سے امید نہیں ہے، اے پروردگار تو ہی اپنی چیزوں کو ان حبشیوں سے بچا

بیت کا دشمن وہی ہے جو تیرا دشمن ہے اس لیے تو ان کو روک لے وہ تیرے صحن کو خراب نہ کریں

اے اللہ ہر ایک بندہ اپنے گھر کی چیزوں کو بچاتا ہے تو اپنے گھر کی چیزوں کی حفاظت کر

ایسا ہرگز نہ کر کہ ان کی صلیب غالب ہو جائے اور ان کی قوت تیری قوت پر بھی غالب آ جائے

اور اگر ایسا تو نے کر دیا تو ظاہر ہے کہ یہ ایسا کام ہے جس سے تیرے کام پورے ہوتے ہیں

تو ہی وہ ہے کہ اگر کوئی باغی آئے تو اس کے دفع کرنے کی ہم تجھ سے ہی امید کر سکتے ہیں چنانچہ یہ ایسا ہی وقت ہے

انہیں ذلت و خواری کے سوا اور کچھ نہیں ملا تو انہیں ہلاک کر ڈال

میں نے اس سے زیادہ نجس کبھی کسی کو نہیں سنا اور ایسی پلید قوم تجھ سے لڑنے کی خواہش کرتی ہے

اور اپنے تمام ملک کے لوگوں کو یہاں کھینچ کر لے آئے ہیں۔ اور ان میں ہاتھی بھی ہیں کہ تیری عیال کو مصیبت میں ڈالیں اور لونڈی غلام بنائیں

انہوں نے جہالت کے سبب سے تیرے ننگ و ناموس کی تخریب کا ارادہ کیا ہے اور تیرے جلال کا کچھ اندیشہ نہ کیا

اگر تو انہیں اور ہمارے کعبہ کو چھوڑ دے گا کہ جو چاہیں وہ اس کے ساتھ کریں تو جو بات ہو گی وہ تجھ پر ظاہر ہے

یہ مناجات تمام کرکے عبدالمطلب نے کعبہ کے حلقہ کو چھوڑ دیا اور وہ اور ان کے ہمراہی پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جا کر مخفی ہو گئے۔ ادھر جا کر وہ اس بات کے منتظر تھے کہ دیکھیے ابرہہ بیت کے ساتھ کیا کرتا ہے اور اس کے ساتھ اس بیت مقدس کا مالک کیا کرتا ہے۔

حملہ اور لشکر پر عذاب الٰہی

دوسرے دن صبح کو ابھی آفتاب عالم تاب کی کرنیں پوری طرح افق عالم پر نمودار نہ ہو پائی تھیں اور شب کے آثار خاکدان عالم پر باقی تھے کہ حبشہ والوں کا لشکر مکہ مکرمہ سے دو فرسنگ دور وادی محاز سے روانگی کے لیے تیار ہوا۔ ابرہہ نے حکم دیا کہ روانگی سے قبل ہاتھیوں کو رنگارنگ کی جھولوں او قیمتی زیوروں سے آراستہ کیا جائے۔ روانگی شروع ہوئی ابرہہ نے کہا کہ ہاتھیوں کو ہراول دستہ رکھا جائے اور محمود نامی ہاتھی سب سے آگے رہے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ فتح و نصرت اس کے قدموں کی رہین منت ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نفیل خشمی نے آگے بڑھ کر محمود نامی ہاتھی کے کان میں کہا کہ اے ہاتھی واپس لوٹ جا کیونکہ جس طرف تو جا رہا ہے وہ حرم خدا ہے اور ذات باری کی طرف منسوب ہے خبردار اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچانا۔ جب محمود ہاتھی نے اس ذات مقدس کا نام سنا تو گردن جھکائی اور جب اس کو خانہ کعبہ کی طرف بڑھایا گیا تو شطرنج کے بے جان (فیل) ہاتھی کی طرح خاموش کھڑا رہا اور سونڈ زمین پر رکھ دی۔ فیل بانوں نے امکانی کوشش کی لیکن کارگر نہ ہوئی۔ مہاوت کبھی تو اس کا نام لے کر بڑھاتے، کبھی گالیاں دیتے، کبھی گردن پر آنکس مارتے، کبھی اس کی پیشانی پر ضربیں لگاتے اور کبھی اس کے ساتھ نرمی و تلطف کے ساتھ پیش آتے لیکن ساری کوششیں عبث و بیکار رہیں۔ محمود نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا لیکن اس کے برخلاف اگر اسے کسی دوسری سمت موڑا جاتا تو وہ رواں دواں ہونے کے لیے تیار تھا۔ البتہ دوسرے ہاتھی اپنے فیل بانوں کے ساتھ مکمل تعاون پر آمادہ تھے لیکن شگون تو اسی محمود نامی سے لینا تھا اور اسی سے توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ لہٰذا اس کے اس رویہ سے سخت پریشان تھے کہ ناگہانی زمین پر اندھیرا ہوتا محسوس ہوا اور جب آسمان پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ سمندر کی جانب سے کوے کے پروں کی طرح سیاہ پرندوں کے غول کے غول مصروف پرواز تھے۔ یہ پرندہ کوتا گردن اور گردن پر گہرا سبز رنگ باغ کی تازہ گھاس کے مانند لمبی چونچ اور دراز پنجے اور قد و قامت میں قدی سے بڑا اور گوریا سے چھوٹا لاکھوں کی تعداد میں ایک عجیب انداز کے ساتھ فضائے آسمانی پر چھا گئے۔ مشاہدین کا بیان ہے کہ وہ وقت ایسا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آسان پر سیاہ چادر تان دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایسے پرندے نہ تو مصر و شام کے علاقے سے تعلق ت رکھتے تھے اور نہ خشکی و تری میں ایسے پرندے مصروف پرواز دیکھے گئے تھے۔ ہر پرندے کی چونچ اور پنجوں میں ایک ایک پتھر جو مسور کے دانہ سے بڑا اور چنے سے چھوٹا تھا دبا ہوا تھا جس پر ہر اس شخص کا نام تحریر تھا جس سے اس شخص کی ہلاکت مقرر تھی۔ یہ

پرندے فوج در فوج آتے پہلے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے اور پھر ابرہہ کے لشکر کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ یہ قدرتی لشکر دنیاوی ساز وسامان سے آراستہ لشکر پر حملہ کرتا اور ان پر سنگ باری شروع کر دیتا اور اس چھوٹے سے پتھر میں قدرت نے یہ طاقت رکھی تھی جس جگہ بھی گرتا وہاں سے گزرتا ہوا آر پار ہو جاتا۔ اگر کسی سوار کے خود پر گرتا تو اس کے مقابلے کو چھیدتا ہوا سوار اور اس کے گھوڑے کے نیچے سے نکلتا جس کے نتیجہ میں سوار اور سواری دونوں ہلاک ہو جاتے۔ قصہ مختصر تمام لشکری خواہ سوار ہوں یا پیادے قہر الٰہی اور غضب خداوندی کا شکار ہو کر سرنگوں ہو گئے۔ ابرہہ چونکہ اس معرکہ سے بھاگ گیا لیکن چند روز کے بعد اس کا درناک طریقے سے مر گیا۔ اس کی کیفیت اس طرح ہوئی کہ جب ابابیل کے لشکر نے ابرہہ کے لشکر پر یلغار کی تو یہ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر سر پر پیر رکھ کر بھاگا اور حبشہ کی راہ پکڑی لیکن بدقسمتی نے یہاں بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا اور راستے میں کوڑھ کا شکار ہو گیا اور اس کے جسم کا جوڑ جوڑ الگ ہو گیا۔ ہاتھ سے انگلیاں گل گل کر گرنے لگیں اور جسم کے جوڑوں سے خون بہنے لگا۔ اسی حالت میں وہ گرتا پڑتا نجاشی کے پاس آیا اور صورت حال بتلائی۔ اتفاقاً ایک پرندہ جو نجاشی کے قتل پر مامور تھا اپنا مشن پورا کرنے کے لیے وہاں پہنچ گیا جس کے پنجے اور چونچ میں ابرہہ کے نام کے پتھر موجود تھے۔ جیسے ہی ابرہہ کی نظر اوپر اٹھی اس کو مصروف پرواز دیکھ کر نجاشی سے کہا کہ وہ ایسے ہی پرندے تھے جنہوں نے میرے لشکر کو تاراج کیا ہے۔ اسی اثناء میں وہ پرندہ اپنا کام کر چکا تھا اور پتھر ابرہہ پر گرائے جا چکے تھے تاکہ ابرہہ بھی اپنے لشکریوں کے ساتھ واصل جہنم ہو جائے۔ قصہ مختصر قریش کے کچھ لوگ ابرہہ کے لشکر کی پسپائی و بربادی اور ان مصائب وابتلا کے بعد کوہ حرا سے اتر کر تفتیش اور احوال جاننے لگے۔ ابرہہ کے لشکریوں کو دیکھا کہ وہ بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں اور ان میں زندگی کی رمق بھی باقی نہیں ہے لہٰذا انہوں نے یہ طے کیا کہ سب کا ایک طرف سے جائزہ لینا شروع کریں اور بعد میں سب کو جا کر بتائیں گے۔ عبد المطلب جو ایک فہیم و فطین اصحاب میں سے تھے انہوں نے حالات کا جائزہ لے کر ساتھیوں سے کہا ممکن ہے کہ لشکریوں نے مکر کا نٹھا ہو اور اس بے حس و حرکت پڑے رہنے میں کوئی سازش ہو جو ہمارے لیے نقصان کا سبب بن سکے لہٰذا تم یہاں ٹھہرو میں حالات کا جائزہ لے کر آتا ہوں کیونکہ میرے ابرہہ سے ذاتی تعلقات ہے لہٰذا وہ مجھے نقصان نہ پہنچائیں گے اور میں بخیر و عافیت واپس آ جاؤں گا اور اگر قدرت نے ان سے ان کی بداعمالیوں کا کا بدلہ لے لیا ہے تو میں صحیح خبر تمہیں آ کر بتاؤں گا۔ جب آپ جائزہ لینے گئے تو آپ نے اپنی دانست اور امور ملکی کے تجربہ کی بنا پر سمجھ لیا تھا کہ ابرہہ کے اقتدار کا سورج غروب ہو چکا ہے اور اس کے غرور کا بت پاش پاش ہو چکا ہے لیکن مکہ والوں کو حقیقت حال کا یقین دلانے سے پہلے آپ نے مناسب خیال کیا کہ ابرہہ اور اس کے لشکر کے چھوڑے ہوئے مال و متاع سے کچھ محفوظ کر لیا جائے لہٰذا آپ ابرہہ کی لشکرگاہ میں آئے اور مرضی کے مطابق تمام کام سرانجام دیے اور قیمتی ساز وسامان کو جمع کرکے اس کو دفن کر دیا۔ اس مال و دولت کی وجہ سے آپ کا معاشرتی مقام بہت بلند ہو گیا۔ اس کام سے فراغت کے بعد آپ نے اعلان کیا کہ

اے قوم قریش تمہیں مبارک ہو دشمن کا کام تمام ہو چکا ہے، ان کا خانہ خراب ہو چکا ہے اور خانہ کعبہ محفوظ ہے۔ اب اطمینان کے ساتھ نیچے اتر آؤ۔

عبدالمطلب کا اعلان سن کر تمام لوگ نیچے دوڑتے ہوئے آئے تاکہ مال غنیمت سے جتنا زیادہ مل سکے حاصل کر لیں۔ ایک یا دو دن انہوں نے مال جمع کرنے میں لگایا لیکن جب ابرہہ کے لشکریوں کی لاشوں سے تعفن اٹھنے لگا اور یہ بدبو ناقابل برداشت ہو گئی تو پھر حضرت عبدالمطلب در کعبہ پر آکر بارگاہ الٰہی میں مصروف ہوئے اور نہایت الحاح وزاری کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے دعا کی۔ آپ کی دعا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی اور ایک سیلاب آیا جو ان لاشوں کو بہا کر لے گیا اور سرزمین مکہ ان کے ناپاک وجود سے پاک ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد اہل مکہ کے دل میں خانہ کعبہ اور حضرت عبدالمطلبؑ کی عزت و احترام اور بڑھ گیا اور اطراف و کناف میں قریش مکہ کی ہیبت و دبدبہ بڑھ گیا کیونکہ رب العالمین نے ان کے دفع و شر کے لیے عالم غیب سے لشکر جرار روانہ کر کے انہیں کیفر کردار کو پہنچایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارک اسی سال ہوئی۔ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم کی ولادت اس واقعہ کے چھپن دن بعد ہوئی۔ نبی کریم نے خود بھی فرمایا کہ میں عام الفیل میں پیدا ہوا۔

قرآن پاک میں تذکرہ

ہاتھی والوں کے بارے میں اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں ایک سورت نازل کر ان حالات کا ذکر اس انداز میں کیا۔

ترجمہ: اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا 2 ۔ کیا ان کا داؤ تباہی میں نہ ڈالا اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں کہ انہیں کنکر کے پتھروں سے مارتے تو انہیں کر ڈالا جیسے کھائی کھیتی کی بھوسی

رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور عبد المطلبؓ

خواب میں پیشین گوئی

ایک دن حضرت عبد المطلبؓ اپنے حجرہ میں عزلت نشین تھے کہ نیند کا غلبہ ہوا۔آپ محو نیند ہوئے تو ایک خواب دیکھا جب نیند سے بیدار ہوئے تو عجیب حالت تھی۔ دلی کیفیات پر اطمینان حاصل کرنے کے لیے رواج کے مطابق کاہنہ کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے عبد المطلبؓ کو دیکھتے ہی کہا کہ اے عرب کے سردار آپ کے چہرہ پر اضمحلال کے آثار نمودار ہیں کیا وجہ ہے ؟ عبد المطلبؓ نے کہا میں نے خواب میں ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا ہے جس کی وجہ سے میں سخت پریشان ہوں۔ کاہنہ نے کہا کہ کم از کم اس کی کیفیت بیان کریں تاکہ میں اس سلسلہ میں کچھ عرض کر سکوں۔ عبد المطلب نے کہا کہ ایک زنجیر میری پشت سے نکلی اور شش جہات میں پھیل گئی۔ ایک کونہ مشرق کے انتہائی سرے تک اور دوسرا مغربی سمت اسی طرح شمال و جنوب میں۔ بالائی سرا ثریا تک اور نچلا حصہ تحت الثریٰ تک چلا گیا۔ میں اس زنجیر کو تعجب سے دیکھتا رہا۔ وہ زنجیر ناگہانی طور پر پھیلی اور ایک درخت کی شکل اختیار کر لی۔ یہ درخت بہت ہی بڑا تھا اور اس میں دنیا زمانہ کے پھل لگے ہوئے تھے۔ اس درخت سے نوری خوشبو کے بھبکے نکل رہے تھے اور نورانی کرنیں اس کی جانب سجدہ ریز تھیں اور لمحہ بہ لمحہ نور و تقدس کے آثار اس سے ظاہر ہو رہے تھے۔ میں نے دیکھ کہ قریش کی ایک جماعت اس درخت کی شاخیں پکڑے لٹک رہی ہے لیکن قریش کی ایک جماعت اس کی شاخیں کاٹنے اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کے در پہ تھی لیکن مخالف جماعت جب کبھی قریب آنے کی کوشش کرتی ایک خوبرو نوجوان کہ اس جیسا آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ انہیں ایسا کرنے سے روک دیتا تھا اور انہیں منتشر کر دیتا بعض لوگوں کی آنکھیں بھی حلقہ جسم سے نکال دیتا۔ میں نے بھی کوشش کی کہ اس نور مبارک سے میں بھی مستفیض ہوں لہٰذا میں نے اسی جوان خوبرو سے ایک سوال کیا کہ اس نور سے کون فیض یاب ہو گا انہوں نے فرمایا وہ لوگ جو اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے ہیں اس سے مستفیض ہوں گے۔ اب میرا استعجاب کم ہوا تو اس کے تنے کے قریب دو متبرک اور مقدس شخصیتیں نظر آئیں۔ میں نے ان سے تعارف چاہا تو ایک نے فرمایا کہ میں نوحؑ نجی اللہ ہوں اور دوسرے نے فرمایا میں ابراہیمؑ خلیل اللہ ہوں۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ درخت وہ ہے جو ہمارے آباؤاجداد سے تمہیں پہنچا ہے جو ایک قرن (زمانہ) سے دوسرے قرن اور ایک صلب سے دوسری صلب میں منتقل ہوتا آیا ہے اور اب تمہاری

صلب سے ظاہر ہوا ہے۔ جب عبد المطلب نے خواب سنایا تو کاہنہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور سوچ بچار کے بعد کہنے لگی کہ جو واقعہ تم نے سنایا ہے اگر درست ہے اور اس طرح پیش آئے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ ایک شخصیت تمہاری نسل میں پیدا ہو گی جس پر باشندگان زبان اور ساکنان ملاء اعلیٰ ایمان لائیں گے اور ان کی متابعت اور اطاعت میں کمر باندھیں گے اور زنجیر اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اس دین کو استحکام نظم و ضبط ربط اتفاق و اتحاد کی دولت میسر ہو گی۔ شش جہات تک اس کا پھیلنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ دین ہمہ گیر ہو گا جو شش جہات میں پھیلے گا اور لوگوں کا شاخوں کو پکڑنا اس امر پر دلیل ہے کہ اس کی شاخیں انتہائی مضبوط ہوں گی۔ اس دین کے متبعین عزم و ہمت کے پیکر اور صبر و استقلال کے پہاڑ ہو گئے۔ نوحؑ و ابراہیم علیہ السلام کی موجودگی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ ان کے مخالف قوم نوحؑ کی طرح عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے اور ان کی موافقت کرنے والے ملت حنفیہّ کی برکت سے اپنے مقاصد پر قبضہ قدرت حاصل کر کے کامیاب و کامران ہوں گے اور ان کی شریعت قیام قیامت تک باقی اور درخشندہ ہو گی۔

مطلع ظہور

ولادت مبارک

حضرت عبد المطلبؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام کی ولادت کے وقت طواف کعبہ میں مصروف تھا۔ جب آدھی رات گزری تو میں نے خانہ کعبہ کو مقام ابراہیم کی طرف سجدہ اور اللہ اکبر کی آوازیں بلند کرتے دیکھا اور کہتے سنا کہ اب مجھے مشرکوں کی نجاست اور زمانہ جہالت کی ناپاکیوں سے پاک و صاف کر دیا گیا ہے۔ پھر اس میں تمام بت جھک گئے۔ میں نے ہبل کی طرف دیکھا جو سب سے بڑا بت تھا وہ بھی اوندھے منہ ایک پتھر پر پڑا ہوا تھا اور منادی نے یہ صدا دی کہ حضرت آمنہ کے بطن سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیدا ہو چکے ہیں۔ اس وقت میں صفا پہاڑ پر چلا گیا۔ صفا پہاڑ پر میں نے غوغا دیکھا۔ مجھے ایسا نظر آتا تھا گویا تمام پرندے اور بادل مکہ پر سایہ کرنے آئے ہیں۔ پھر میں حضرت آمنہؓ کے گھر کی طرف آیا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے کہا دروازہ کھولو حضرت آمنہؓ نے کہا ابا جان محمد (علیہ الصلوۃ واسلام) پیدا ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا: لاؤ ذرا دیکھوں تو کہنے لگیں: اجازت نہیں۔ پھر میں نے کہا اے آمنہؓ اس (بچے) کو تین دن تک کسی کو مت دکھانا۔ یہ کہہ کر میں نے تلوار سونتی اور گھر سے باہر چلا گیا۔ میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو تلوار سونتے ہوئے تھا اور چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھا کہنے لگا اے عبد المطلب واپس جا تا کہ ملائکہ، مقربین اور تمام عالمین کے

رہنے والے تیرے بچے کی زیارت سے فارغ ہوں۔ اس سے میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں اسی حالت میں باہر آ گیا کہ تاکہ قریش کو اپنے بچے کی پیدائش کی خبر دو لیکن میری زبان ایک ہفتہ تک بند ہو گئی اور میں کسی سے بات نہ کر سکا۔

ایک اور روایت ہے کہ ولادت کے دوسرے روز احبار یہود نے عبدالمطلب سے پوچھا کہ گزشتہ رات تمہارے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے اس نے جواب دیا کہ ہماری ایک عورت کو حمل ہے لیکن وضع حمل کا کوئی علم نہیں۔ انہوں نے کہا ہم نے توریت میں اس طرح دیکھا ہے کہ کل سیدالاولین والآخرین وادی مقدس جو زیارت گاہ عرب و عجم ہے کی ولادت ہو گی وہ علم رفیع اور سراج منیر گزشتہ رات منتقل ہو گیا ہے۔ عبدالمطلبؓ نے کسی شخص کو آمنہؓ کے پاس بھیجا تاکہ صورت حالات معلوم کرے۔ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کل ختنہ کیا ہوا اور ناف بریدہ ایسا بچہ پیدا ہوا ہے گویا اسے غسل دیا ہوا ہے۔ وہ آلائش جو بچوں کے ساتھ ہوتی ہے سے بالکل پاک وصاف ہے۔ اس سے ایسا نور پیدا ہوتا ہے کہ دنیا اس سے منور ہو گی جیسا کہ اس سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا تھا مجھے کسی قسم کی تکلیف پہنچے بغیر متولد ہوا۔ اس نے انگشت اٹھائی اور آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس طرح آواز آئی کہ تین دن اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھوں۔ جب یہ خبر عبدالمطلبؓ کی مجلس میں پہنچی تو علما یہود نے کہا اللہ اکبر توریت کی بات درست نکلی۔

عبدالمطلبؓ گھر گئے اور خبر دریافت کی پھر کمرہ میں بیٹھ گئے۔ لوگوں نے مبارک باد دی۔ آپؓ نے اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔ لوگوں نے پوچھا کہ اپنے بیٹے کا تم نے کیا نام رکھا ہے؟ آپ نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ انہوں نے پوچھا یہ نام تم نے کیوں اختیار کیا باوجودیکہ تمہارے آباواجداد میں سے کوئی بھی اس نام سے موسوم نہیں ہوا تھا۔ آپ نے کہا کہ زمین وآسمان میں اس کی تعریف کی جائے۔ تین روز کے بعد آمنہؓ کے گھر گئے، حضرت رسالت مآب کو گود میں لیا اور کعبہ میں کھڑے ہو کر اپنے ہاتھوں سلا دیا اور یہ رجز پڑھا۔

الحمد اللہ الذی اعطانی	ھذا الغلام الطیب الاردان
قد سادَ فی المھد علی الغِمان	اُعیذہٗ باللہ ذی الارکان
حق راہ بالغ البنیان	انت الذی سمیت فی القرآن
اُعیذُہٗ من شر ذی شنئان	من حاسدٍ مضطرب العنان

جب آپ اس رجز سے فارغ ہوئے تو آنحضرت ﷺ کو آمنہؓ کے گھر واپس لے گئے اور اس کی حفاظت کے لیے تاکید کی اور کہا یہ عظیم الشان فرزند ہو گا۔

ایک اور روایت کہ مطابق یزید بن عبد اللہ بن زمعہ کی بہن کہتی ہیں: آمنہؓ بنت وہب کے بطن سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تو آمنہؓ نے عبد المطلبؓ کو خبر کرائی۔ خوش خبری لانے والا ایسے وقت میں ان کے پاس پہنچا کہ وہ حجر (وہ مقام جس پر حطیم شان ہے جو شمالی جانب سے کعبہ کو میط ہے) میں اپنے بیٹوں اور قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اطلاع دی کہ آمنہؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ عبد المطلب خوش ہوئے اور ان کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب اٹھے۔ آمنہؓ کے پاس آئے تو جو کچھ انہیں نظر آیا تھا، جو ان سے کہا گیا تھا اور جس کا حکم ملا تھا عبد المطلبؓ کو سب کچھ سنا دیا۔ عبد المطلبؓ آنحضرت ﷺ کو لیے ہوئے کعبہ میں آئے۔ وہاں کھڑے ہو کر خدا سے دعا کی اور خدا نے جو نعمت بخشی اس کا شکر کرتے رہے۔

محمد بن عمر والاسلمی کہتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ اس دن عبد المطلب نے یہ کہا تھا۔

الحمد الله الذی اعطانی — هذا الغلام الطیب الاردان
قد ساد فی المهد علی الغِمان — أُعیذهٗ بِالله ذی الارکاب
حق راه بالغ البنیان — أُعیذُهٗ من شر ذی شنئان
من حاسدٍ مضطرب الغنان

ترجمہ:

ہر طرح اور ہر قسم کی حمد و ثنا خدا کے لیے ہے جس نے مجھے یہ پاک دامن لڑکا عنایت فرمایا
یہ وہ لڑکا ہے کہ گہوارہ ہی میں تمام لڑکوں کا سردار ہو گیا، اس کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں اور اس کے لیے خدا سے پناہ مانگتا ہوں
میری خواہش ہے کہ اس کو تا بہ بنیاد رسیدہ دیکھوں، میں اس کی نسبت بغض رکھنے والے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں
میں اس حاسد سے پناہ مانگتا ہوں جو مضطرب العنان ہو یعنی ایک روش پر اسے قرار نہ رہے

ختنہ، عقیقہ اور نام

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے والد عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ پیدا ہوئے تو ختنہ شدہ ناف بریدہ تھے۔ عبدالمطلبؓ کو اس پر مسرت آمیز تعجب ہوا ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی قدر بڑھ گئی اور انہوں نے کہا: میرے اس لڑکے کی ایک خاص شان ہو گی۔ چنانچہ فی الواقع آنحضرت ﷺ کی خاص شان ہوئی۔

ایک اور روایت کے مطابق ولادت کے ساتویں روز آپ ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلبؓ نے ختنہ کرایا جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ اسلام اور حضرت اسماعیل علیہ اسلام کی سنت کے مطابق مولود کی ساتویں روز ختنہ کراتے تھے۔

عقیقہ اور نام

ابوالحکم تنوخی بیان کرتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ کی پیدائش کا ساتواں دن ہوا تو عبدالمطلبؓ نے جانور ذبح کیے اور قریش کو کھانے پر بلایا۔ وہ لوگ کھانا کھا چکے تو انھوں نے پوچھا: اے عبدالمطلبؓ! آپ نے اس بچے کا کیا نام رکھا ہے؟'' عبدالمطلبؓ نے جواب دیا: "میں نے اس کا نام محمد ﷺ رکھا ہے۔ وہ بولے: آپ نے اپنے خاندانی ناموں کو نظر انداز کر کے یہ نام کیوں رکھا؟'
عبدالمطلبؓ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اس بے مثال بچے کی تعریف کرے اور اللہ کی مخلوق زمین پر اس کے لیے رطب اللسان رہے۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے رضاعت کا انتظام کرنا

حلیمہ سعدیہؓ فرماتی ہیں کہ میں جب مکہ پہنچی تو پیر کا دن تھا میرے قبیلے کی دوسری عورتیں پہلے ہی مکے میں پہنچی چکی تھیں اور قریش کے مالدار گھروں میں پہنچ کر اپنے لیے بچوں کی بات کر چکی تھیں۔ بنو مخزوم وغیرہ قبیلے کے بچے انہوں نے اپنے لیے مخصوص کر لیے تھے۔ میرا اپنا بچہ بھی سفر کی تکان کی وجہ سے اس دن بیمار تھا دودھ نہیں پیتا تھا اور نیم بے ہوش سا نظر آتا تھا گویا مردہ ہے۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ بیٹے نے حرکت کی آنکھیں کھولیں اور مسکرایا۔ میں اس کی اس ادا پر بڑی متعجب ہوئی چنانچہ میں اسے گھر چھوڑ کر شہر کی طرف نکل کھڑی ہوئی۔ میں ادہر ادھر مختلف گھروں میں مارے مارے پھرتی رہی تا کہ مجھے کوئی بچہ مل جائے لیکن میری ساری کوششیں بیکار گئیں۔ بنی سعد کی عورتیں اپنی مرضی کے مطابق بچوں کو لے چکی تھیں۔ انہیں بڑے بڑے امرا اور اغنیاء کے بچے مل گئے تھے۔ میں اس صورت حال سے بڑی مغموم اور آزردہ خاطر تھی۔ میں اس سفر پر لعن طعن کر رہی تھی اور دل ہی دل میں اپنی قسمت کو کوس رہی تھی۔ ناگاہ مجھے ایک ایسا شخص نظر آیا جو عظمت حشمت کے آثار پیشانی پر لیے ہوا تھا۔ نور کرامت اور رعب شہامت اس کی شخصیت سے ٹپک رہا تھا۔ وہ زور سے آواز دے رہا تھا کہ بنی سعد کی عورتوں میں سے کوئی ہے جس نے ابھی تک کچھ نہ لیا ہو۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ مکہ کے ایک بزرگ بنو ہاشم سے عبدالمطلبؓ ہیں۔ میں آپ کے پاس گئی۔ سلام عرض کیا اور کہا کہ میں بنی سعد کی ایک عورت ہوں۔ آپ نے نام پوچھا تو میں نے بتایا حلیمہؓ سعدیہ۔ مسکراتے ہوئے فرمانے لگے۔ رخ رخ خصلتان حسنتان سعد و حلم فیهما نمر الدھر و نمر الابد (واہ واہ۔ تم میں دو چیزیں خوبصوت اور اچھی یکجا پائی جاتی ہیں۔ سعادت اور حلیمی۔ یہ دونوں عادات دنیا وآخرت میں پسندیدہ ہیں۔) پھر کہنے لگے حلیمہ میرا ایک بچہ ہے یتیم اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ میں نے بنی سعد کی ساری عورتوں کو دکھایا کہ کسی نے قبول نہیں کیا تمام نے کہا اس کا باپ نہیں۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ مجھے امید ہے۔ تم اس یتیم بچے کو لے کر فائدہ اٹھاؤ گی۔ میں نے کہا آپ مجھے اجازت دیں میں اپنے شوہر سے بات کر لوں۔ حضرت عبدالمطلبؓ نے کہا ہاں اس میں کوئی قباحت نہیں۔ میں اپنے شوہر کے پاس آئی۔ ساری بات بیان کی۔ اللہ تعالی نے اس کے دل میں فرحت اور سرور پیدا کیا۔ مجھے کہنے لگا۔ جاؤ اور اس بچے کو فورا قبول کر لو ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسری عورت لے جائے لیکن میری ہمشیرہ کے لڑکے نے کہا، افسوس بنی سعد کی عورتوں نے اشراف اور مالداروں کے بچے لے کر جمعیت اور بزرگی حاصل کر لی اور تم تیم بچے کو اپنے ساتھ لیے جا رہی ہوں جس کی کفالت محنت ومشقت کی زیادتی کا موجب ہے۔ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس بات سے میرے عزم میں تنزل پیدا ہوا۔ اسی وقت میرے دل میں الہام ہوا کہ اگر تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو چھوڑ دیا تو ہرگز فلاح نہیں پائے گی۔ میں نے بھانجے کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی، میں نے کہا قوم کی تمام عورتیں دودھ پلانے کے لیے بچے لے جائیں اور میں کوئی فرزند ساتھ نہ لے جاؤں خدا کی قسم میں اسے ہی لوں گی اگر اس کا باپ نہیں ہے لیکن اس کا دادا عبدالمطلبؓ ہے۔ میں اسے یتیم ہونے کی وجہ سے رد نہیں کروں گی۔ اگر اس در یتیم کا مرتبہ کوئی اور نہیں پہچانتا تو میں پہچانوں گی۔ مجھے امید ہے کہ جو خواب میں نے دیکھا ہے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا میں واپس آئی اور

عبدالمطلبؓ کے پاس گئی میں نے کہا وہ فرزند کہاں ہے؟ لایئے تاکہ میں اسے دیکھوں۔ اس بات سے ان کا چہرہ چمک اٹھا اور بے پناہ خوشی و مسرت سے کہا حلیمہؓ کیا تو نے میرے فرزند کو دودھ پلانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ عبدالمطلبؓ سجدہ شکر بجالائے اور سر اٹھایا اور آسمان کی طرف رخ کر کے کہا، الٰہی حلیمہؓ کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سعادت افروز فرما، پھر مجھے آمنہؓ کے گھر لے گئے، میں نے ایک عورت دیکھی جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، عبدالمطلبؓ نے میرا نام اور حال بیان کیا، اس نے کہا **اھلا وسھلا یا حلیمہ** پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اس مکان میں لے گئی جہاں آنحضرت ﷺ تھے۔ آپ کو سفید صوف کے کپڑے میں لپٹا ہوا تھا، کستوری کی مانند خوشبو آرہی تھی۔ ان کے نیچے ریشم کا سبز کپڑا پڑا ہوا تھا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سورہے تھے جب میں نے آپ کا چہرہ کھولا تو بچہ دیکھا جس کا چہرہ مبارک خورشید کی مانند چمک رہا تھا اور انوار حسن و جمال ذوالجلال اس کی ذات باکمال کے آئینہ سے تاباں تھے۔ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ جب میری نظر مبارک فرزند دلبند کے جمال پر پڑی میں ہزار جان اس پہ فریفتہ و شفیتہ ہو گئی۔ دفعتاً میں نے دیکھا کہ میرے جسم کی تمام رگوں سے دودھ نے پستان کی طرف جوش مارا اور اس کی محبت میرے روح کی گہرائی میں اس قدر جاگزیں ہوئی یہاں تک کہ میں نے انہیں خواب سے بیدار کیا، آپ نے اپنی آنکھیں کھول دیں میری طرف دیکھا اور تبسم فرمایا میں نے ان کے تبسم میں وہ ملاحت دیکھی جو کسی حسین کی مسکراہٹ میں بھی نہیں دیکھی، میں نے ایک نور دیکھا جو ان کی دونوں آنکھوں سے منعکس ہوا جس کی شعاعیں آسمان کو پہنچیں، میں نے اسی وقت ان کا منہ چوم لیا، میں اپنی اس حالت کو آمنہؓ سے چھپاتی تھی ایسا نہ ہو کہ اسے اس حال کی خبر ہو جائے۔ اس کے بعد میں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا اور دایاں پستان ان کے منہ میں دیا۔ انہوں نے دودھ پینا شروع کیا، جب میں نے بایاں پستان ان کی طرف کیا تو وہ رک گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسی وقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انصاف کی توفیق دی گئی کہ ایک پستان کو اپنے دودھ شریک بھائی کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں اپنا دایاں پستان ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے محفوظ رکھتی اور بایاں اپنے فرزند ضمرہ کو دیتی تھی۔ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ میری گود میں تھے اور دودھ پی رہے تھے میں آپ کی خواب آلودہ آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھی اور خوشی مجھ سے ضبط نہیں ہو رہی تھی میں چاہتی تھی کہ جلد از جلد انہیں اپنے گھر لے جاؤں تاکہ میرا خاوند بھی ان کے دیدار سے سعادت اندوز ہو۔ عبدالمطلبؓ نے کہا حلیمہؓ تجھے بشارت ہو کہ کوئی عورت بھی اپنے قبیلہ کی طرف اس طرح واپس نہیں جائے گی جیسا کہ تو جا رہی ہے۔

والی یمن کی بارگاہ میں

ابرہہ کی موت کے بعد اللہ تعالی نے سیف بن ذی یزن کو یمن پر غلبہ عطافرمایا۔اس نے اہل حبشہ کو یمن سے جلاوطن کر دیا۔یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دو برس بعد وقوع پزیر ہوا۔قریش مکہ کا ایک وفد اسے کامیابی پر مبارکباد دینے یمن پہنچااس میں عبدالمطلبؓ بن ہاشم،امیہ بن عبد شمس اور عبداللہ بن جدعان وغیرہ شامل تھے۔سیف حضرت عبدالمطلب کے انداز تقریر اور پرو قار شخصیت سے بہت متاثر ہوااور آپ سے اپنا تعارف کرانے کو کہا۔آپ نے کہاکہ میں عبدالمطلبؓ بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔بادشاہ نے کہا پھر تو تم ہمارے بھانجے ہوئے۔اس نے ایک مہینہ تک آپ اور آپ کے ساتھیوں کو مہمان بنائے رکھا نہ جانے دیتا نہ ملاقات کا موقع دیتا پھر ایک روز اس نے علیحدگی میں عبدالمطلبؓ کو بلایا اور کہاکہ ہمارے پاس ایک کتاب موجود ہے جسے ہم خفیہ رکھتے ہیں،اس میں لکھا ہے کہ تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے کندھوں کے درمیان میں ایک نشان ہوگا اس کے ذریعے تمہیں بھی قیامت کے دن تک سارے عرب کی قیادت نصیب ہوگی۔سیف نے کہاکہ اس بچے کی پیدائش کا زمانہ آگیا ہے یا وہ پیدا ہوچکا ہے۔اس کا نام نامی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگا۔اس کے والد اور ماں فوت ہوں گے اور اس کا دادااور چچااس کی کفالت کریں گے۔وہ خداوندرحمٰن کی عبادت کرے گا۔شیطان کو ٹھکرادے گا۔آگ کو بجھادے گا۔بتوں کو توڑ دے گا۔اس کی بات فیصلہ کن ہوگی۔اس کا حکم سراپا انصاف ہوگا۔حضرت عبدالمطلبؓ نے مزید وضاحت چاہی تو سیف بولا اس غلافوں والے گھر کی قسم اے عبدالمطلبؓ تو اس کا دادا ہے۔اس میں ذرا جھوٹ نہیں۔عبدالمطلبؓ سجدے میں گرپڑے۔بادشاہ نے کہاکہ سر اٹھایئے۔آپ کا سینہ ٹھنڈا ہے۔کیاآپ نے اس چیز کو محسوس کیا ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔عبدالمطلبؓ نے کہاکہ بے شک اے بادشاہ بے شک میرا ایک بیٹا تھاجو مجھے بہت عزیز تھا۔میں نے اس کی شادی ایک عفت مآب خاتون سے کی جس کا نام آمنہؓ بنت وہب ہے۔اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔جس کا میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نام رکھا۔اس کا باپ فوت ہوچکا ہے۔اس کے کندھوں کے درمیان میں ایک نشان ہے۔اس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جن کاآپ نے ذکر کیا۔سیف نے کہا پھر اپنے اس بچے کی حفاظت کیا کرو اور یہود سے محتاط رہا کرو کیونکہ وہ اس کے دشمن ہیں اور اللہ تعالی انہیں بھی اس پر غالب نہیں ہونے دے گا اور جو باتیں میں نے آپ سے کی ہیں وہ اپنے ساتھیوں کو نہ بتایئے گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ حسد نہ کرنے لگیں۔اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ عنقریب اس کی بعثت سے قبل میں اس دنیا سے رخصت ہوجاؤں گا تو میں اپنے سواروں اور پیدل سپاہیوں کے ساتھ یہاں سے ترک سکونت کرکے یثرب کو اپنا دارالسلطنت بناتا کیونکہ میری کتاب میں لکھا ہے کہ یثرب میں اس کا دین مستحکم ہوگا اور اس شہر میں آپ کا مدفن ہوگا۔سیف

بن ذی یزن نے قریش کے وفد کو دوبارہ دربار میں طلب کیا۔ ہر ایک کو ایک ایک سو اونٹ، دس غلام، دس دس کنیزیں، دس رطل چاندی، دس رطل سونا اور عنبر کا ایک بھرا ہوا برتن لیکن حضرت عبد المطلبؓ کو ہر چیز دس گنا دی۔

رسول اللہ کا گم ہو جانا

حلیمہؓ کہتی ہیں کہ اس امر عجیب و غریب (واقعہ شق صدر) کے ظہور کے بعد میرے شوہر اور دوسرے رشتے داروں نے مجھے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس سے پہلے کوئی تکلیف پہنچے عبد المطلبؓ کے پاس پہنچا دو۔ جب میں نے پختہ ارادہ کر لیا، میں نے منادی کو سنا کہتا تھا، ضیاء ملک یا بطحا کہ خیر و امن کا موسم بہار بنی سعد سے نکلا جا رہا ہے بلاد بطحا کہ خوش قسمت ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تجھ جیسی کوئی شخصیت اس جگہ نزول فرمائے بہترین خلائق نے جب مکہ میں نزول فرمایا اہل حوادث سے محفوظ و مامون ہو گئے۔ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ جب میں مرکب پر سوار ہوئی اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے سامنے لیے ہوئے تھی اور ایک لحظہ بھی اس سے غافل نہیں ہو سکتی تھی کہ میں نے اپنے اطراف و جوانب سے عجیب آوازیں سنیں اور جب مکہ کے دروازے پر پہنچے، میں سواری سے اتری اور کسی پیش آمندہ ضرورت کی وجہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سواری سے اتارا، وہاں لوگوں کی ایک جماعت تھی ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کو بٹھایا اور قضائے حاجت کے لیے گئی اچانک تیز آواز میرے کانوں میں گونجی میں تیزی سے واپس آئی، آنحضرت ﷺ کو وہاں میں نے نہ پایا میں نے کہا، لوگو! وہ بچہ کہاں ہے جو میں نے یہاں بٹھایا تھا۔ انہوں نے پوچھا کونسا بچہ؟ میں نے کہا محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس کی برکت سے حق تعالیٰ نے میرے چہرہ کو تازہ اور میری عیش و آسائش کو بے اندازہ رکھتا تھا۔ میں نے اس کی تربیت کی۔ اس کی باتوں سے میرا دل مسرور تھا اور اس کے جمال کے دیدار سے میری آنکھوں کو روشنی حاصل ہوئی ہے میرا ارادہ تھا کہ میں اسے اس کے دادا کے پاس پہنچا دوں اور اس کی امانت اس کے سپرد کر دوں، اچانک یہ واقعہ پیش آگیا، مجھے لات و عزیٰ کی قسم کہ اگر میں اپنے مقصد کو حاصل نہ کر سکی اور امانت کو اس کے مالک تک نہ پہنچا سکی تو خود کو بلند پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دوں گی اور اپنے اعضا کو پارہ پارہ کر دوں گی۔ القصہ ہر چند میں نے جستجو کی اس راحت جان کی طرف کوئی راہ نہ پا سکی۔ جب میں اس کی جستجو سے مایوس ہو گئی میں نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا اور فریاد و زاری شروع کر دی۔ میں کہتی تھی واہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اے میری آنکھوں کے نور، اے میرے پسندیدہ دوست، اے بے چین روح کے ریحان، اے میرے مجروح دل کے مونس، اے میرے بند دروازوں کی کلید، اے میری خستہ جان کی شفاء، اے میرے کاشانۂ شادمانی کے چراغ میں تجھ پر قربان ہوں۔ میں نے اس قدر گریہ و زاری کی اور اضطراب و

بیقراری دکھائی کہ ایک عالم میری سوز جاں سے بیقرار ہو گیا اور پیر و جواں میرے ساتھ مل کر رونے لگے۔ اچانک انہی حالات میں مَیں نے ایک بوڑھا دیکھا جو کمزوری سے ہلال کی مانند نحیف و نزار اور ناتوانی کے خیال سے زیادہ دبلا پتلا تھا، اس نے کہا کیا بات ہے یہ سوز و ملال کس وجہ سے ہے، میں نے صورت واقعہ بیان کی میں نے خدائے ابراہیمؑ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ مل سکے تو میں خود کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادوں گی۔ بوڑھے نے کہا اے سعدیہ میں تجھے ایسے عالم کا پتہ بتاتا ہوں جو تیرے فرزند کے حالات جانتا ہے اور اگر اس نے چاہا تو وہ اسے تیرے پاس لوٹا سکتا ہے۔ میں نے کہا میری جان تجھ پر قربان ہو پھر میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ اس نے کہا صنم اعظم جس کا نام ہبل ہے۔ میں نے کہا تیری ماں تجھے روئے، کاش تیری ماں تجھے گونگا پیدا کرتی، شاید تو اس حالت سے واقف نہیں ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شب ولادت ہبل ولات و عزی پر کیا گزری، تو نے وہ حالات نہیں سنے۔ اس نے کہا اے سعدیہ شاید تو دیوانی ہوئی ہے ہرزہ گو اور عقل و ہوش سے بیگانہ ہے، میں ابھی آتا ہوں اور تیرے فرزند کو ہبل سے طلب کرتا ہوں اور تیرے فرزند وقت کو تجھ تک پہنچاؤں گا۔ شیخ نے جا کر سات مرتبہ ہبل کا طواف کیا، اس کے سر پر بوسہ دیا اور کہا، اے میرے آقا! آپ کا لطف و احسان اور فضل و امتنان قریش سے کبھی منقطع نہیں ہوا اور کوئی حاجت منداس آستانہ سے بے نیل مرام واپس نہیں ہوا، یہ بوڑھی سعدیہ گمان کرتی ہے کہ اس کا فرزند گم ہو گیا ہے اس کے گم ہو جانے کی وجہ سے وہ رو رو کر جان ہلکان کر رہی ہے، اگر آپ اس کے فرزند کو اس تک پہنچا دیں تو بہت مناسب ہوگا۔ جب اس نے
آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی زبان سے ادا کیا۔ ہبل اور دوسرے تمام بت زمین پر اوندھے منہ گر پڑے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و شمائل بیان کرنے لگے انہوں نے کہا اے شیخ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری ہلاکت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ سے ہی ہوگی۔ خدا تعالی معبود برحق ہے اسے ضائع نہیں کرے گا، بت پرستوں سے کہہ دو ذبح اکبر یہی ہے یعنی سوائے اس شخص کے جو اس کی اتباع کرے سب کو قتل کر دے گا۔ حلیمہ کہتی ہیں میں نے اس بوڑھے کو دیکھا کہ رو رہا ہے آتش تاسف سے اس کا دل کباب ہے، لاٹھی ہاتھ سے گری پڑی ہے اور موت کے کنارے پہنچ چکا ہے، اس کے منہ میں باتوں کی بجائے دانت بج رہے ہیں، اس کے تمام اعضا ہیبت سے بید کی مانند کانپ رہے ہیں، اس نے کہا اے حلیمہ! تیرے فرزند کا ایک پروردگار ہے جو اسے ضائع نہیں ہونے دے گا، تیری امانت صحیح و سالم تجھے لوٹائے گا، اطمینان سے اس کی تلاش کرو اور دل تنگ نہ ہو اور رخسارہ اقبال بدبختی کے ناخن سے نہ تراش۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں ڈری کہ مجھ سے پہلے ہی یہ خبر عبد المطلبؓ تک نہ پہنچ جائے۔ میں والہ و شیفتہ اس کی طرف بھاگی، مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا تیرے ساتھ سعادت ہے یا نحوست؟ میں نے کہا اے امیر نحوست ہے اور نحوست بھی ایسی، اس نے کہا شاید تیرا فرزند گم ہو گیا ہے میں نے کہا ہاں، عبد المطلبؓ کو خیال ہوا کہ قریش میں سے کوئی اسے اٹھا کر لے گیا ہوگا اور ہلاک کر دیا ہوگا پس اس نے اپنی تلوار کھینچ لی اور غیظ و غضب اس کے چہرہ سے ظاہر ہوا اور اونچی آواز میں پکارا، اے آل غالب سب لبیک کہہ کر اس کی خدمت میں دوڑے کیونکہ کوئی شخص آپ کے غصہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ عبد المطلبؓ نے کہا

قریش کی عزت اور سرمایہ راحت و عیش میرا فرزند محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غائب ہو گیا ہے۔ قریش نے کہا اے امیر سوار ہو جائیے ہم بھی سوار ہوتے ہیں اس عزیز کو آپ کے ساتھ تلاش کرتے ہیں اگر آپ تلاطم دریا میں کو دیں گے تو بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور اگر بلند پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کریں گے اور وہاں پہنچیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہوں گے۔ اپنے قبائل کے ساتھ سوار ہوا بیتاب ہو کر ہر طرف بھاگا پھرتا اور بے تحاشا اس مسعوق کی خاطر خود کو تنگیوں اور ہلاکت گاہوں میں ڈالتا تھا اور کہتا تھا

القی عسا کرا فوادی ثمه   کی انظر فی اهل ودادی ثمه
اما قدمی توصلنے مقصودی   واترك راسی كفوادی ثمه

اپنے بیٹے کی تلاش میں ہر طرف گھوڑا دوڑایا لیکن گم شدہ کی کوئی خبر نہ ملی تو آپ اپنی قوم کو چھوڑ کر تنہا بیت الحرام کی طرف بھاگے۔

یارب ردرا کبی محمدا   ردالی واتخذ عندی یدا
انت الذی جعلته لی عضدا   انت الذی سمیته محمدا
لا یعبد الدهر به فیعبد   یارب ان محمد الم توجدا

عبدالمطلب مناجات میں تھے کہ آپؓ نے سنا منادی کرنے والا فضائے آسمان سے ندا کر رہا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پروردگار ہے جو اسے ذلیل و ضائع نہیں چھوڑے گا۔ عبدالمطلبؓ نے کہا اے ہاتف وہ کہاں ہے۔ اس نے کہا، وادی تہامہ میں یمنی درخت کے پاس ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک کیلے کے درخت کے پاس ہے عبدالمطلبؓ نے ہتھیار لگائے اور وادی تہامہ کی طرف چل دیے، راستے میں ورقہ بن نوفل ملے دونوں اس طرف چل دیے، جب کیلے کے درخت کے پاس پہنچے آنخضرتؐ کو کیلے کے درخت کے نیچے کھڑا دیکھا آپ اپنا ہاتھ درخت کی ٹہنیوں پر پھیر رہے تھے۔ عبدالمطلب نے کہا

جان من جان من فدائے تو باد   کہ فلك چون تو مه ندارد یاد

اس کے بعد اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ابو مسعود ثقفی اور عمرو بن نوفل نے آنخضرت ﷺ کو کیلے کے درخت کے نیچے دیکھا کہ اس کے پتوں کو چن رہے تھے، انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟، آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ عمرو بن نوفل انہیں اٹھا کر عبدالمطلبؓ کے پاس پہنچایا، اس کے بعد عبدالمطلبؓ نے انہیں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا اے بیٹے میں تیرا دادا ہوں، انہیں سوار کر کے مکہ واپس لائے، پھر حلیمہ سے بہت معذرت کی اور بہترین سامان تیار کیا اور بہت سی چیزوں کے

ساتھ اسے رخصت کیا۔ حعلیمہ کہتی ہیں کہ عبد المطلبؓ اور آمنہؓ نے الگ الگ اس قدر مال و دولت دی کہ اس کی توصیف نہیں کی جاسکتی۔

رسول اللہ ﷺ کی کفالت

حضرت آمنہؓ کی ابواء کے مقام پر تدفین کے بعد ام ایمنؓ نے آنحضرت ﷺ کو اٹھایا اور مکہ میں لے آئیں اور عبد المطلبؓ کے سپرد کر دیا۔ حضرت عبد المطلبؓ نے اس گرامی بیٹے کو اپنے گھر میں رکھا اور کماحقہ عزت و تکریم بجالاتے۔ ان کی تربیت اور دیکھ بھال میں پوری طرح توجہ دی اور ہمیشہ تمام بنی عبد مناف کے اشراف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا تذکرہ واشگاف الفاظ میں بیان کرتے اور کہتے کہ اس فرزند ارجمند کی ذات عالی صفات میں صباحت قریش، ملاحت یثرب اور فصاحت بنی سعد جمع ہو گئی ہے۔

عبد المطلبؓ اور رسول اللہ ﷺ کا بارش کے لیے دعا کرنا

جس سال میں حضرت عبد المطلبؓ روسائے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ سیف ذی الیزن کی تہنیت کے لیے حبشہ کی طرف گئے جب اس سفر سے واپس آئے، قریش پانی کی کمی سے ان کی احتیاج کی بناپر فریاد کر رہے تھے۔ اشراف و اہالی مکہ میں مسلسل کئی سال عظیم قحط ظہورپزیر ہوا، چنانچہ زراعت اور جانوروں کے پستانوں سے دودھ خشک ہو گیا، لوگ شدید فاقہ اور زحمت میں مبتلا ہو گئے۔ رفیقہ بنت ابی سیف بن ہاشم جو حضرت عبد المطلبؓ کے بھائی کی بیٹی تھی کہتی ہیں کہ ایک رات دوران غنودگی میں نے ایک ہاتف کو کہتے ہوئے سنا کہ اے گروہ قریش پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے ظہور کا وقت ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تم میں سے پیغمبر پیدا ہونے کا وقت ہے عمدہ زندگی اور باران رحمت تمہیں حاصل ہو گی، احتیاط سے دیکھو کہ تمہارے درمیان میں بزرگ بلند و بالا، سفید اندام، ستواں ناک، تازہ رو جس کی پلکیں دراز ہیں، فخر و حسب والا ہے۔ اسے کہو کہ وہ اپنے فرزند کو لے کر لوگوں کے درمیان میں سے باہر نکلے اور ہر قبیلہ سے ایک لڑکا اور ہر بطن سے ایک مرد لیے ہوئے اور خوشبو لگائے ہوئے اس کے ساتھ ہو۔ کعبہ کے گرد سات مرتبہ طواف کریں اور اس کی معیت میں کوہ ابو قبیس پر جائیں وہ موصوف بارش کی دعا کرے ان کے ساتھی آمین کہیں تاکہ بارش برسے اور ان کی زندگی اچھی ہو جائے۔ رفیقہ کہتی ہیں کہ صبح ڈرتی اور کانپتی ہوئی بستر خواب سے اٹھی اور جس کے سامنے بھی

صورت واقعہ بیان کی قسم ہے حق و حرمت کی کہ اس نے کہا یہ شخص حضرت عبدالمطلبؓ ہے جب یہ خبر مشہور ہو گئی قریش کی ایک جماعت عبدالمطلبؓ کے پاس جمع ہوئی اور ہر بطن سے ایک شخص نے پاک ہو کر خوشبو لگائے ہوئے طواف کیا۔ عبدالمطلبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا کر جبل ابو قبیس کی طرف گئے اور دوسرے لوگ بھی ساتھ گئے۔ حضرت عبدالمطلبؓ باوجود یکہ آہستہ چل رہے تھے، دوسرے لوگ اگرچہ بھاگ رہے تھے مگر اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ جب سفر طے کر لیا جبل ابو قبیس پر گئے حضرت عبدالمطلبؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کندھے پر بٹھا کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا:

اے حاجات کو پورا کرنے والے، مصائب کو دور کرنے والے، بغیر بتائے ہوئے جانے والے، غیر مختتم عطائیں بخشنے والے، اے فکر کو روکنے والے اور اسے اندوہ غم کو زائل کرنے والے یہ تیرے حرم کے بندے اور غلام ہیں تنگی اور قحط کی شکایت کرتے ہیں، ان کی بھیڑ بکریاں اور اونٹ ہلاکت کے کنارے پر پہنچ گئے ہیں، خدایا بارش بھیج جو سبزے کے اگنے کا سبب ہو اور ہماری زندگی کی بقاء کا باعث بنے۔

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم، ہم نے ابھی واپس آنے کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا کہ بارش شروع ہو گئی اور اس قدر برسی کہ نہریں جاری ہو گئیں اور سرداران قریش مثل عبداللہ مرعان اور شہاب بن مغیرہ وغیرہ حضرت عبدالمطلبؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے ابو البطحیٰ تجھے یہی نعمت خوشگوار ہو۔

عبدالمطلبؓ حضور ﷺ کے مشفق

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عبدالمطلبؓ بہت زیادہ خیال رکھتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم میں مبالغہ کرتے تھے۔ اور آپ کے حالات کی دیکھ بھال میں انتہائی کوشش کرتے، جہاں تک ہو سکتا اس کی رعایت و محافظت کے جھنڈے بلند رکھتے کہتے ہیں کہ شفقت و محبت اور مہربانی جو حضرت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ ولہ وسلم کے حق میں رکھتے تھے کسی دوسرے فرزند کے حق میں نہیں کی۔ اگر حضرت عبدالمطلبؓ نیند میں ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص انہیں خواب سے بیدار نہیں کر سکتا تھا، اگر اپنے احباب کے ساتھ یا تنہا کسی جگہ خلوت میں ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی کو آپ کے بستر پر بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے متعلق ام ایمنؓ کو تاکید کی ہوئی تھی کہ خبردار اس کے حال سے غافل نہیں ہونا اور اس کی پرورش اچھی طرح کرنا کیونکہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ امت کا پیغمبر ہو گا۔ کہتے ہیں کہ اسی اثناء میں بنی مدلج کی ایک جماعت نے

فن قیافہ میں مہارت حاصل کی وہ بیٹے کو باپ کی طرف منسوب کرتے تھے اور علم قیانہ میں مشہور تھے۔انہوں نے حضرت عبدالمطلبؓ سے کہا، ہم نے آپ کے اس فرزند کے قدموں کو ملاحظہ کیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قدم کے ساتھ جس کا نشان مقام ابراہیم میں ظاہر ہے کسی قدم کو اس کے قدم سے زیادہ اس کے مشابہ نہیں دیکھا۔عبدالمطلبؓ نے حضرت ابوطالب سے کہا سنو! یہ جماعت کیا کہتی ہے، پس حضرت ابوطالب اس روز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت کے لیے کوشاں ہوئے اور ان کا لحاظ کرنے لگے۔روایت ہے کہ حضرت عبدالمطلبؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ اپنے کسی بھی فرزند کے ساتھ اس قسم کی محبت کا اظہار نہیں کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ سے ملے بغیر سفر نہیں کرتے اور ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کو ذکر خیر میں دوسروں پر ترجیح دیتے۔حضرت عبدالمطلبؓ کے حجرہ میں ان کی ایک خاص نشست گاہ تھی۔ان کے بغیر کوئی شخص اس مسند پر نہیں بیٹھتا تھا۔شرفائے قریش کو اس نشست گاہ کے ارد گرد بٹھاتے۔حضرت عبدالمطلبؓ کی اولاد اس مسند کو ان کے ساتھ ہی مخصوص رکھتی چنانچہ کسی شخص میں یہ قدرت وجرات نہیں تھی کہ اس مسند کے قریب قدم رکھ سکے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے، رگ ہاشمی کی عظمت وجلالت سے حضرت عبدالمطلبؓ کے بساط دولت اور تخت اقبال پر فی الفور بیٹھ جاتے اور حضرت عبدالمطلبؓ بیٹے اور بزرگان قریش حضرت عبدالمطلبؓ کے احترام کی وجہ سے اس نشست گاہ کو عزیز رکھتے تھے اور بعض اوقات وہاں بیٹھنے سے منع کرنا چاہتے تھے حضرت عبدالمطلبؓ انہیں آواز دیتے اور کہتے: **دعوا انبی فو اللہ ان لہ سشاناً عظیماً** میرے بیٹے کو اس مسند پر بیٹھنے دو خدا کی قسم! اس کا نفس ایک شرف محسوس کرتا ہے جو کسی مسند پر بیٹھے کا تقاضا کرتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس کی بزرگی کے بہت سے نشانات ہیں اور عنقریب وہ تمہارا سردار ہوگا۔یہ نور جو میں اس کی پیشانی میں دیکھتا ہوں۔ایسے شخص کا نور ہے جسے لوگوں کی سرداری اور سرداری کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میرا یہ فرزند بہت بڑے ملک کا مالک ہوگا۔اور خدا تعالی کا اس کے ساتھ ایک ایسا راز ہے جو کسی کے ساتھ نہیں، ہمیشہ آپ کے سر پر دست شفقت رکھتے اور آپ کی حرکات وسکنات اور خصائل سے خوش ہوتے تھے۔ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبدالمطلبؓ کی مسند پر مرجع صورت میں تشریف فرما تھے اور اکثر وبیشتر قریش حرم کے گرد ونواح میں موجود تھے۔حضرت عبدالمطلب نے سب کو یہ حال دکھایا اور کہا، دیکھو! سلطنت و وجاہت کے آثار آپ کی حرکات وسکنات سے کس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

عبد المطلبؓ کی بے قراری

کندیر بن سعید اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ زمانہ جاہلیت میں حج کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ آدمی بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے والہانہ انداز میں یہ اشعار پڑھ رہا ہے

رب! ردالی را کبی محمداً　　　　یارب ردہ واصطنع عندی یداً

اے میرے رب ! میرے سوار محمد (ﷺ) کو واپس لے آ اے میرے رب ! مجھ پر احسان فرما اور اسے لوٹا دے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ عبد المطلبؓ بن ہاشم ہیں۔ انھوں نے اپنے پوتے محمد (ﷺ) کو گم شدہ اونٹ تلاش کرنے بھیجا ہے۔ یہ جب بھی اسے کسی کام کے لیے کہتے ہیں تو وہ ہمیشہ کامیاب لوٹتا ہے۔ آج اسے دیر ہو گئی ہے۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ یہ بزرگ اسی وجہ سے پریشان ہیں۔ ابھی عبد المطلبؓ وہیں کھڑے تھے کہ محمد (ﷺ) اونٹ لے کر آ گئے۔ عبد المطلب نے آپ کو گلے لگایا اور کہا اے میرے بیٹے ! کیا بتاؤں میں تمھارے لیے کس قدر پریشان تھا۔ میں کسی کے لیے بھی اتنا پریشان نہیں ہوا۔ اللہ کی قسم ! اب میں تمھیں کسی کام کے لیے نہیں بھیجوں گا، نہ تم مجھ سے کبھی جدا ہونا۔

رسول اللہ ﷺ کو آشوب چشم

علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سات سال کے ہوئے تو آپ کو بہت سخت قسم کا آشوب چشم ہوا (آنکھیں دکھنے والا مرض)۔ مکہ میں آپ کا علاج کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ عبد المطلبؓ سے کسی نے کہا کہ عکاظ کے علاقے میں ایک راہب ہے جو آنکھوں کی تکلیف کا علاج کرتا ہے۔ عبد المطلبؓ آنحضرت کو لے کر وہاں گئے۔ اس کی عبادت گاہ کا دروازہ بند تھا اس لیے عبد المطلبؓ نے اس راہب کو آواز دی مگر راہب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک عبادت گاہ میں شدید زلزلہ آیا اور راہب کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں عمارت اس پر ہی نہ گر جائے۔ اس لیے ایک دم باہر نکل آیا اور اس نے عبد المطلبؓ سے کہا (جنہیں غالباً وہ پہچانتا تھا) "اے عبد المطلبؓ یہ لڑکا اس امت کا نبی ہے۔ اگر میں باہر نہ نکل آتا تو یہ عبادت گاہ یقیناً میرے اوپر گر پڑتی اس لڑکے کو لے کر فوراً لوٹ جاؤ اور اس کی حفاظت کرو کہ کہیں اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) میں سے کوئی اسے قتل نہ کر دے، اس کے بعد اس نے

آپ ﷺ کی آنکھوں کا علاج کیا اور کچھ دوا ساتھ کر دی۔ مگر ایک کتاب ہے جس کا نام کریم الندمآء وندیم الکرماء ہے میں نے اس میں یہ واقعہ اس طرح دیکھا کہ

جب رسول اللہ ﷺ چھوٹے تھے کہ آپ ﷺ کو آشوبِ چشم کی تکلیف ہو گئی اور کئی دن تک آپ ﷺ کو تکلیف رہی۔ کسی نے عبد المطلبؓ سے کہا کہ مکے اور مدینے کے درمیان میں ایک راہب ہے جو آشوب چشم کا علاج کرتا ہے اس کے ہاتھوں ایک مخلوق شفاء حاصل کر چکی ہے۔

عبد المطلبؓ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر اس راہب کے پاس گئے جیسے ہی راہب نے آپ ﷺ کہ دیکھا وہ فوراً عبادت خانے میں گیا اور نہا دھو کر کپڑے بدلے اور پھر ایک صحیفہ (کتاب) نکال کر لایا۔ پھر کبھی وہ اس کتاب میں کچھ دیکھتا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھتا۔ آخر اس نے کہا:۔ یہ خدا کی قسم خاتم النبیین ﷺ ہیں"۔ پھر اس نے عبد المطلبؓ سے کہا۔ اے عبد المطلبؓ؟ کیا انہیں آشوب چشم ہو گیا ہے؟ عبد المطلبؓ نے کہا" ہاں"۔ اس نے کہا اس کی دوا تو خود ان کے پاس ہی موجود ہے۔ اے عبد المطلبؓ ان کا لعاب دہن لو اور ان کی آنکھوں پر لگا دو۔ عبد المطلبؓ نے ایسا ہی کیا کہ آپ کا لعاب دہن لے کر آپ ﷺ کی آنکھوں پر لگا دیا۔ آپ ﷺ کی آنکھیں اسی وقت ٹھیک ہو گئیں۔ پھر راہب نے کہا۔ "اے عبد المطلبؓ خدا کی قسم یہی وہ انسان ہے جس کے نام پر میں اللہ تعالی کی قسم کھاتا ہوں تو بیماروں کو شفاء ہو جاتی ہے اور آشوب چشم ٹھیک ہو جاتا ہے۔

حذافہ عدری کی رہائی

ایک مرتبہ جذام قبیلے کے لوگ حج کے لیے آئے تو ان کا ایک فرد مکہ میں قتل کر دیا گیا۔ انھیں راستے میں حذافہ بن غانم عدری ملا، انھوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ عبد المطلبؓ ابولہب کے ساتھ طائف سے واپس آئے تو انھیں اس ماجرے کا پتہ چلا، اس وقت ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ عبد المطلبؓ نے بنو جذام سے کہا: تمھیں میری تجارت اور مال کا اندازہ ہے۔ میں حلف اٹھاتا ہوں کہ میں بیس اوقیہ سونا یا دس اونٹ یا جس پر تم راضی ہو، ادا کر دوں گا، تم حذافہ کو چھوڑ دو، میری یہ چادر تمھارے پاس گروی ہے۔ انھوں نے عبد المطلبؓ کی بات مانتے ہوئے حذافہ کو چھوڑ دیا۔ عبد المطلبؓ حذافہ کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر مکہ لے آئے اور اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

وفات

آپؓ کی وفات 579ء میں ہوئی تھی۔ آپؓ کی وفات یوم الفجار سے بیشتر ہوئی تھی۔ اس وقت آپؓ کی عمر 82 سال اور دوسری روایت کے مطابق 110 سال تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق آپؓ کی 92 سال اور روایت کے مطابق 120 سال اور کے مطابق 140 اور 144 سال تک عمر بتائی گئی ہے۔ آپؓ کو حجون قبرستان میں اپنے جد اعلیٰ قصی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کی وفات پر کئی دنوں تک بازار بند رہے اور منڈیوں میں کاروبار معطل رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو دیے

حضرت ام ایمنؓ بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت عبد المطلبؓ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پلنگ کے پیچھے کھڑے رو رہے تھے، اس وقت آپ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی۔

اشعار

ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے محمد بن سعید بن المسیب نے بیان کیا کہ جب عبد المطلبؓ کی رحلت کا وقت آیا اور انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اپنی لڑکیوں کو جو چھ تھیں جمع کیا جن میں صفیہ، برہ، عاتکہ، ام حکیم البیضاء، امیمہ اور اروی تھیں اور ان سے کہا تم سب مجھ پر گریہ وزاری کرو تاکہ میں اپنے مرنے سے پہلے سن لوں کہ تم کیسے بین کرو گی اور کیا کہو گی۔ ابن ہشام نے کہا کہ میں نے علمائے شعر میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا جو ان اشعار کو جانتا ہو لیکن ان کی روایت محمد بن سعید بن المسیب نے کی

صفیہ بنت عبد المطلب نے اپنے باپ پر روتے ہوئے کہا۔

ارقت لصوت نائحةٍ بليل — على رجل بقارعة الصعيد

ففاضت عند ذلكم دموعي — على خدي كمنحدار الفريد

على رجل كريم غير وغل — له الفضل المبين على العبيد

علی الفیاض شیبۃ ذی المعالی	ابیك الخیر وارث کل جود
صدوق فی المواطن غیر نکس	ولا شخت المقام ولا سنید
طویل الباع اروع شیظمی	مطاع فی عشیرتہ حمید
رفیع البیت ابلج ذی فضول	وغیث الناس فی الزمن الحرود
کریم الجد لیس بذی وصوم	یروق علی المسود والمسعود
عظیم الحلم من نفر کرامٍ	خضارمةٍ ملاوثه الاسود
فلو خلد امرو لقدیم مجد	ولکن لا سبیل الی الخلود
لکان مخلدا اخری اللیالی	لفضل المجد والحسب التلید

ترجمہ

رات میں ایک رونے والی کی آواز سے میری نیند اچٹ گئی جو ایک بالکل راستے پر کھڑے ہوئے شخص پر رو رہی تھی۔
اس وقت میرے آنسو میرے رخسار پر ڈھلکنے والے موتیوں کی طرح بہنے لگے۔
اس شریف شخص پر جو دوسروں کے نسب میں ملنے کا جھوٹا دعوے دار نہ تھا جس کو بندگان خدا پر نمایاں فضیلت حاصل تھی۔
شیبہ جو بڑا فیاض اور بلند مرتبے والا تھا۔ اپنے اچھے باپ پر جو ہر قسم کی سخاوت والا تھا۔
اس پر جو جنگ کے میدانوں میں خوب لڑنے والا اپنے ہمسروں سے کسی بات میں پیچھے نہ رہنے والا نہ کم رتبہ اور نہ دوسروں کے نسب میں مل جانے والا تھا۔
اس پر جو بہت ہی کشادہ دست عجیب حسن و شجاعت والا بھاری بھر کم گھرانے کا قابل تعریف سردار تھا۔
اس پر جو عالی خاندان روشن چہرہ اقسام کے فضائل والا اور قحط سالی میں لوگوں کا فریاد رس تھا۔
اس پر جو اعلیٰ شان والا۔ ننگ و عار سے بری۔ سرداروں اور خادموں پر فضل و انعام کرنے والا تھا۔
اس پر جو بڑے حلم والا اعلیٰ شان والوں میں کا ایک فرد دوسروں کے بار اٹھانے والا سردار شیروں کے لیے پشت پناہ تھا۔
اگر کوئی شخص اپنی دیرینہ عزت و شان کے سبب ہمیشہ رہ سکتا۔
تو ضرور وہ اپنی فضیلت و شان اور دیرینہ خاندانی وقار کے سبب زمانے کی انتہا تک رہتا لیکن بقا کی طرف تو کوئی راستہ ہی نہیں۔
برہ بنت عبد المطلب نے اپنے باپ پر روتے ہوئے کہا:

أعيني جودا بدمع درر	على طيب الخيم والمعتصر
على ماجد الجد وأى الزناد	جميل المحيا عظيم الخطر
على شيبة الحمد ذي المكرمات	وذي المجد والعز والمفتخر
ولذي الحلم والفضل في انائبات	كثير المكارم جم الفجر
له فضل مجد على قومه	منير يلوح كضوء القمر
اتته المنايا قلم تشوى	بصرف الليالي وريب القدر

ترجمہ:

اے میری آنکھوں نیک سیرت اور سخی پر موتیوں کے سے آنسوؤں سے سخاوت کرو۔
اعلیٰ شان والے پر لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے والے پر حسین چہرے اور بڑے رہنے والے پر۔
بزرگوں والے شیبتہ الحمد پر عزت و شان والے اور افتخار والے پر۔
آفات میں فضل و عطا و حلم کرنے والے پر بہت خوبیوں والے بڑے سخی مالدار پر۔
اپنی قوم پر اسے بڑے فضیلت حاصل تھی وہ ایسا نور والا تھا کہ چاند کی روشنی کی طرح چمکتا رہتا تھا۔
زمانہ کی گردشوں اور مکروہات تقدیر کو لیے ہوئے موتیں اس کے پاس آئیں اور اس پر اچٹتی ہوئی ضرب نہیں (بلکہ) کاری وار کیا۔
عاتکہ بنت عبد المطلب نے اپنے باپ پر رہتے ہوئے کہا

أعيني جودا ولا تبخلا	بدمعكما بعد نوم النيام
أعيني واسحنفرا واسكبا	وشوبا بكاء كما بالتدام
أعنى واستخرطا واسجما	على رجل غير نكس كهام
على الجحفل الغمر في الانائبات	كريم المساعي وفي الذمام
على شبية الحمد وأى الزنا	وذي مصدق بعد ثبت المقام
وسيف لدى الحرب صمصامة	ومردى المخاصم عند الخصام
وسهل الخليقة طلق اليدين	وفي غدملي صميم لهام
تبنك في باذخ بيته	رفيع الذوابة صعب المرام

ترجمہ:

اے میری آنکھو سونے والوں کے سو جانے کے بعد اپنے آنسو کی سخاوت کرو اور بخل نہ کرو۔
اے میری آنکھو خوب تیز جھڑی لگا دو اور یہ پڑھ اور اپنے رونے کے ساتھ رخساروں پر طمانچے بھی مارو۔
اے میری آنکھو خوب جم کر رو لو اور ایسے شخص پر آنسو بہاؤ جو نہ پیچھے رہنے والا تھا اور نہ کمزور۔
بزرگ سردار پر آفات میں اپنے احسانات میں ڈبو لینے والے پر بزرگانہ کوششوں والے پر ذمہ داری کو پورا کرنے والے پر۔
مہمان نواز شیبتہ الحمد پر اور (اپنے) مقام پر جمے رہ کر صحت حملہ کرنے والے پر۔
اس پر جو جنگ کے وقت ختم نہ ہونے والی تلوار اور جھگڑے کے وقت دشمن کو ہلاک کرنے والا تھا۔
نرم سیرت والے کشادہ ہاتھوں والے وفادار سخت پختہ ارادے والے کثیر الخیر شخص پر۔
اس پر جس کے گھر کی اساس علوشان پر مستحکم بلند طرے والے اعلیٰ مقاصد والے پر۔
ام حکیم بیضاء بنت عبد المطلب نے اپنے باپ پر روتے ہوئے کہا۔

ألا یا عین جودی واستهلی	وبکی ذا الندی والمکرمات
الا یا عین ویحك اسعفینی	بدمع من دموع هاطلات
وبکی خیر من رکب المطایا	أباك الخیر تیار الفرات
طویل الباع شیبة ذا المعالی	کریم الخیم محمود الهبات
وصولا للقرابة هبرزیا	وغیثا فی السنین الممحلات
ولیثا حین تشتجر العوالی	تروق له عیون الناظرات
عقیل بنی کنانة والمرجی	إذا ما الدهر أقبل بالهنات
ومفزعها إذا ما هاج هیج	بداهیةٍ وخصم المعضلات
فبکة ولا تسمی بحزن	وبکی ما بقیت الباکیات

ترجمہ:

ہاں اے آنکھ سخاوت اور آہ و فغاں کر اور بزرگوں والے اور سخاوت والے پر رو۔
ہاں اے کمبخت آنکھ لگاتار برسنے والے آنسوؤں سے میری امداد کر

سواریوں پر سوار ہونے والوں میں جو سب سے اچھا تھا اس پر آہ و فغاں کر اپنے اچھے باپ پر جو میٹھے پانی کا موج زن دریا تھا۔
شیبہ پر جو بڑا سخی اور بلند رتبوں والا نیک سیرت سخاوت میں قابل مدح و ستائش تھا۔
صلہ رحمی کرنے والے پر اس پر جس کے چہرے سے شرافت و جمال ظاہر ہوتا تھا۔ جو قحط سالیوں میں برستا ہوا بادل تھا۔
جو نیزوں کے ایک دوسرے سے مل کر جھاڑی کی طرح بن جانے کے وقت کا شیر تھا جس کے لیے دیکھنے والوں کی آنکھیں بہہ پڑتی ہیں۔
جو بنی کنانہ کا سردار تھا اور زمانے کے اقسام کی آفتیں سر پر پڑنے کے وقت امیدوں کا آسرا تھا۔
جب کوئی سخت آفت آتی تو اس کے خوف کو وہ دور کر دینے والا اور مشکلات کا مقابلہ کرنے والا تھا۔
پس ایسے شخص پر آہ و فغاں کر اور غم کرنے میں سستی نہ کر اور دوسری رونے والیوں کو اس وقت تک رلاتی رہ جب تک تو باقی رہے۔
امیمہ بنت عبد المطلب نے اپنے باپ پر روتے ہوئے کہا۔

لا هلك الراعي العشيرة ذو الفقد	وساقي الحجيج والمحامي عن المجد
ومن يولف الضيف الغريب بيوته	إذا ما سماء الناس تبخل بالرعد
كسبت وليداً خير ما يكسب الفتى	فلم تنفكك تزداد يا شيبة الحمد
ابو الحارث الفياض خلى مكانه	فلا تبعدن فكل حيي إلى بعد
فاني لباك ما بقيت ومرجع	وكان له اهلا لما كان من وجدى
سقاك ولي الناس في القبر ممطرا	فسوف ابكيه وإن كان في اللحد
فقد كان زينا للعشيرة كلها	وكان حميداً حشيما كان من حمد

ترجمہ:

سن لو کہ خاندان کا محافظ خاندان والوں کو ڈھونڈ نکالنے والا حاجیوں کا ساقی عزت و شان کی حمایت کرنے والا چل بسا۔
جس کا گھر مسافر مہمانوں کو اس وقت جمع کر لیتا تھا جب لوگوں کا آسمان گرج کے باوجود بخل بھی کرتا تھا۔
جو خوبیاں ایک جواں مرد حاصل کیا کرتا ہے اے شیبتہ الحمد تو نے ان خوبیوں میں کی بہترین صفتیں اپنی کم سنی ہی میں حاصل کر لیں اور پھر ان میں تو ہمیشہ ترقی ہی کرتا رہا۔
ایک فیاض شیر نے اپنی جگہ خالی کر دی پس تو (اسے اپنے دل سے) دور نہ کر کہ ہر زندہ (کسی نہ کسی روز) دور ہونے والا ہے۔
میں تو جب تک رہوں گا آبدیدہ اور غمگین ہی رہوں گا۔ اور میری محبت کے لحاظ سے وہ اس کا سزاوار تھا۔

قبر میں بھی تمام لوگوں کی سرپرستی کرنے والا (خدا) تجھ کو (اپنی رحمت کی) بارش سے سیراب رکھے۔ میں تو اس پر روتا ہی رہوں گا ۔اگرچہ وہ قبر ہی میں رہے۔

وہ اپنے پورے گھرانے کی زینت تھا۔ اور جہاں کہیں جو تعریف بھی ہو وہ اس تعریف کا سزاوار تھا۔

اروی ٰبنت عبد المطلب نے اپنے باپ پر روتے ہوئے کہا۔

بكت عيني وحق لها البكاء — على سمح سجيته الحياء
على سهل الخليقة ابطحي — كريم الخيم نيته العلاء
على الفياض شيبة ذي المعالي — ابيك الخير ليس له كفاء
طويل الباع املس شيظمي — اغر كان غرته ضياء
اقب الكشح أروع ذي فضول — له المجد المقدم والشناء
ابي الضيم ابلج هبرزي — قديم المجد ليس به خفاء
ومعقل مالك وربيع فهر — وفاصلها اذا التمس القضاء
وكان هو الفتى كرما وجوداً — وباسا حين تنسكب الدماء
إذا هاب الكماة الموت حتى — كان قلوب اكثرهم هواء
مضى قدما بذي ربد خشيب — عليه حين تبصره البهاء

ترجمہ:

میری آنکھ ایک سرتاپا سخاوت اور حیا شعار پر روتی ہے اور اس آنکھ کے لیے رونا ہی سزاوار ہے۔
نرم خو بطحہ کے رہنے والے بزرگانہ سیرت والے پر جس کی نیت عروج حاصل کرنے کی تھی۔
بلند رتبوں والے فیاض شیبہ پر جو تیرا بہترین باپ تھا جس کا کوئی ہمسر نہیں۔
کشادہ اور نرم ہاتھ والے بھاری بھرکم سفید پیشانی والے پر جس کی سفیدی ایسی تھی گویا ایک روشنی ہے۔
پتلی کمر والے عجیب حسن و شجاعت والے بہت سی فضیلتوں والے پر جو قدیم سے عزت و بزرگی اور مدح و ثنا کا مالک ہے۔

ظلم کی برداشت نہ کرنے والے روشن چہرے والے پر جس کے چہرے سے شرافت اور جمال ظاہر ہوتا تھا۔ جس کی بزرگی اور شرف قدیم ہے جس میں قسم کی پوشیدگی نہیں۔
جو بنی مالک کے لیے پناہ کی جگہ اور بنی فہر کے لیے بہار کی بارش اور جب جھگڑوں کے فیصلے کے لیے تلاش ہوتی تو وہی ان میں فیصلہ کرنے والا ہوتا تھا۔
جو دوسخا میں وہ ایک جواں مرد تھا اور دبدبے میں بھی وہی یکتا تھا جبکہ خون بہتے تھے۔
اور جب کہ زرہ پوش بہادر موت سے یہاں تک ڈرتے کہ ان میں کے اکثروں کے دلوں کا یہ حال ہوتا کہ گویا وہ ہوا ہیں۔
قدیم سے اس کا یہ حال رہا ہے کہ جب تو اسے جوہر والی صیقل کی ہوئی (تلوار) کے ساتھ دیکھتا تو اس پر رونق نظر آتی تھی۔
جب سب کی زبان بند ہو گئی تو عبدالمطلب نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں مجھ پر ایسے ہی بین کرنا۔

ازواج و اولاد

نمبر شمار	ازواج	پسران	دختران
1	صفیہ بنت جیندب	حارث	
2	فاطمہ بنت عمرو	زبیر، ابوطالب (عبد مناف) عبدالکعبہ، عبداللہ	ام حکیم بیضاء، امیمہ، اروی، برہ، عاتکہ
3	لبنی بنت ہاجرہ (از بطن خزاعہ)	ابو لہب (عبدالعزی)	
4	ہالہ بنت وہیب	مقوم، حجل (مغیرہ)، حمزہ	صفیہ
5	نتیلہ بنت جناب	ضرار، قثم، عباس	
6	ممنعہ بنت عمرو	غیداق (مصعب)	
میزان	ازواج 6	پسران 12	دختران 6

کلبی کہتے ہیں کہ تمام عرب میں فرزندان عبدالمطلبؓ کی طرح کسی ایک باپ کی اولاد بھی نہ تھی اور نہ کوئی ایسا تھا جو ان سے زیادہ شریف و جسیم و بلند بینی و روشن پیشانی ہو۔
فرہ بن حجل بن عبدالمطلب اپنے چچاؤں کے متعلق لکھتے ہیں:

اعدد ضراراً عددت فتی نداً | واللیث حمزۃ واعدد العباسا
وعد زبیراً والمقوم بعدہ | والصتم حجلا والفتی الراسا
والقرم عیدناً نعد حجاجا | سادوا علی رغم العدو الناسا
والحارث الفیاض ولی ماجدا | ایام نازعہ الھمام الکاسا
ما فی الانام عمومۃ کعمومتی | خیراً ولا کاناسنا اناسا

ترجمہ:

اگر کسی فیاض نوجوان کا شمار کرنا ہے تو ضرار کو شمار کر، شیر مرد حمزہ کو شمار کر اور عباس کو شمار کر۔
زبیر کو اور اس کے بعد مقوم کو حجل کو شمار کر جو نوجوان سردار ہے۔
بہادر غیداق کو شمار کر کہ یہ سب عظمائے قوم ہیں اور برر غم دشمن ان کو سب کی سرداری حاصل ہو چکی ہے۔
فیاض حارث کو شمار کر جو ایسا بہادر تھا کہ جام مرگ پینے کے دنوں میں اس نے دنیا سے مجد و شرف کے ساتھ منہ موڑا۔
جیسے چچا میرے ہیں تمام مخلوق میں ویسے اچھے چچا کسی کے نہیں اور نہ جیسے لوگ ہم میں ہیں ویسے کسی خاندان میں ہیں۔
فرزندان عبد المطلب میں عباس، ابو طالب، ابو لہب اور حارث کی اولاد چلی اگرچہ حمزہ، مقوم، زبیر اور حجل کی صلبی اولاد ہوئی تھی لیکن سب کا خاتمہ ہو گیا باقی جتنے تھے سب لاولد رہے۔ بنو ہاشم میں کثرت اولاد پہلے حارث بن عبد المطلب کی اولاد میں رہی پھر ابو طالب کی اولاد میں منتقل ہو گئی لیکن آخر میں یہ کثرت عباس بن عبد المطلب کی اولاد میں منتقل ہو گئی۔

سیرت

خضاب لگانا

ہشام بن حمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان سے مدینہ کے ایک شخص جعفر بن عبد الرحمٰن بن المسور بن مخرمہ نے روایت کی جو اپنے والد (عبد الرحمٰن بن المسور) سے راوی تھے۔ ان دونوں راویوں کا بیان یہ ہے جس قریشی نے پہلے پہل وسمہ سے خطاب کیا وہ عبد المطلبؓ بن ہاشم تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ عبد المطلب جب یمن جاتے تو ایک حمیری سردار کے گھر اترتے عبد المطلب سے اس نے کہا: اگر تو ان سفید بالوں کا رنگ بدل دے تو پھر جوان نظر آئے۔ عبد المطلب نے اجازت دی تو اس حکم سے

پہلی مہندی کا خضاب لگایا گیا۔ پھر اس پر وسمہ چڑھایا گیا۔ عبدالمطلب نے کہا: ہمیں اس میں بطور زاد سفر کے تھوڑا خضاب دے دینا۔ میزبان نے بہت سا خضاب ان کے ساتھ کر دیا۔ شب میں وہ مکے پہنچے اور دن میں باہر نکلا تو ان کے بال ایسے نظر آئے جیسے کوے کے سیاہ پر ہوں۔ نتیلہ بنت جناب بن کلیب نے جو عباس بن عبدالمطلب کی ماں تھیں یہ دیکھ کے کہا: شیبتہ الحمد! یہ اگر ہمیشہ رہ جائے تو خوبصورتی ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا:

ولو دام لی هذا السواد حمدته — فکان بدیلا من شباب قد انصرم

تمتعت منه والحیاة قصیرة — ولا بد من موت نتیلة او هوم

وما ذا الذی یجد علی المر حفظه — ونعمة یوما اذا عرشه انهدم

فموت جهیز عاجل لا شوی له — احب الی من مقالهم حکم

ترجمہ:

سیاہی اگر میرے لیے ہمیشہ رہتی تو میں اس کی تعریف کرتا اور اس صورت میں یہ اس جوانی کا بدلہ ہوتی جو ختم ہو چکی ہے۔
میں نے اس سے فائدہ تو اٹھایا مگر زندگی تھوڑی ہے اور اے نتیلہ! آخر کار مرنا یا بوڑھا ہونا ضروری ہے۔
انسان کو اس کی فراخی و نعمت بھلا کیا نفع پہنچا سکتی ہے جبکہ ایک دن اس کے تخت کو منہدم ہونا ہی ہے۔
ان حالات میں لوگوں کی دانش آرائی سے زیادہ محبوب میرے نزدیک وہ موت ہے جو آراستہ ہو، جلد آئے اور اس میں کسی قسم کی آسانی و سفلگی نہ ہو۔
ہی واقعہ تھا جس کے بعد اہل مکہ سیاہ خضاب کرنے لگے۔

غار حرا (جبل نور) میں عبادت کی ابتدا

اسی طرح جناب عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جنہوں نے جبل نور (غار حراء) میں جا کر عبادت کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو آپ عموماً کوہ حراء پر چلے جاتے اور پورا مہینہ یا کم و بیش دن وہاں گزارتے تھے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی غالباً اس مقام پر عبادت کرنے کا طریقہ اپنے دادا سے سیکھا تھا۔

حجاج کرام کی خدمت و تواضع

جناب عبد المطلبؓ کے عظیم الشان کارناموں میں یہ کارنامہ بھی شامل ہے کہ آل نے 'حجاج کرام کی خدمت اور زائرین مکہ کی مہمان نوازی کے والے عظیم روایات قائم کیں۔ مورخین کے مطابق آل اپنے بزرگوں کی طرح بہت دل جمعی سے حاجیوں اور زائرین کی خدمت و تواضع کرتے تھے۔اسی بناپر انہیں لوگ ''فیاض'' اور مطعم (کھانا کھلانے والا) کہتے تھے۔بقول ابن اسحاق آپ زمزم کی دریافت سے قبل مکہ مکرمہ کے کنووں سے اور زمزم کی دریافت کے بعد چاہ زمزم سے منیٰ اور عرفات میں چمڑے کے بڑے بڑے مشکیزوں میں پانی جمع کرکے حجاج کرام کو پلاتے تھے۔

احادیث میں ذکر

ایک دفعہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو عبد المطلبؓ کی وفات یاد ہے؟
آپ نے فرمایاہاں اس وقت میں آٹھ سال کا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے دادا عبد المطلبؓ کو بادشاہوں اور معزز لوگوں کی پوشاک میں اٹھایا جائے گا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جب میں دروازہ جنت کی زنجیر ہاتھوں میں لوں گا تو اس وقت اولاد عبد المطلب پر کسی اور کو ترجیح دوں گا؟
(ابن نجار بحوالہ ارادۃالادب ص 24)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ قریش میں سے کچھ لوگ میری پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب کی خدمت میں آئے اور انہوں نے اپنے حسب و نسب پر تفاخر کیا۔
حضرت صفیہؓ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا نسب سب لوگوں سے اعلیٰ کیسے ہو سکتا ہے۔حالانکہ ہم میں اللہ تعالی کے محبوب ہیں یعنی نبی کریم ﷺ کا مبارک نسب ہی سب سے اعلیٰ ہو سکتا ہے نہ کہ تمہارا۔اس پر وہ تمام لوگ غصے میں آگئے اور کہنے لگے کہ حضور کا نسب تو ایسے ہے جیسے کوئی کھجور کا پورا کسی کوڑے کرکٹ سے اگ آئے۔(نعوذ باللہ من ذلک) حضرت صفیہ نے یہ تمام واقعہ حضور ﷺ سے عرض کیا تو رسالت مآب ﷺ سخت ناراض ہوئے اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ تمام لوگوں کو جمع کرو۔ اس کے بعد آپ نے اپنے مقدس منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا: اے لوگو میں کون ہوں؟ انہوں نے

عرض کیا آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: میرا نسب بیان کرو۔ انہوں نے نسب بیان کرتے ہوئے کہا آپ حضرت عبداللہؓ کے بیٹے ہیں اور حضرت عبدالمطلبؓ کے پوتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہوگا جو میرے نسب کو کم تصور کرتی ہے انہیں علم ہونا چاہیے کہ میں نسب کے لحاظ سے ان سے افضل ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر ارشاد فرمایا میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلبؓ کا بیٹا ہوں۔

حوالہ جات:

خاندان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم
خاندان نبوت کا تعارف تالیف الشیخ محمد عظیم حاصلپوری
سیرت انسائیکلوپیڈیا تصنیف و تالیف حافظ محمد ابراہیم طاہر گیلانی، حافظ عبداللہ ناصر مدنی اور حافظ محمد عثمان یوسف جلد دوم
طبقات ابن سعد مصنف محمد بن سعد اردو ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی جلد اول
معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ جلد مصنف ملا معین واعظ الہروی مترجمین علامہ اقبال احمد فاروقی، حکیم اصغر احمد فاروقی جلد اول
طبقات ابن سعد مصنف محمد بن سعد اردو ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی جلد اول ص
ومآارسلناک إلارحمۃ للعالمین تالیف قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری حصہ دوم
معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ جلد مصنف ملا معین واعظ الہروی مترجمین علامہ اقبال احمد فاروقی، حکیم اصغر احمد فاروقی جلد اول
شواہد نبوۃ مولف نور الدین عبدالرحمان جامی متراجم بشیر حسین
سیرۃ حلبیہ مولف علامہ علی ابن برہان الدین حلبی اردو مترجم محمد اسلم قاسمی جلد اول حصہ نصف اول
سیرت انسائیکلوپیڈیا تصنیف و تالیف حافظ محمد ابراہیم طاہر گیلانی، حافظ عبداللہ ناصر مدنی اور حافظ محمد عثمان یوسف جلد دوم
ومآارسلناک إلارحمۃ للعالمین تالیف قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری حصہ دوم

طبقات ابن سعد مصنف محمد بن سعد اردو ترجمہ علامہ عبداللہ العمادی جلد اول
سیرۃ حلبیہ مولف علامہ علی ابن برہان الدین حلبی اردو مترجم محمد اسلم قاسمی جلد اول حصہ نصف اول
ضیاء النبی ﷺ مولف پیر محمد کرم شاہ الازہری جلد دوم
سیرۃ حلبیہ مولف علامہ علی ابن برہان الدین حلبی اردو مترجم محمد اسلم قاسمی جلد اول حصہ نصف اول

نسب شریف

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ ترمذی سے بروایت حضرت عباس مروی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میں محمد ﷺ ہوں عبد اللہؓ کا بیٹا اور عبد المطلبؓ کا پوتا، اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے اچھے گروہ میں بنایا یعنی انسان بنایا۔ انسان میں دو فرقے پیدا کئے۔ عرب اور عجم مجھے اچھے فرقے یعنی عرب میں بنایا پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے قبیلے میں پیدا کیا یعنی قریش میں پھر قریش میں کئی خاندان بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے خاندان میں پیدا کیا یعنی بنی ہاشم میں۔ پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندان میں بھی سب سے اچھا ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں اور سفاح یعنی بدکاری سے پیدا نہیں ہوا ہوں آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک سفاح یعنی جاہلیت کا کوئی مورث مجھ کو نہیں پہنچا یعنی زمانہ جاہلیت میں جو بے احتیاطی ہوا کرتی تھی میرے آباؤامہات سب اس سے منزہ رہے، پس میرے نسب میں اس کا کوئی میل نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو طبرانی، ابو نعیم اور ابن عساکر نے اوسط میں (مواہب اللدنیہ)

عمر مبارک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا، آپ کی عمر کتنے سال ہے؟ عرض کیا، حضور! اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا کہ چوتھے حجاب عظمت میں ہر ستر ہزار برس کے بعد ایک ستارہ طلوع ہوتا تھا جسے میں نے اپنی عمر میں ستر ہزار مرتبہ دیکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے جبرائیل! میرے رب کی عزت وجلال کی قسم! وہ ستارہ میں ہوں۔ (انسان العیون جلد ۱ صفحہ ۲۹، روح البیان جلد ۳ صفحہ ۵۴۳)

ولادتِ محمدی ﷺ

بیانِ سابق میں یہ بات آچکی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور پاک آدم علیہ السلام کی پشت میں رکھا گیا جو ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ نورِ مبین اصلاب طاہرہ اور ارحام طیبہ میں منتقل ہوتا رہا۔ جیسا کہ ابو نعیم کی روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے تمام آباؤاجداد سفاح سے پاک ہیں۔ یعنی میرے والدین ماجدین سے لے کر آدم و حوا علیہم السلام تک کوئی مرد یا عورت ایسا نہیں ہوا جس نے معاذاللہ کسی قسم کی فحاشی یا بے حیائی کا کام کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہمیشہ اصلابِ طیبہ سے ارحام مطہرہ کی طرف منتقل فرمایا۔ (مواہب اللدنیہ جلد ۱)

مشکوٰۃ شریف میں حضرت واثلہ بن الاسقع سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا سرکار ارشاد فرمارہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو۔ بعض دیگر روایات میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا صفی اور برگزیدہ بنا کر ان کی اولاد میں سے حضرت نوح علیہ السلام کو چن لیا اور نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ فرمالیا۔ الخ۔ (مشکوٰۃ، ص: ۵۱۱)

دلائل النبوۃ میں ابو نعیم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت لاتے ہیں۔ ام المؤمنین رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتی ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت جبرائیل علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں تمام مشارق و مغارب میں پھرا میں نے حضرت محمد ﷺ جیسا فضیلت والا کوئی نہ پایا، نہ خاندانِ بنی ہاشم کی طرح کوئی خاندان افضل دیکھا۔ (انسان العیون جلد ۱ ص ۲۶)

مواہب اللدنیہ میں امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ اصحاب فیل کا بادشاہ ابرہہ معاذاللہ خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے مکہ معظّمہ پر چڑھائی کرنے آیا تو حضرت عبدالمطلب قریش کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر جبل ثبیر پر چڑھ گئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کا نورِ مبارک جناب عبدالمطلب کی پیشانی میں بشکل ہلال نمودار ہو کر اس قدر قوت سے چمکا کہ اس کی شعاعیں خانہ کعبہ پر پڑیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنی پیشانی کے نور کو خانہ کعبہ پر چمکتا ہوا دیکھ کر قریش سے فرمایا کہ واپس چلو۔ میری پیشانی کا نور جو اس طرح چمکا ہے، یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ہم لوگ غالب رہیں گے۔ (مواہب اللدنیہ، جلد ۱ صفحہ ۱۵)

حضرت عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ کے لشکر والے پکڑ کر لے گئے تھے۔ انہیں چھڑانے کے لئے جناب عبدالمطلب ابرہہ کے پاس گئے۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی عظمت و ہیبت نور کی وجہ سے ابرہہ ازراہِ تعظیم فوراً تخت سے نیچے اترا پھر جناب عبدالمطلب کو اپنے

برابر بٹھالیا۔ (مواہب اللدنیہ جلد ۱، تاریخ حبیب الٰہ)

ابرہہ نے لشکر کی خبر دینے کے لئے اپنی قوم کا ایک آدمی بھیجا۔ جب وہ مکہ معظّمہ میں داخل ہوا اور اس نے جناب عبد المطلب کے چہرہ کو دیکھا تو فوراً جھک گیا اور اس کی زبان لرزنے لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، جس طرح بیل ذبح ہوتے وقت خراٹے مارنے لگتا ہے۔ جب ہوش میں آیا تو عبد المطلب کے سامنے سجدہ کرتا ہوا گر پڑا اور کہنے لگا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً سید قریش ہیں۔ (مواہب اللدنیہ جلد اول، صفحہ ۱۵)

یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں ہو کہ یہ سارا تذکرہ جو نبی دو عالم ﷺ اور ان کے اجداد کا کیا کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے

حضور مری تو ساری بہار آپ سے ہے
میں بے قرار تھا میرا اقرار آپ سے ہے

میری تو ہستی ہی کیا ہے میرے غریب نواز
جو مل رہا ہے مجھے سارا پیار آپ سے ہے

کہاں وہ ارضِ مدینہ کہاں میری ہستی
یہ حاضری کا سبب بار بار آپ سے ہے

سیاہ کار ہوں آقا بڑی ندامت ہے
قسم خدا کی یہ میرا وقار آپ سے ہے

محبتوں کا صلہ کون ایسے دیتا ہے
سنہری جالیوں میں یارِ غار آپ سے ہے

حضور آپ کی یادوں میں اشکِ رحمت ہے
یہ میری آنکھ ضیاء اشک بار آپ سے ہے

(رفیق ضیاؔ قادری)

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

شجرہ سیدنا عبد المطلبؓ

کلبی کہتے ہیں کہ تمام عرب میں فرزندان عبد المطلب کی طرح کسی ایک باپ کی اولاد بھی نہ تھی اور نہ کوئی ایسا تھا جو ان سے زیادہ شریف و جسیم و بلند بینی و روشن پیشانی ہو۔
فرہ بن حجل بن عبد المطلب اپنے چچاؤں کے متعلق لکھتے ہیں:

اعدد ضرارا أعددت فتی ندا	واللیث حمزہ واعدد العباسا
وعد زبیرا والمقوم بعدہ	والصتم حجلا والفتی الراسا

والقرم عیدناًنعد جاجا	سادوا علی رغم العدو الناسا
والحارث الفیاض ولی ماجدا	ایام نازعه الهمام الکاسا
مافی الانام عمومة کعمومتی	خیراً ولا کاناسنا اناسا

ترجمہ:

اگر کسی فیاض نوجوان کا شمار کرنا ہے تو ضرار کو شمار کر، شیر مرد حمزہ کو شمار کر اور عباس کو شمار کر۔
زبیر کو اور اس کے بعد مقوم کو حجل کو شمار کر جو نوجوان سردار ہے۔
بہادر غیداق کو شمار کر کہ یہ سب عظمائے قوم ہیں اور بر رغم دشمن ان کو سب کی سرداری حاصل ہو چکی ہے۔
فیاض حارث کو شمار کر جو ایسا بہادر تھا کہ جام مرگ پینے کے دنوں میں اس نے دنیا سے مجد و شرف کے ساتھ منہ موڑا۔
جیسے چچا میرے ہیں تمام مخلوق میں ویسے اچھے چچا کسی کے نہیں اور نہ جیسے لوگ ہم میں ہیں ویسے کسی خاندان میں ہیں۔
فرزندان عبد المطلب میں عباس، ابو طالب، ابو لہب اور حارث کی اولاد چلی اگرچہ حمزہ، مقوم، زبیر اور حجل کی صلبی اولاد ہوئی تھی لیکن سب کا خاتمہ ہو گیا باقی جتنے تھے سب لاولد رہے۔ بنو ہاشم میں کثرت اولاد پہلے حارث بن عبد المطلب کی اولاد میں رہی پھر ابو طالب کی اولاد میں منتقل ہو گئی لیکن آخر میں یہ کثرت عباس بن عبد المطلب کی اولاد میں منتقل ہو گئی۔ (طبقات ابن سعد مصنف محمد بن سعد اردو ترجمہ علامہ عبد اللہ العمادی جلد اول صفحہ 112 تا 114)

سیدنا حضرت عبد اللہؓ اور جناب ابو طالب اور زبیر کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو ہے۔ اور ان کی ہمشیر گان ام حکیم بیضاء، امیمہ، اروی، برہ، عاتکہ ہیں۔

البیضاء ام حکیم یہ رسول اللہ ﷺ کے والد عبد اللہ کی سگی بہن تھیں ان کی والدہ فاطمہ بنت عمرو تھیں جبکہ یہ عثمان ذو النورین کی والدہ ام اروی کی والدہ تھیں[1] یہ کریز بن ربیعۃ بن حبیب بن عبد شمس کے نکاح میں تھیں[2] ان کے بیٹے کا نام عامر تھا جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا ان کے بیٹے عبد اللہ بن عامر صحابی تھے جسے عثمان غنی نے خراسان کا گورنر بنایا (رحمۃ اللعالمین، جلد دوم صفحہ 348 قاضی سلیمان منصور پوری، مرکز الحرمین الاسلامی فیصل آباد، 2007ء)

امیمہ بنت عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھوپھی، ام المؤمنین زینب بنت جحش کی والدہ اور جحش بن رباب کی زوجہ تھیں۔
ام المؤمنین زینب بنت جحشؓ، ام حبیبہ اور حمنہ بیٹیاں تھیں جبکہ عبد اللہ اور عبید اللہ بیٹے تھے۔ (رحمۃ اللعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، جلد دوم، صفحہ 347 مرکز الحرمین اسلامی)

أروی بنت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشیہ الھاشمیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ عمیر بن وہب بن عبد بن قصی کی زوجہ تھیں جن سے طلیب بن عمیر پیدا ہوئے اس کے بعد کلدہ بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی سے نکاح ہوا۔ اروی بنت عبد المطلب کے اسلام کے بارے اختلاف ہے، ابن عبد البر اور العقیلی نے صحابہ میں ذکر کیا ابن سعد نے ان کے اسلام اور مدینہ ہجرت کا ذکر بھی کیا۔[1] انکا نکاح عمیر بن قصي بن کلاب سے ہوا[2] رسول اللہ کے والد عبد اللہ کی حقیقی بہن تھیں ان کے بیٹے طلیب بن عمیر اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبد المطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی مدد کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا، اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتیں اور آپ کی طرف سے لڑتیں۔[3] طلیب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی ماں اروی بنت عبد المطلب کے پاس آئے اور اسلام کی دعوت پیش کرتے ہوئے کہنے لگے، ماں! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر لی ہے، اب

تمھیں اسلام قبول کرنے اور آپ اکی اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ جبکہ تمھارے بھائی سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ ان کی ماں نے جواب دیا، میں اس انتظار میں ہوں کہ میری بہنیں کیا کرتی ہیں؟ پھر میں بھی ویسا ہی کروں گی۔ طلیب رضی اللہ تعالی عنہ نے پھر عرض کی، ماں! میں تمھیں خدا عزوجل کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم ضرور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو، انھیں سلام کرو، ان کی تصدیق کرو اور اس بات کی گواہی دو کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں (یعنی مسلمان ہو جاؤ)۔ بیٹے کی فریاد سن کر ماں کا دل پسیج گیا اور انھوں نے کہا، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ا اس کے رسول ہیں۔ اور مسلمان ہو گئیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، کتاب النساء، ج4، ص343)

برہ بنت عبد المطلب آنحضرت کی حقیقی پھوپھی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام فاطمۃ بنت عمرو تھا ان کا نکاح عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ قرشی سے ہوا تھا۔ ابو سلمہ عبد اللہ انہی کے فرزند تھے جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر تھے۔ (السیرۃ النبویہ وأخبار الخلفاء، مؤلف: ابو حاتم، الدارمی، البُستی، ناشر: الکتب الثقافیہ بیروت)

عاتکہ بنت عبد المطلب ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھا ان کے اسلام لانے میں اختلاف ہے زیادہ قریب روایات اسلام نہ لانے کی ہیں۔ (الأغصان الندیہ شرح الخلاصۃ البھیہ، مؤلف: ابو اسماء محمد بن طہ، ناشر: دار ابن حزم للطباعۃ والنشر والتوزیع، القاھرہ - دار سبل السلام) انکا نکاح أبي أمية بن المغيرة المخزومي سے ہوا۔ (السیرۃ النبویہ وأخبار الخلفاء، مؤلف: ابو حاتم، الدارمی، البُستی، ناشر: الکتب الثقافیہ بیروت)، انھوں نے غزوہ بدر سے چند دن پہلے خواب دیکھا تھا، جب کافروں نے یہ خواب سنا تو خوب مذاق اڑایا کہ اب تو بنی ہاشم کی عورتیں بھی نبوت کرنے لگیں، لیکن نتیجہ وہی نکلا جو خواب میں دکھایا گیا تھا، خواب تھا کہ ایک سوار ہے جس نے کوہ "ابو قبیس" سے ایک پتھر اٹھایا اور رکن کعبہ پر کھینچ مارا ہے وہ پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا اور ہر ریزہ قریش کے تمام گھروں میں جا گرا البتہ بنو زہرہ بچے رہے۔ (رحمۃ اللعالمین، جلد دوم صفحہ 348 قاضی سلیمان منصور پوری، مرکز الحرمین الاسلامی فیصل آباد، 2007ء)

عبد مَناف بُن عَبۡدُ المُطلب بن ہاشم،

(ابو طالب)

ابوطالب کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا ایک اسمِ گرامی عمران بھی تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے، حضرت علیؑ کے والد، پیغمبر اسلامؐ کے چچا اور مکہ میں قبیلہ بنی ہاشم کے سردار تھے۔ کچھ عرصے کے لیے آپ سقایۃ الحاج کے عہدے پر فائز رہے اور اپنے والد عبد المطلب کی وفات کے بعد حضرت محمد ﷺ کی سرپرستی قبول کی اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے نبوت کے اعلان کے بعد ان کی مکمل حمایت کی۔ اور جب تک زندہ رہے مشرکین اور کفار کو جرات نہ ہوئی کہ حضرت رسول خدا ﷺ پہ کسی قسم کی سختی کر سکیں۔ آپ کے القاب میں سید العرب، شیخ بطحا اور مومنِ قریش زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کے والد کا نام عبد المطلب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبد اللہ بن عبد المطلب کے واحد سگے بھائی تھے چونکہ دیگر کی والدہ مختلف تھیں۔

ایمانِ ابوطالب پہ مسالکِ اسلام میں اختلاف ہے۔ اہلسنت حنفی بریلوی اور اہل التشیع ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں جبکہ اہلسنت

حنفی دیوبندی اور اہل الحدیث ایمانِ ابوطالب سمیت حضور صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین اور دادا کے ایمان کے بھی منکر ہیں۔

نگہبانِ رسالت جنابِ ابوطالب، بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل دین ابراہیم علیہ السلام پر تھے، کتبِ تاریخ و حدیث میں ان کی بت پرستی کی ایک روایت بھی نہیں ملتی۔ آپ کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا، آپ کے صاحبزادے سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کم عمری میں اسلام قبول کیا مگر جنابِ ابوطالب نے نہ انکو روکا اور نہ احکامِ اسلام کی بجاآوری پر ان کو کوئی تکلیف دی۔ سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات اور خصائل و شمائل پر جنابِ ابوطالب کے اشعار ان کے ایمان پر سند ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمومی اعلان کے بعد بھی جنابِ ابوطالب کے دستر خوان پر کھانا کھاتے حالانکہ اعلانیہ تبلیغ کے بعد آپ نے کسی مشرک و کافر کے ساتھ کھانا تناول نہیں فرمایا۔ جنابِ ابوطالب نے دشمنان اسلام کے خلاف ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی یہاں تک کہ شعبِ ابی طالب کے ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بدل بدل کر اپنے بیٹوں کو سلاتے تا کہ قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا سکیں، یہ بھتیجے کی محبت کے علاوہ اسلام سے بھی محبت کا ثبوت ہے کیونکہ بھتیجے کی محبت بیٹوں سے فوقیت نہیں رکھتی۔

جو شخص بھی تعصب کو ایک طرف رکھ کر غیر جانبداری کے ساتھ جنابِ ابوطالب کی حیات، رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آپ کی عظیم قربانیوں اور تحفظِ اسلام کے لیے آپ کے اخلاص، جاں نثاری اور فداکاری کا مطالعہ کرے، وہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ یہ سیرت، یہ قربانیاں اور یہ جذبات کسی غیر مؤمن کے نہیں ہو سکتے۔

شجرہ جناب ابو طالب

زوجہ

حضرت ابو طالب (ع) کی زوجہ جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں اور پہلی ہاشمی خاتون تھیں جو ایک ہاشمی مرد کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں اور صاحب اولاد ہوئیں حضرت علی (ع) سمیت، ابو طالب (ع) کے تمام فرزندوں کی ماں فاطمہ بنت اسد ہیں۔ چنانچہ حضرت علی (ص) اور ان کے برادران پہلے ہاشمی ہیں جن کے والدین دونوں ہاشمی ہیں۔

طالب ابن ابی طالب ابو طالب کے بڑے بیٹے تھے۔ حضرت ابو طالب کو انہی کی وجہ سے ابو طالب کہا جاتا ہے۔

قریش جحفہ سے روانہ ہوئے طالب بن ابو طالب کا بعض قریشیوں کا تکرار ہوا انھوں نے کہا واللہ اے بنو ہاشم ہم خوب جانتے ہیں اگرچہ تم ہمارے ساتھ ہو مگر تمھاری

تمنائیں محمد ﷺ کے ساتھ ہیں یہ سن کر طالب اپنے رفقاء کے ساتھ واپس ہو گیا اور کہا

لا هُمَّ إِمَّا يغزوَنَّ طَالِبٌ
فِي عُصْبَةٍ محالفٍ مُحَارِبٌ
فِي مِقْنَبٍ مِنْ هَذِهِ الْمَقَانِبِ
فَلْيَكُنِ الْمَسْلُوبُ غَيْرَ السَّالِبِ
وَلِيَكُنِ الْمَغْلُوبُ غَيْرَ الْغَالِبِ

یا اللہ اگر طالب کسی حلیف یا حریف میں جنگ کرے ان فوجی دستوں میں سے کسی دستے میں تو وہ زرہ اتارنے والا قاتل نہ ہو بلکہ مقتول ہو وہ غالب نہ ہو بلکہ مغلوب ہو

(تاریخ ابن کثیر جلد 2 - صفحہ 289 - ناشر : دار الاشاعت اردو بازار کراچی پاکستان)

علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ نے زبردستی طالب کو جنگ کے لیے گھسیٹا جبکہ وہ جانا نہیں چاہتے تھے۔۔(تاریخ خمیس از علامہ دیار بکری)
علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ کفارِ قریش نے طالب کو زبردستی جنگ کے میدان کی طرف لے جانے کی کوشش کی لیکن وہ دوران میں سفر غائب ہو گئے پھر ان کی کوئی خبر نہ ملی مگر ان کے اس موقع پر اشعار مسعودی نے نقل کیے ہیں جن کا ترجمہ ہے: اے پروردگار یہ لوگ زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ تو ان کو شکست دے اور اس درجہ کمزور کر دے کہ یہ خود لوٹے جائیں اور کسی کو لوٹ نہ سکیں۔ (مروج الذہب از علامہ مسعودی بر حاشیہ کامل ابن اثیر جلد 5 صفحہ 176)

جعفر ابن ابی طالب جعفر طیار کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ آغاز اسلام کی نمایاں شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں نے حبشہ کو ہجرت کی تو آپ مہاجرین کے قائد تھے۔ شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں آپ کی تقریر ادب کا شہ پارہ اور اسلام کا خلاصہ تصور کی جاتی ہے۔ جنگ موتہ میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے۔ اسی جنگ میں شہادت پائی اور نبی اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طیار "تیز اڑنے والا، جنت کی طرف" کا لقب مرحمت فرمایا۔

اسلام

آنحضرت ﷺ ایک روز حضرت علیؑ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہ صمدیت میں سر بسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا، جعفرؓ تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ، حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت ﷺ کے زید بن ارقمؓ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لیے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے، اس وقت تک اکتیس بتیس (31-32) آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

ہجرت حبشہ

شرکین مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے؛ لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمروئے حکومت میں چلے آئے ہیں، انھوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا، ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں، درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی،

نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ وہ کون سا نیا مذہب ہے جس کے لیے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟

حضرت جعفرؓ کی دربارِ حبش میں اسلام پر تقریر

مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنی طرف سے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا، انھوں نے اس طرح تقریر کی

بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، طاقتور کمزوروں کو کھا جاتا تھا، غرض! ہم اسی بدبختی میں تھے کہ خدا نے خود ہی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایہ اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ دیں، ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم پر چلے ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑا، صرف ایک خدا کی پرستش کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو پھر بت پرستی اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا، یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے۔

نجاشی نے کہا تمھارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی، اس کو کہیں سے پڑھ کر سناؤ، حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی اس نے کہا خدا کی قسم! یہ اور تورات ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا واللہ! میں ان کو کبھی واپس جانے نہ دوں گا۔

سفرائے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار میں باریاب ہو کر عرض کیا حضور! آپ کچھ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے، نجاشی نے جواب دینے کے لیے مسلمانوں کو بلایا، ان لوگوں کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دیں حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے، غرض دربار میں پہنچا تو نجاشی نے پوچھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تمھارا کیا اعتقاد ہے؟" حضرت جعفرؓ نے کہا واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسی بن مریم اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں، یہ سن کر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے، نہایت برہم ہوئے، نتھنوں سے خرخراہٹ کی آوازیں آنے لگیں، لیکن نجاشی نے کچھ پروانہ کی اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی۔

حبش سے مدینہ

حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے، 7ھ میں وہ حبش سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے کہ مسلمانوں کو اپنے دور افتادہ بھائیوں کہ واپسی کی دوہری خوشی حاصل ہوئی، حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا، میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔[4] حضرت جعفرؓ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ ان کے امتحان کا وقت آ گیا۔

غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ 8ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی، آنحضرت ﷺ نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہؓ کو عطا کر کے فرمایا کہ "اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ اور اگر جعفرؓ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہؓ، اس جماعت کے امیر ہوں گے۔[5] چونکہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ شرفِ امارت ان ہی کو حاصل ہوگا، اس لیے انھوں نے کھڑے ہو کر عرض کیا" یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثہؓ کو مجھ پر امیر

بنائیں گے، ارشاد ہوا اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتری کس میں ہے،[6] آنحضرت ﷺ اس غزوہ کے انجام و نتیجہ سے آگاہ تھے، اس لیے فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفر علم سنبھالیں، اگر وہ بھی شہید ہوں تو عبد للہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں۔[7]

شہادت

موتہ پہنچ کر معرکہ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیان دین کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ ٹڈی دل لشکر تھا، امیر فوج حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ گھوڑے سے کود پڑے اور علم کو سنبھال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیغ و تبر، تیر وسنان کی بارش ہو رہی تھی یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا، دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرے شہید ہوئے مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگوں ہونے نہ دیا،[8] بالآخر شہید ہو کر گرے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے اور ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہ نے علم ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کو بچالائے۔[9]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کی لاش کو تلاش کرکے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف بچاس زخم تھے، تمام بدن کے زخموں کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا،[10] لیکن ان میں سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔[11]

رسول اللہ ﷺ کا حزن وملال

میدانِ جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا، خدا کے حکم سے آنحضرت ﷺ کے سامنے تھے، چنانچہ آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ نے حضرت جعفرؓ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرما دیا، اس وقت آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور روئے انور پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔[12] حضرت جعفرؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی تھی، اور لڑکوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا جعفرؓ کے بچوں کو لاؤ، میں نے ان کو حاضر خدمت کیا، تو آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر ان کو پیار فرمایا، میں نے کہا میرے ماں باپ فدا ہوں، حضور آبدیدہ کیوں ہیں کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے، فرمایا ہاں! شہید ہو گئے، یہ سن کر میں چیخنے چلانے لگی، محلّہ کی عورتیں میرے ارد گرد جمع ہو گئیں، آنحضرت ﷺ واپس تشریف لے گئے، اور ازواج مطہراتؓ سے فرمایا کہ آلِ جعفرؓ کا خیال رکھنا، آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔[13] سیدہ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کو بھی اپنے عم محترم کی مفارقت کا شاید غم تھا، شہادت کی خبر سن کر بادیدہ تر واعماہ! واعماہ! کہتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، بے شک! جعفرؓ جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیے، آپ ﷺ کو عرصہ تک شدید غم رہا، یہاں تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ "خدا نے جعفرؓ کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلہ میں دو نئے بازو عنایت کیے ہیں، جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروفِ پرواز رہتے ہیں۔[14]

فضائل و محاسن

حضرت جعفرؓ کشادہ دست و فیاض تھے، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ ان کو ابوالمساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکروں سے دبائے رکھتا تھا اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگوں سے پوچھتا پھرتا کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لے جائے اور کچھ کھلائے، لیکن میں نے جعفرؓ کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگوں (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لے جاتے تھے، اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لاکر رکھ دیتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خال مشکیزہ تک لادیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھ دیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے۔[15]

حضرت جعفرؓ کے فضائل و مناقب کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ " جعفرؓ ! تم میری صورت و سیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو،[16] آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہیں ان کو صرف سات رفیق دیے گئے تھے، لیکن میرے رفقائے خاص کی تعداد چودہ ہے، ان میں سے ایک جعفرؓ بھی ہیں،[17] حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کے بعد جعفرؓ سب سے افضل ہیں،[18] حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے صاحبزادہ کو سلام کرتے تو کہتے، السلام علیک یا ابن ذی الجناحین،[19] حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے، لیکن جب اپنے والد جعفرؓ کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیے نہ رہتے۔

جعفر نے ایک ہی شادی کی تھی آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس تھیں جو کثیر الاولاد تھیں تین بیٹے زیادہ مشہور ہیں۔

عبداللہ بن جعفر جو زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر تھے۔
محمد بن جعفر جعفر کے دو بیٹوں کا نام محمد تھا ایک محمد اکبر اور ایک محمد اصغر بن جعفر بھی تھے۔
عون بن جعفر جو ام کلثوم بنت علی کے شوہر تھے۔ اور کربلا میں شہید ہوئے۔
ان کی اولاد میں سے صرف عبداللہ سے نسل چلی۔

جعفر کی کل اولاد مندرجہ ذیل تھی جو قدیم کتابوں میں مذکور ہے۔

حمید بن جعفر ابن ابی طالب جو ہجرت سے 12 سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے تھے، لیکن بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔[20][21]
حمزہ بن جعفر ابن ابی طالب، حمزہ بظاہر سال 10 قبل از ہجرت میں مکہ میں پیدا ہوئے، وہ بھی بچپن میں وفات پا گئے اور اس سے بھی اولاد جاری نہیں رہی۔[22][23]
عبداللہ الاکبر ابن جعفر ابن ابی طالب، ہجرت کے پہلے سال حبشہ میں پیدا ہوئے۔ وہ حبشہ کی سرزمین میں پیدا ہونے والے پہلے مسلمان تھے اور اپنے والد کے ہمراہ 24 محرم 8 ہجری کو مدینہ آئے۔[24][25]
محمد اکبر ابن جعفر ابن ابی طالب، جو 2 ہجری میں حبشہ میں پیدا ہوا، ام کلثوم بنت علی سے شادی کی اور 37 ہجری میں جنگ صفین میں شہید ہوئے۔[26][27]
عون بن جعفر ابن ابی طالب جو 3 ہجری میں حبشہ میں پیدا ہوئے، انھوں نے اپنے بھائی کی وفات کے بعد ان کی بیوہ ام کلثوم سے شادی کی اور 61 ہجری میں کربلا کے واقعے میں شہید ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ وہ ایران کے شہر شوشتر میں شہید ہوئے۔ ان سے بھی کوئی نسل نہیں چلی۔[28][29]
محمد اصغر بن جعفر ابن ابی طالب جو 4 ہجری میں حبشہ میں پیدا ہوئے، 56ھ کی عمر میں 61ھ میں کربلا کے واقعے میں شہید ہوئے۔[30]
عبداللہ الاوسط بن جعفر ابن ابی طالب جو 5 ہجری میں حبشہ میں پیدا ہوئے بچپن میں وفات ہوئی۔[31][32]
عبداللہ الاصغر ابن جعفر ابن ابی طالب۔ وہ 6 ہجری میں حبشہ میں پیدا ہوا، اس کی بھی کوئی اولاد نہیں تھی۔[33][34]
حسین ابن جعفر ابن ابی طالب جو 8 ہجری میں پیدا ہوئے، اس کی کوئی نسل نہیں ہے۔ وہ جعفر اور اسماء کے مدینہ واپس آنے کے بعد پیدا ہوئے تھے۔[35]
احمد بن جعفر ابن ابی طالب، ان کا عراق میں ایک مزار ہے۔[36][37]
نعمی بنت جعفر ابن ابی طالب۔[38] ام القاسم بنت جعفر ابن ابی طالب۔[39]

حوالہ جات

)مسند احمد: 201/1تا203(
) طبقات ابن سعد، جلد 4 قسم اول صفحہ 123 مختصراً بخاری ذکر غزوۂ خیبر میں ہے(
) بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ(
) طبقات ابن سعد قسم اول: 32/3(
) طبقات ابن سعد حصہِ مغازی غزوۂ موتہ(
) اسد الغابہ: 288/1(
) طبقات ابن سعد حصہ مغازی، 12منہ(
) بخاری باب غزوۂ موتہ(
) بخاری باب غزوۂ موتہ(
) اسد الغابہ: 288/1(
) مستدرک حاکم: 209/3(
) مستدرک حاکم: 209/3(
) صحیح بخاری مناقب حضرت جعفر ؓ(
) صحیح بخاری مناقب حضرت جعفر ؓ(
) جامع ترمذی مناقب اہل بیت(
) جامع ترمذی مناقب حضرت جعفر ؓ(
) صحیح بخاری غزوۂ موتہ(
عمدۃ الطالب-ابن عنبہ صفحہ 36
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص141
ابن فندق البیہقی، لباب الانساب والالقاب والاعقاب]، صفحہ 361، تحقیق: مہدی رجائی، مکتبہ آیۃ اللہ المرعشی، قم، 1385 ہجری شمسی
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص141
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص142
اسد الغابۃ، ج3ص199اور ص200
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص141
اسد الغابۃ، ج5ص78
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص141
اسد الغابۃ، ج4ص302
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص141
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص141
عمدۃ الطالب-ابن عنبہ صفحہ 37
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص141
عمدۃ الطالب-ابن عنبہ صفحہ 37
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص73
معجم انصار الحسین-الہاشمیون-جزء اول: دائرۃ المعارف الحسینیہ، ص141
الاصابہ-ابن حجر-ج1-صفحہ 325
اسد الغابۃ، ج7ص271
صرف بغوی نے نقل کیا ہے۔

سیدنا مولا علی کرم اللہ وجہہ

ابو الحسن علی بن ابی طالب ہاشمی قُرشی (15 ستمبر 601ء – 29 جنوری 661ء)[4][5] پیغمبر اسلام محمد کے چچازاد اور داماد تھے۔ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد دوسرے شخص تھے جو اسلام لائے۔ اور ان سے قبل ایک خاتون کے علاوہ کوئی مرد وزن مسلمان نہیں ہوا۔ یوں سابقین اسلام میں شامل اور عشرہ مبشرہ، بیعت رضوان، اصحاب بدر و احد، میں سے بھی تھے بلکہ تمام جنگوں میں ان کا کردار سب سے نمایاں تھا اور فاتح خیبر تھے، ان کی ساری ابتدائی زندگی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ گذری۔ وہ تنہا صحابی ہیں جنھوں نے کسی جنگ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا نہیں چھوڑا ان کی فضیلت میں صحاح ستہ میں درجنوں احادیث ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں دنیا اور آخرت میں اپنا بھائی قرار دیا اور دیگر صحابہ کے ساتھ ان کو بھی جنت اور شہادت کی موت کی خوش خبری دی۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام کے چوتھے خلیفہ راشد رضی اللہ عنہم کے طور پر سنہ 656ء سے 661ء تک حکمرانی کی، لیکن انھیں شیعہ مسلمانوں کے ہاں خلیفہ بلا فصل، پہلا امام معصوم اور وصی رسول اللہ سمجھا جاتا ہے۔

مسلمان انھیں ابو الحسن، ابو تراب، حیدر و حیدرہ، اسد اللہ/شیر خدا، المرتضی، امیر المومنین، باب مدینۃ العلم اور عام طور پر عرب میں: سیِّدُنا علی اور عرب و عجم میں امام علی، ہند و پاک میں مولا علی، اضافی دعائیہ الفاظ (کرّم اللہ وجہہ) اور (علیہ السلام) اور (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

ابو طالب[6] اور فاطمہ بنت اسد[7] کے ہاں پیدا ہوئے۔ روایات کے مطابق علی، مقدس ترین اسلامی شہر مکہ میں کعبہ کے اندر جائے حرمت میں پیدا ہوئے تھے۔[7][8][9] علی رضی اللہ عنہ بچوں میں پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے، [10][11] اور کچھ مصنفین کے مطابق پہلے مسلم تھے۔[12] ابتدائی دور میں علی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی[13] اور ابتدائی مسلمانوں کے خلاف کی گئی تقریباً تمام جنگوں میں حصہ لیا۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد انھوں نے پیغمبر اسلام کی بیٹی فاطمہ زہرا سے شادی کی۔[7] خلیفہ عثمان بن عفان کے قتل کے بعد سنہ 656ء میں صحابہ نے انھیں خلیفہ منتخب کیا تھا۔[14][15] علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں دو بغاوتیں اور خوارج کی خانہ جنگیاں دیکھیں اور نہایت بہترین اقدامات کیے۔ سنہ 661ء میں جب وہ جامع مسجد کوفہ میں نماز پڑھا رہے تھے عبد الرحمٰن بن ملجم نامی ایک خارجی نے ان کے سر پر تلوار سے حملہ کر دیا اور وہ دو دنوں بعد شہید ہو گئے۔[16][17][18]

علی شیعوں اور سنیوں، دونوں کے ہاں سیاسی طور پر اور روحانی طور پر اہم ہیں۔[19] فرقوں کے نزدیک علی کے متعلق متعدد سوانح عمریاں، ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہیں، لیکن وہ اس بات پر تمام متفق ہیں کہ وہ پارسا مسلم اور قرآن و سنت پر سختی سے کاربند تھے۔[4] سنی علی کو چوتھا اور آخری خلیفہ راشد سمجھتے ہیں جبکہ شیعہ قرآنی آیات اور متعدد فرامین نبوی جن میں اہم ترین واقعہ غدیر خم ہے، کو دلیل بنا کر انھیں محمد کے بعد پہلا اِمام مانتے ہیں۔ شیعوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ علی اور دیگر شیعہ ائمہ (اہل بیت سے تمام) بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانشین ہیں۔ اسی اختلاف پر امت مسلمہ کو شیعہ اور سنی فرقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔[7][19][20][21] علی کو مختلف غیر مسلم تنظیموں کی جانب سے بھی پزیرائی حاصل ہے جیسے کہ اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کے لیے عالمی تنظیم نے ان کے طرز حکمرانی اور سماجی انصاف کی تعریف کی ہے۔[22][23][24][25]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ خاندانِ ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت وعظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں، خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد ابو طالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا، ابو طالب ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے پنجہ ظلم ستم سے محفوظ رکھا، مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابو طالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں ان کو محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے، کھانا پینا تک بند کر دیا، غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دستِ شفقت نہ اُٹھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی آرزو تھی کہ ابو طالب کا دل نورِ ایمان سے منور ہو جائے اور انھوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبط وحی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو خدمت وحمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لامتناہی دولت حاصل ہو، اس لیے ابو طالب کی وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی، ابو طالب نے کہا عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمھاری دعوت قبول کرلیتا، [27] سیرت ابن ہشام میں حضرت عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمۂ توحید ان کی زبان پر تھا، مگر یہ روایت کمزور ہے، بہر حال ابو طالب نے گو علانیہ اسلام قبول نہیں کیا، تاہم انھوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت وحمایت کا فرض انجام دیا، اس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکر گزاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔ حضرت علیؓ کی والدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہؓ کے اس یتیم معصوم کی ماں کی طرح شفقت و محبت سے پرورش کی، مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کرکے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا، لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں۔ [28] حضرت علی بن ابی طالبؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابو طالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے، قحط وخشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لیے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت وپریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہیے؛ چنانچہ حضرت عباسؓ نے حسب ارشاد جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا؛ چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ [29][30] [31][32][33][34][35][36][37][38][39][40][30][41][42]،[41][43][44].[45].

اسلام

حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو دربارِ خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، چونکہ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ رہتے تھے اس لیے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے؛ چنانچہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو مصروفِ عبادت دیکھا، اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصبِ گرامی کی خبر دی اور کفر وشرک کی مذمت کرکے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، متحیر ہو کر عرض کیا، اپنے والد ابو طالب سے دریافت کروں اس کے متعلق؟ چونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا کہ اگر تمھیں تامل ہے تو خود غور کرو؛ لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الٰہیٰ شامل ہوئی، اس لیے زیادہ غور وفکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا، بعض روایات سے حضرت ابو بکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضوں کے خیال میں حضرت زید بن حارثہؓ کا ایمان سب پر مقدم ہے؛ لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عورتوں میں، حضرت ابو بکر صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان

لائے۔[49][43][48][47][46]

مکہ زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظّمہ میں بسر ہوئے، چونکہ وہ رات دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم وارشاد کے مجمعوں میں، کفار ومشرکین کے مباحثوں میں اور معبودِ حقیقی کی پرستش وعبادت کے موقعوں پر، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمین مکہ میں مسلمانوں کے لیے علانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت وپرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر اپنے معبود حقیقی کی پرستش فرماتے، حضرت علیؓ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے، ایک دفعہ وادی نخلہ میں حسب معمول مصروفِ عبادت تھے کہ اتفاق سے اس طرف ابوطالب کا گزر ہوا، اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروفِ عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی ہرج نہیں؛ لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا۔[50][32][51][52]

انتظام دعوت

منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین برس تک علانیہ دعوتِ اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی؛ بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہے، چوتھے سال کے اعلان عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کی تبلیغ کا حکم ہوا؛ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی : وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ "اپنے قریبی اعزہ کو (عذابِ الٰہی سے) ڈراؤ" سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کے موافق کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوتِ اسلام کی صدا بلند کی ؛لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہیں دور ہو سکتا تھا، ابولہب نے کہا: تَبًّالَكَ، اسی لیے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؓ کو انتظام دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی؛ لیکن انھوں نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دستر خوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا، دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد چالیس تھی، حضرت حمزہؓ، عباسؓ، ابولہب اور ابوطالب بھی شرکاء میں تھے، لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھ کر فرمایا:" یا بنی
عبدالمطلب: خدا کی قسم میں تمھارے سامنے دنیا وآخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون ومددگار ہوگا؟ اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا علی مرتضی کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، تاہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یاور اور دست وبازو بنوں گا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا تم بیٹھ جاؤ اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا؛ لیکن کسی نے جواب نہ دیا، حضرت علیؓ پھر آٹھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارِ گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جاں بازی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔"

[53][54]،[55][56].[57]

ہجرت

بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے؛ لیکن مشرکین قریش نے اس کا جواب محض بغض وعناد سے دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو اسیر پنجۂ ستم دیکھ کر آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا؛ چنانچہ چند نفوسِ قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا، اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کرکے ہم سے انتقام لیں، اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا دشمن بنا دیا؛ چنانچہ ایک روز مشورہ کرکے وہ رات کے وقت کاشانۂ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے رخصت کر دیں؛

لیکن مشیت الٰہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پر نور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کافور ہو جائے، اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح غروب ہو سکتا ہے، اس لیے وحی الٰہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دیدی اور ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علیؓ مرتضٰی کو اپنے فرشِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔[43][58] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔

[65][64][63][62][61][60][59]

اسی سال یعنی 2ھ میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃالنساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے نکاح کر دیا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تمھارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے البتہ زرہ کو فروخت کر دو، حضرت علی بن ابی طالبؓ نے اس کو حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا اور قیمت لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں اور خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔[69][70][71][72][73][

رخصتی

نکاح کے تقریباً دس، گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علی بن ابی طالبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو؛ چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ ملکہ جنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔[74][75][

جہیز

حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کو اپنے گھر سے کوئی جہیز نہیں ملا تھا۔ حضرت علی نے انھیں جو دیا اس کی کل کائنات یہ تھی، ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ، عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔[76][77][

دعوت ولیمہ

حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ وزاہدانہ تھی خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے دعوت ولیمہ کے لیے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا؛ لیکن حضرت حمزہؓ نے حالت نشہ میں (اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی، بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے) اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب سیخ بنا دیا، اس لیے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھی؛ چنانچہ اسی سے دعوت ولیمہ کا سامان کیا جس میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا؛ لیکن یہ اس زمانہ کے لحاظ سے پر تکلف ولیمہ تھا، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔[30][78]]

غزوۂ احد

3ھ میں اُحد کا معرکہ پیش آیا، شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں نے قلّت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا؛ لیکن عقب کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکایک ٹوٹ پڑے اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے، اسی حالت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زخم پہنچا، دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خندق میں گر پڑے، [79] مشرکین ادھر بڑھے؛ لیکن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکا اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے، اس کے بعد حیدر کرارؓ نے بڑھ کر علم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی، مشرکین کے علمبردار، ابو سعید بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لیے للکارا، شیر خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا، حضرت علیؓ کو اس کی بدحواسی اور بے بسی پر رحم آگیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔ مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علی چند صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لے گئے، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہاؓ نے زخم دھویا اور حضرت علیؓ نے ڈھال میں پانی بھر بھر کر گرایا، اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔[80][81]]

بنو نضیر

غزوہ احد کے بعد 4ھ میں بنو نضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث جلاوطن کیا گیا، حضرت علیؓ اس میں بھی پیش پیش تھے اور علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔

غزوۂ خندق

سنہ 5ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے، ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند جان بازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا، سواروں کے سردار عمرو بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کو پیش کیا، اس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا، شیر خدا نے کہا؛ لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا اور مقابلہ میں آیا، تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ باقی سوار بھاگ کھڑے ہوئے، [82] کفار بہت دن تک خندق کا محاصرہ کیے رہے؛ لیکن بالآخر مسلمانوں کی اس پامردی اور استقلال کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا۔[83][84]

بنو قریظہ

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود ان کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا، اس لیے غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف توجہ کی، اس مہم میں بھی علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کرکے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔[85]

بنو سعد کی سرکوبی

6ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد کے یہود خیبر کی اعانت کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں، اس لیے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی پر مامور کیا، انھوں نے ماہِ شعبان میں حملہ کرکے بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں لائے۔

صلح حدیبیہ

اسی سال یعنی 6ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا، مقام حدیبیہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے، حضرت عثمان بن عفانؓ گفتگو کے لیے سفیر بنا کر بھیجے گئے، مشرکین نے ان کو روک لیا، یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیے گئے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی، حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی اس بیعت میں شریک تھے، بعد کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا اور طرفین نے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی، حضرت علیؓ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا، انھوں نے حسب دستور: ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتدا کی، مشرکین نے "رسول اللہ" کے لفظ پر اعتراض کیا اگر ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا؛ لیکن حضرت علیؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کیا، خدا کی قسم! میں اس کو نہیں مٹا سکتا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے اس کو مٹا دیا اس کے بعد معاہدہ صلح لکھا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیارت کا ارادہ ملتوی کرکے مدینہ واپس تشریف لائے۔[86][87][

فتح خیبر

7ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے؛ لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے، صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا؛ لیکن یہ دولت گرانمایہ حیدر کرارؓ کے لیے مقدر ہو چکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالبؓ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حضرت علیؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب لگایا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی۔[88]

مرحب

اس کے بعد علم مرحمت فرمایا، حضرت علی بن ابی طالبؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں لڑ کر ان کو مسلمان بنالوں؟ فرمایا نہیں؛ بلکہ پہلے اسلام پیش کرو اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو کیونکہ تمھاری کوششوں سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمھارے لیے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے۔[89] لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کی بجائے شکست، ذلت اور رسوائی لکھی تھی، اس لیے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور ان کا معزز سردار مرحب بڑے جوش و خروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا۔ قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں سلح پوش ہوں، بہادر ہوں، تجربہ کار ہوں اذا الحروب اقبلت تلھب جب کہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے فاتح خیبر اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے بڑھا: انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کریہ النظرہ میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا اوفیہم بالصاع کیل السدرہ میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کر دیتا ہوں اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا،[90] اس کے بعد حیدر کرارؓ نے بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اس کو مسخر کر لیا۔

مہم مکہ

رمضان 8ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، ابھی مجاہدین روانہ نہ ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ ایک عورت غنیم کو یہاں کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے

لیے روانہ ہو گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا، یہ تینوں تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ اور خاخ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا، پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی؛ لیکن جب ان لوگوں نے جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے خط حوالہ کر دیا اور یہ لوگ خط لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب یہ خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا اور اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم بن ابی بلتعہ سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرد جرم قرار دینے سے قبل اصل حالات سن لیں، واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے، صرف اس کا حلیف ہوں اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل وعیال کی حفاظت کرتے، میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار و مددگار نہ رہ جائیں یہ خط لکھا تھا، حاشا وکلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو قبول کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انھوں نے سچ بیان کیا ہے؛ لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی انھوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں۔" [91] غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم 10 رمضان 8ھ کو مدینہ روانہ ہوئے اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ وجلال کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی بے کسی کے ساتھ مسلمان نکالے گئے تھے، ایک علم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ" آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم میں خونریزی جائز ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا، نہیں ایسا نہ کہو آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؓ کو حکم ہوا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں؛ چنانچہ وہ کداء کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے [92] اور مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا اور وقت آ گیا کہ خلیل بت شکن کی یادگار (خانہ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا اور خانۂ کعبہ کے گرد جس قدر بت تھے، سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے "وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" [93] پھر خانۂ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کی مورتیوں کو الگ کروایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے، [94] لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتیوں سے اٹا ہوا تھا اس لیے اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا، یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا اس لیے بہت بلندی پر تھا، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کے گرانے کی کوشش کی؛ لیکن وہ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے، اس لیے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کے گرانے کا حکم دیا اور انھوں نے سلاخ سے اکھاڑ کر حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پاش پاش کر ڈالا اور خانہ کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی۔ (حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو بہ تفصیل نقل کیا ہے؛ لیکن فتح مکہ کی بجائے شب ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن اس کے علاوہ دوسرے محدثین اور ارباب سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح اور قریب عقل ہے، ہجرت کی ایسی نازک رات میں جبکہ جان خطرہ میں تھی ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہے، دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہے) [95][96] وتقول مصادر ہم إن جمیع المسلمین والمسلمات قد بایعوہ فی ہذا الیوم علی السمع والطاعۃ [97].

ایک غلطی کی تلافی

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنوحذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا، انھوں نے توحید کی دعوت دی، بنوحذیمہ نے اسے قبول کیا؛ لیکن اپنی بدویت اور جہالت کے باعث اس کو ادا نہ کر سکے اور اسلمنا یعنی ہم نے اسلام قبول کیا کی بجائے صبانا صبانا یعنی ہم بے دین ہو گئے کہنے لگے، حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کا منشا سمجھ کر سب کو قید کر لیا اور بہتوں کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو نہایت متاثر ہوئے اور حضرت علیؓ کو اس غلطی کی تلافی کے لیے روانہ فرمایا، انھوں نے پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کرا دیا اور مقتولین کے معاوضہ خوں بہا دیا۔ [98]

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا اور اس میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی؛ لیکن جب وہ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل پاکر پھر اچانک حملہ کر دیا، مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے، ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے، آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے؛ بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے امیر عسکر پر حملہ کرکے اس کا کام تمام کر دیا اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی۔ [99]

اہل بیت کی حفاظت

9ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، شیر خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا، منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال کا علم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لیے فرمایا، علیؓ! کیا تم اسے پسند کروگے کہ میرے نزدیک تمھارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا۔[100] "

تبلیغ فرمانِ رسول

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا، اسی اثناء میں سورۂ برات نازل ہوئی، لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورۃ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لیے بھیجی جاتی تو اچھا ہوتا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے؛ چنانچہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر اس سورۃ کو سنائیں اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے اور جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی عہد ہے وہ مدتِ مہینہ تک باقی رہے گا۔[101]

مہم یمن اور اشاعتِ اسلام

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مہمیں روانہ فرمائیں ان میں یمن کی مہم پر حضرت خالد بن ولیدؓ مامور ہوئے، لیکن چھ مہینہ کی مسلسل جد و جہد کے باوجود اشاعت اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے، اس لیے رمضان 10ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں، ان لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا میرے لیے نہایت دشوار ہوگا، ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی“ اے خدا اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر دے“ اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے ان کے فرقِ مبارک پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔[102] حضرت علیؓ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ بالکل بدل گیا، جو لوگ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھ مہینہ کی سعی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے تھے وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔[103]

حجۃ الوداع میں شرکت

اسی سال یعنی 10ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یمن سے آکر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

[104]

صدمۂ جانکاہ

حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاول 11ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، حضرت علیؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمار داری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا، ایک روز باہر آئے، لوگوں نے پوچھا، اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علیؓ نے اطمینان ظاہر کیا، حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، خدا کی قسم! میں موت کے وقت خاندان عبد المطلب کے چہرے پہچانتا ہوں، آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں، حضرت علیؓ نے کہا، میں عرض نہیں کروں گا، اگر خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی، [105] دس روز کی مختصر علالت کے بعد 12/ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا، حضرت علیؓ چونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن رکین تھے، اس لیے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے۔[106] انصار و مہاجرین دروازے کے باہر کھڑے تھے، ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔[107]

خلیفۂ اول کی بیعت توقف کی وجہ

سقیفۂ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کر لی، البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چھ مہینے تک دیر کی، لوگوں نے اس توقف کے عجیب و غریب وجوہ اختراع کر لئے ہیں؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنا دیا تھا اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے وہ صرف ان کی تسلی و دلدہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے؛ چنانچہ جب حضرت فاطمہ زہراؓ کا انتقال ہو گیا اس وقت انھوں نے خود حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ان کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کر لی۔[108] سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے، حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے، نہاوند کے معرکہ میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا؛ لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا، بیت المقدس گئے تو کاروبارِ خلافت انہی کے ہاتھ دے کر گئے،[109] اتحاد و یگانگت کا عالم اخیر مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتہ مصاہرت قائم ہو گیا، یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ حضرت عمر بن خطابؓ کے نکاح میں آئیں۔ عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد شروع ہوا تو حضرت علیؓ نے ان کو رفع کرنے کے لیے ان کو نہایت مخلصانہ مشورے دیے، ایک دفعہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے ان سے پوچھا کہ ملک میں موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اس کے رفع کرنے کی صورت کیا ہے؟ انھوں نے نہایت خلوص اور آزادی سے ظاہر کر دیا کہ موجودہ بے چینی تمام تر آپ کے عمال کے بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے، عثمان بن عفانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے پیش نظر تھے، پھر ان سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علی مرتضیؓ نے فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے سب کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اور گرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھا برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں، آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کاروائیاں کرتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی، رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہیں وہ سب دربارِ خلافت کے احکام کی تعمیل ہے، اس طرح تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑا۔[110] سب سے آخر میں مصری وفد کا معاملہ پیش آیا، عثمان بن عفانؓ نے ان سے اصرار کیا کہ اپنی وساطت سے اس جھگڑے کا تصفیہ کرا دیں اور انقلاب پسند جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیں، پہلے تو انھوں نے انکار کیا؛ لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر درمیان میں پڑے اور حضرت عثمان بن عفانؓ سے اصلاحات کا وعدہ لے کر انقلاب پسندوں کو اپنی ذمہ داری پر واپس کر دیا، مصری وفد کے ارکان ابھی راہ ہی میں تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی تلاشی سے ایک فرمان ہاتھ آیا جس میں حاکم مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس وفد کے تمام شرکاء کو تہ تیغ کر دیا جائے، مصری اس غداری سے غضبناک ہو کر واپس آئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں

حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کر واپس کیا اور دوسری طرف سے دربارِ خلافت کا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا، حضرت علیؓ نے فرمان دیکھا تو تعجب ہوئے اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس جا کر اس کی حقیقت دریافت کی، انھوں نے اس سے حیرت کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی حضرت علیؓ نے کہا مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی تھی لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں نہ پڑوں گا؛ چنانچہ اس کے بعد وہ بالکل عزلت نشین ہو گئے۔ مصریوں نے جوش انتقام میں نہایت سختی کے ساتھ کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب ودانہ سے بھی محروم کر دیا، حضرت علی بن ابی طالبؓ کو معلوم ہوا تو عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف اسلام؛ بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے، کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو آب ودانہ سے محروم نہیں کرتے، اس شخص نے تمھارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ محاصرین نے حضرت علیؓ کی سفارش کی کچھ پروانہ کی اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا حضرت علیؓ غصہ میں اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے آئے۔ [111] محاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا تاہم حضرت علیؓ کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر طول کھینچے گا کہ شہادت تک نوبت پہنچے گی، وہ سمجھے جس طرح حقوق طلبی کے متواتر مظاہرے ہوتے رہے ہیں، یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے، تاہم اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لیے بھیج دیا، جنھوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی، یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے؛ لیکن کثیر التعداد مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا، وہ دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا، حضرت علی بن ابی طالبؓ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے، ان پر سخت ناراضی ظاہر کی، حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا مارا، محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

][115]114][113][112]

خلافت

حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی، اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا، انھوں نے پہلے اس بارِ گراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا؛ لیکن آخر میں مہاجرین وانصار کے اصرار سے مجبور ہو کر اٹھانا پڑا، [116] اور اس واقعہ کے تیسرے دن 21/ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئی۔ مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلے کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا؛ لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نائلہ بنت الفرافصہ موجود تھیں جو اس کے سوا کچھ نہ بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے سے پہچانتی نہیں تھیں، اندر آئے، حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو انھوں نے قسم کھا کر اپنی برات ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادے سے ضرور داخل ہوئے تھے؛ لیکن حضرت عثمانؓ کے جملہ سے مجوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے، البتہ ان دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہؓ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک نہ تھے، غرض تحقیق وتفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ تھا، تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں، لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لیے مجرموں کا کوئی پتہ نہ چلا اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمال کی بےاعتدالیاں تھیں اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے اس لیے آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا، عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا اور سہل کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا، سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہؓ کے سوار مزاحم ہوئے اور ان کو مدینہ جانے پر مجبور کیا، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لیے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، امیر معاویہؓ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد مکتوب الیہ کا اور اپنا نام لکھا، قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحبو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلود قمیص پر ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انھوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خونِ ناحق کا

قصاص نہیں لیں گے، اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں، قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؓ کی جماعت میں سے خالد بن زفر عبسی نے اس کے جواب میں کہا" تمھارا برا ہو! کیا تم مہاجرین وانصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم نہ تو قمیص عثمانؓ، قمیص یوسف علیہ السلام ہے اور نہ معاویہؓ کو یعقوب علیہ السلام کی طرح غم ہے، اگر شام میں اس قدر اس کو اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی امیر معاویہؓ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہوا ہی تھا کہ دوسرا قضیۂ نامرضیہ پیدا ہو گیا یعنی حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے ان سے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیے گئے اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے؛ لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے، یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیے گئے اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لیے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔ [117] حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور زبیر بھی حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کیے، انھوں نے بھی شور و غوغہ کی داستان سنائی، ان کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہوئی اور انھوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بد نظمی پیدا کر دی تھی، حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے اعداء کو اپنا معاون وانصار بنانا اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ تمام عمال کو برطرف کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لیے کافی تھا، انہی بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمان بن عفانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا؛ چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہو گئیں، عبداللہ بن عامر حضرمی والی مکہ مروان بن حکم، سعید بن العاص اور دوسرے بنی امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے، نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتدبہ جمعیت فراہم کرکے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال قبضہ کرکے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں، پھر بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری نوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کرکے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں۔[118]

[119][120][121][122][123][124][125][126].[127][128]

سفر عراق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا وہاں مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں، انصار کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامرؓ نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوہ بدر میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ چکے تھے، انصار کی جانب سے گزارش کی کہ دارالخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، عمر فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں؛ لیکن انھوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا، اگر اُس وقت خالدؓ، ابو عبیدہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ نے شام وایران کو تہ وبالا کر دیا تھا تو اِس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ صحیح ہے؛ لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے وہاں کے بیت المال بھی مال وزر سے پر ہیں، اس لیے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفر عراق کے لیے تیار ہو جائیں، چند محتاط صحابہ کے سوا تقریباً اہل مدینہ ہمرکاب ہوئے، ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ اور زبیر بن عوامؓ سبقت کرکے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔[129][130]

حضرت امام حسنؓ کا سفرِ کوفہ

یہ سن کر حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سرپر ہے، اس لیے ہتھیار بے کار کر دو اور بالکل عزلت نشین ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اس اثنا میں امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہا تم بھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اس کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المومنین کی مساعدت پر آمادہ کیا، حجر بن عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور کہا صاحبو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمھیں دعوت دی ہے اس دعوت کو قبول کرو اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ وفساد کی آگ کو سرد کر دو میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔ غرض حضرت امام حسنؓ اور حجر بن عدی کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علیؓ کی اعانت پر آمادہ کر دیا اور ہر طرف سے امیر المومنین کی اطاعت اور فرماں برداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسنؓ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں امیر المومنین کی فوج سے مل گئی، جناب امیرؓ نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا، اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا، ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا، دوسرا حضرت علیؓ کا طرف دار تھا اور تیسرا حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ کا حامی، خانہ جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی؛ بلکہ ہر فریق کے نیک نیک لوگ اس کی تائید میں تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں، صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا، دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سم قاتل تھی، حضرت علی بن ابی طالبؓ کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف کچھ اموی تھے، حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہو گئی تو ان کی خیر نہیں، اس لیے انھوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کی فوج پر شبخون مارا، گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا، ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ اونٹ پر آہنی ہودہ رکھوا کر سوار ہوئی کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں، حضرت علیؓ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رک سکتا تھا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش وخروش تھا، قلب فوج میں ان کا ہودج تھا، محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں تھی۔[128][131]

جنگ جمل

دوران جنگ میں حضرت علیؓ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آئے اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا "ابو عبد اللہ! تمھیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کیا تھا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یاد کرو، اس وقت تم سے حضور صلی انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے" حضرت زبیرؓ نے جواب دیا، ہاں اب مجھے بھی یاد آیا۔[132] یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے بیٹے عبد اللہؓ سے فرمایا، جان پدر! علیؓ نے ایسی بات یاد دلادی کہ تمام جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں، اب میں اس جنگ میں شرکت نہ کروں گا تم بھی میرا ساتھ دو؛ لیکن حضرت عبد اللہؓ نے انکار کیا تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں، حضرت طلحہ نے حضرت زبیر کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا، مروان بن حکم کو معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا، یہ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا، زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا، اب میدان جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کے جان نثار فرزند رہ گئے، جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی، دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی، ام المومنینؓ زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں، نامرتبہ شناس سبائی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، حضرت عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنوضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پہ لاشیں گرا رہے تھے، بکر بن وائل، ازو اور بنوضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرارؓ کو حیرت تھی، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی، مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی، اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو

قربان کر دیا، [133] بصرہ کا شہسوار عمرو بن بجرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا، مارا جاتا تھا اور ابن بجرہ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔ یاامان یا خیر ام نعلم والام تغذ وولم ھاوترحم اے ہماری بہترین اور ماں بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے الاترین کم جواد لک تختلی مامتہ والمعصم کیا تو نہیں دیکھتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کیے جاتے ہیں اور ان کی کھوپڑی اور کلائی کاٹی جاتی ہے آخر کار حضرت علیؓ کی فوج کے مشہو شہسوار حارث بن زبیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ وسنان کے ردل وبدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ اونٹ کے سامنے بنوضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سدِ سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اس نے پشت نہیں پھیری اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا: الموت احلی عندنا من العسل نحن بنوضبۃ اصحاب الجمل موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے ہم ضبہ کی اولاد اونٹ کے محافظ ہیں نحن بنوالموت الذالموت نزل ننعی ابن عفان باطراف الاسل ہم موت کے بیٹے ہیں، جب موت اترے ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر نیزوں سے پھیلا رہے ہیں ردواعلینا شیخنا ثم بجل ہمارے سردار کو ہم کو واپس کردو تو پھر کچھ نہیں حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا مسلمانوں کی خونریزی رک نہیں سکتی، اس لیے آپ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا، اونٹ بیٹھتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور حضرت علیؓ کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا، آپ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں، پھر خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند دن تک آرام وآسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت واحترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، بصرہ کی چالیس شریف ومعزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لیے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشائعت کے لیے بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں علیؓ میں پہلے کوئی جھگڑانہ تھا، حضرت علیؓ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں، ان کی تعظیم وتوقیر ضروری ہے، غرض پہلی رجب 36ھ سنیچر کے روز حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ بصرہ میں چند روز قیام کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ کا عزم کیا اور 12 رجب 36ھ دوشنبہ کے روز داخل شہر ہوئے، اہل کوفہ نے قصرِ امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا؛ لیکن زہد وقناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان میرے لیے بس ہے؛ چنانچہ میدان میں قیام فرمایا اور مسجد اعظم میں داخل ہو کر دورکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتقاوپرہیز گاری اور وفاشعاری کی ہدایت کی۔ جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دار الحکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کیے ہیں مگر ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو توہین ہوئی اس نے علی مرتضی کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علاحدہ کردیں، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے طرفداری اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، گو حضرت علیؓ مدینہ کو سیاسی شر وفتن سے بچانے کے لیے عراق کو دارالحکومت بنایا تھا؛ لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہو گئی اور خود حضرت علیؓ مرکز اسلام سے دور ہو گئے جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لیے مضر ثابت ہوا۔ بہرحال حضرت علیؓ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سرنو نظم ونسق قائم کیا، حضرت عبداللہ بن عباس کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، ہجستان پر ربعی بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا، خلید خراسان پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ خاندان کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرادی ہے؛ چنانچہ انھوں نے نیشاپور پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی اور اس کو بارگاہ خلافت میں بھیج دیا، جناب امیر نے اس کے ساتھ نہایت لطف وکرم کا برتاؤ کیا اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند امام حسن سے نکاح کردیں، اس نے کہا کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو، اگر خود جناب امیر اپنے عقد نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیّبِ خاطر حاضر ہوں، حضرت علیؓ نے انکار کیا اور اسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔ جزیرہ موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا، اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا؛ لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کیا، اشتر نے موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے مستقل چھیڑ چھاڑ کردی اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔ [134][135][80]، [136][137][

صلح کی دعوت

اگرچہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہؓ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم اتمام حجت کے لیے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبد اللہ کو قاصد بنا کر بھیجا، جریر ایسے وقت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں روسائے شام کا مجمع تھا، امیر معاویہؓ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا، پھر بآنگ بلند حاضرین کو سنایا، بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا: "تم اور تمھارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں، سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین وانصار نے اتفاق عام سے مجھے منصب خلافت کے لیے منتخب کیا ہے، حضرت ابوبکر، عمر اور عثمانؓ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا، اس لیے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبر واطاعت پر مجبور کیا جائے گا، پس تم مہاجرین وانصار کی اتباع کرو یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، تم نے عثمان بن عفانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے، اگر تم کو حضرت عثمان بن عفانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو، اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا، ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکا اور فریب ہے۔" امیر معاویہؓ بائیس برس سے شام کے والی تھے، اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال وخود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی، جس کے حصول کے لیے اس سے بہتر موقع میسر نہیں آسکتا تھا، نیز حضرت عثمانؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنوامیہ اور بنوہاشم کی دیرینہ چشمک پھر تازہ ہو گئی تھی، حضرت علیؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال امیر معاویہؓ کے گردو پیش جمع ہو گئے تھے، بہت سے قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے؛ لیکن امیر معاویہؓ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنادیا تھا، بعض صحابہ بھی اپنے مقاصد کے لیے ان کے دست و بازو بن گئے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کی حکومت کا عہدہ لے کر اعانت و ساعدت کا وعدہ کر لیا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو عرب کے نامور مدبروں میں تھے اور پہلے حضرت علی بن ابی طالبؓ کے طرفدار تھے آپ سے دل برداشتہ ہو کر امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے تھے، عبید اللہ بن عمرؓ جنھوں نے اپنے والد کے خون کے جوش انتقام میں ایک پارسی نو مسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد مقدمہ قائم ہونے کے خوف سے بھاگ کر امیر معاویہ کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے تھے، امیر معاویہؓ نے ایک اور مامور مدبر زیاد بن امیہ کو جو حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھا، اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اکابر شام کی پہلے ہی سے ان کو تائید و حمایت حاصل تھی، ان کی مدد سے انھوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے واقعہ کو جس سے تمام مسلمان سخت متاثر تھے، سارے شام میں پھیلایا، ہر ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں اس کی اشاعت کے لیے خطیب مقرر کیے، دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی۔[138] ان تدبیروں سے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کا جوش پیدا کرنے کے بعد اپنے حاشیہ نشینوں کے مشورہ سے حضرت علیؓ کے خط کا جواب لکھا اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا، ابو مسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے، دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد رنج کے طور پر گزارش کی کہ اگر عثمان بن عفانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، جناب امیر معاویہؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا، ابو مسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا، ابو مسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بآنگ بلند کہا، ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں، ابو مسلم نے مستعجب ہو کر بارگاہ خلافت میں عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کر لی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ناحق ضد سے باز آجائیں اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی، عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علاحدہ لکھا کہ دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو؛ لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، گو جنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چکی تھی؛ لیکن ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی، اس لیے مصالحت اور خانہ جنگی کے سد باب کی تمام تر کوششیں ناکام رہیں اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبور ہو کر قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا، تمام عمال و حکام کو دور دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلایا اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کا رخ کیا۔[139][128][140][141][

معرکۂ صفین

جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہوئی تو امیر معاویہؓ کی طرف سے ابوالاعور سلمیٰ نے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا، علوی فوج کے افسر زیاد بن النضراور شریح بن ہانی نے تمام دن نہایت جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا، اسی اثنا میں اشتر نخعی کمک لے کر پہنچ گئے، ابوالاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے اس لیے رات کی تاریکی میں فوج کو ہٹالیا اور امیر معاویہؓ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی، انھوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جمادیے، گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے کر سلمی کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔[142]

پانی کے لیے کشمکش

ابوالاعور نے اس حکم کی تعمیل کی، چنانچہ حضرت علیؓ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزور گھاٹ پر قبضہ کر لیا جائے؛ چنانچہ پہلے چند آدمی اتمام حجت کے لیے آشتی کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے؛ لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی، حضرت علی بن ابی طالبؓ کی فوج پیش دستی کی منتظر تھی، سب نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا، ابولاعور نے دیر تک ثبات و استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنی کمک سے تقویت دی؛ لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا، آخر کار شامی دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہو گیا، اب جو وقت امیر المومنین کی فوجوں کو ہوئی تھی وہی امیر معاویہؓ کو پیش آئی؛ لیکن جناب علی المرتضیٰ کی حمیت انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دیدی، [143] چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپوں کے سپاہیوں میں دوستانہ آمدورفت شروع ہو گئی یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہو جائے گی۔ میدانِ جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر اتمام حجت کے لیے بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی؛ لیکن کامیابی نہ ہوئی دونوں طرف علما، فضلا اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی، اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی، اس اثنا میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا؛ لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا، غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولی تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گذر گئے؛ لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور جمادی الاآخر کے شروع میں جنگ چھڑ گئی۔[144][145]

آغاز جنگ

لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدان جنگ میں اترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنے فرودگاہ پر واپس جاتی تھی، فوج کی کمان حضرت علی بن ابی طالبؓ کبھی خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتر نخعی، حجر بن عدی، شبث ربعی، خالد بن المعمرہ، زیاد بن النضر، زیاد بن حصفہ التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہؒ، معقل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے، یہ سلسلہ جمادی الاآخر کی آخر تاریخوں تک جاری رہا؛ لیکن جیسے ہی رجب کا ہلال طلوع ہوا، اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعۃً دونوں طرف سے جنگ رک گئی، اس التواء سے خیر خواہان امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا؛ چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے امیر معاویہ کے پاس جا کر ان سے حسب ذیل گفتگو کی: حضرت ابولدرداءؓ: تم علیؓ سے لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟ امیر معاویہ: میں عثمانؓ کے خون ناحق کے لیے لڑتا ہوں حضرت ابوالدرداء: کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟ امیر معاویہؓ: قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امیر معاویہؓ کی شرائط سے مطلع کیا، اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں"۔

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابو امامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف چلے گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ غرض پہلی رجب سے اخیر محرم 37ھ تک طرفین سے سکوت رہا اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہ آیا، آغاز سفر سے پھر از سر نو جنگ شروع ہو گئی اور اس قدر خونریز لڑائیاں پیش آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے، پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا، علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آ کر اپنی فوج کے سامنے نہایت پر جوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ کے لیے ابھارا، تمام فوج نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس تقریر کو لبیک کہا اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، حیدر کرار خود فوج کے آگے تھے اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کے مقصورہ تک پہنچ گئے، آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا: اضربھم ولااری معاویۃ الجاحظ العین العظیم الحاویۃ قریب پہنچ کر پکار کر کہا" معاویہ! خلق خدا کا خون گراتے ہو، آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں۔" اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہ میں حسب ذیل مکالمہ ہوا: عمرو بن العاصؓ: بات انصاف کی ہے۔ امیر معاویہؓ: خوب کیا انصاف ہے؟ تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا ہے پھر زندہ نہیں بچتا۔ عمرو بن العاص: جو کچھ ہو، تاہم مقابلے کے لیے نکلنا چاہیے۔ امیر معاویہؓ: تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کرا کے میرے منصب پر قبضہ کرو۔ امیر معاویہؓ کے اعراض پر عمرو بن العاصؓ خود شیر خدا کے مقابلے کے لیے نکلے، دیر تک دونوں میں تیغ سنان کا ردو بدل ہوتا رہا، ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے سلامت بچنا ناممکن تھا، عمرو بن العاصؓ اس بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہو گئے، فاتح خیبر نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کی بجائے پوری فوج کے ساتھ جنگ ہونے لگی، چند دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت و خونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے، صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں سے کرہ ارض تھرا رہا تھا اسی مناسبت سے اس کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لیے جنگ ملتوی ہوئی، حضرت علیؓ نے اپنے طرفداروں کو مخاطب کر کے نہایت جوش سے تقریر کی اور فرمایا" جانبازو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائیگا، پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس وقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے۔ امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اس وقت تک نہایت جانبازی، شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا؛ لیکن لیلۃ الہریر کی جنگ سے انھیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے، قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے، اشعث ابن قیس نے علانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا، رومی شام میں ہمارے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے، اس طرح ایران دہقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے،، تمام درباریوں کی نظریں امیر معاویہؓ کے چہرہ پر گڑ گئیں اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی۔ یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب مرتضٰی کو لکھا کہ" اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے، بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیے ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، اس لیے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے؛ لیکن اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مصالحت سے انکار کیا اور دوسرے روز علی الصباح زرہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان میں صف آراء ہوئے؛ لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا، عمرو بن العاص نے کہا اب میں ایک ایسی چال چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہو جائے گا یا علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی؛ چنانچہ دوسری صبح شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدان جنگ میں آئی، آگے آگے دمشق کا مصحفِ اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا اور اس کو پانچ آدمی بلند کیے ہوئے تھے، اس کے علاوہ جس جس کے پاس قرآن پاک تھا اس نے اس کو نیزے پر باندھ لیا تھا، حضرت علیؓ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا تو قلب سے فضل بن ادہم، میمنہ سے شریح الجذامی اور میسرہ سے زرقاء بن معمر بڑھے اور چلا کر کہا گروہِ عرب! خدا رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے تم فنا ہو گئے، دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں ہے، اسی طرح ابوالدعور سلمٰی اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے اور ببانگ بلند کہا" اے اہل عراق یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں حکم ہے، اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ حریف کی چال ہے اور جوش دلا کر نہایت زور و شور سے حملہ کر دیا؛ لیکن شامیوں کی چال کامیاب ہو گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے ہم کو اس دام تزویر سے بچنا چاہیے، کردوس بن ہانی، سفیان بن ثور اور خالد بن العمر نے بھی امیر المومنین کی تائید کی اور کہا کہ پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف دعوت دی تو انھوں نے کچھ پروانہ کی، لیکن

جب ناکامی و نامرادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں؛ لیکن شامیوں کا جادو چل چکا تھا، اس لیے باوجود سعی و کوشش ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہیے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہو جائے گی؛ بلکہ خود جناب امیرؓ کا مقابلہ کرے گی، معربن فدکی، زید بن حصین، سنبی اور ابن الکواء اس جماعت کے سرگروہ تھے، اسی طرح اشعث بن قیس نے عرض کیا امیر المومنین! میں جس طرح کل آپ کا جان نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں؛ لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہیے، غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب علی مرتضٰی کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا، اشتر نخعی اس وقت نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے، اس لیے واپسی کا حکم سن کر ان کو بڑا صدمہ ہوا اور فرودگاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مسعر بن مذکی اور ابن الکواء وغیرہ میں جنھوں نے التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم کشت و خون کی نوبت پہنچ جائے؛ لیکن جناب امیر معاویہؓ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفت و گذشت کر دیا۔ التوائے جنگ کے بعد دونوں فریق میں خط کتابت شروع ہوئی اور طرفین کے علما، فضلا کا اجتماع ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم کے سپرد کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے، شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا، اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابو موسیٰ اشعری کا نام لیا، حضرت علیؓ نے اس سے اختلاف کیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی بجائے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا، لوگوں نے کہا عبد اللہ بن عباس اور آپ تو ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے، اس لیے جناب امیر معاویہؓ نے دوسرا نام اشتر نخعی کا لیا، اشعث بن قیس نے برافروختہ ہو کر کہا "جنگ کی آگ اشتر ہی نے بھڑکائی ہے اور ان کی رائے تھی کہ جب تک آخری نتیجہ نہ ظاہر ہو ہر فریق دوسرے سے لڑتا رہے، اس وقت تک ہم اس کی رائے پر عمل کرتے رہے، ظاہر ہے جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا، حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ لوگ ابو موسیٰ اشعری کے علاوہ اور کسی پر رضامند نہیں تو تحمل و بردباری کے ساتھ فرمایا جس کو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور دونوں فریق کے ارباب حل وعقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لیے مجتمع ہوئے، کاتب نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا ہذا ماقضی علیہ امیر المومنین، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر امیر المومنین تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے، لیکن احنف ابن قیس اور حضرت علیؓ کے دوسرے جاں نثاروں کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا، فدائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا خدا کی قسم یہ سنت کبریٰ ہے، صلح حدیبیہ (ذوقعدہ 6ھ) میں رسول اللہ کے فقرے پر ایسا ہی اعتراض ہوا تھا اس لیے جس طرح حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے دست مبارک سے مٹایا تھا، اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں، غرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سربرآوردہ آدمیوں نے دستخط کرکے اس کو موثق کیا، معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے۔" علیؓ، معاویہؓ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاص قرآن پاک اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جو فیصلہ کریں گے اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس و پیش نہ ہوگا، اس لیے دونوں حکم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت نبوی کو نصب العین بنائیں اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں، حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی، ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں۔ [80][146].]

خارجی فرقہ کی بنیاد

معاہدہ تیرہویں صفر 37ھ چہار شنبہ کے روز ترتیب پایا، اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے، وہ سب کو سناتے ہوئے جب غزہ کے فرودگاہ پر پہنچے تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور غضب ناک ہو کہ شامی فوج پر حملہ کر دیا اور لڑ کر مارے گئے، اسی طرح قبیلہ مراد اور بنو راست اور بنو تمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا، بنو تمیم کے ایک شخص غزوہ بن اُدیہ نے اشعث سے سوال کیا کہ کیا تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقتول کہا جائیں؟ اور غضب ناک ہو کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعث کا کام ہی تمام ہو جاتا، بہت سے آدمیوں نے خود حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاہدہ کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی، محرز بن خنیس نے عرض کیا، امیر المومنین اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے، واللہ میں ڈرتا

ہوں کہ شاید آپ کا انجام برا نہ ہو، غرض ایک معتدبہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کر دی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

تحکیم کا نتیجہ

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے دومۃ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط میں تھا بالاتفاق حکمین کے لیے اجلاس کا مقام منتخب کیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دیا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تھے، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ بھی جو اپنے ورع وتقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے، تحکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لیے دومۃ الجندل میں آئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے پہنچنے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعرؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علاحدہ علاحدہ گفتگو کرکے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انھیں یقین ہو گیا کہ ان دونوں میں اتحاد رائے ممکن نہیں ہے؛ چنانچہ انھوں نے اسی وقت علانیہ پیشن گوئی کی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہوگا، بہر حال دونوں حکم حسب قرار داد گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے، عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ان کی غیر معمولی تعظیم وتوقیر شروع کی تعریف وتوصیف کے پل باندھ دیے، اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے: ابو موسیٰؓ: عمروؓ بن عاص تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟ عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟ ابو موسیٰؓ، عبد اللہ بن عمرؓ نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے، ان کو منصب خلافت پر کیوں نہ متمکن کیا جائے۔ عمرو بن العاصؓ، معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟ ابو موسیٰؓ، امیر معاویہؓ نہ تو اس منصب جلیل کے لیے موزوں ہیں اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے اور عبد اللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔ عمرو بن العاصؓ، میرے لڑکے عبد اللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی فضل ومنقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔ ابو موسیٰؓ، بے شک تمھارا لڑکا صاحب فضل ومنقبت ہے؛ لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کرکے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب ابن طیب عبد اللہ بن عمرؓ کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے، بس آؤ انہی کو مسند خلافت پر بٹھا دیں۔ عمرو بن العاصؓ: ابو موسیٰؓ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔ ابو موسیٰؓ، عمروؓ! تمھارا برا ہو، کشت وخون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم ان کو پھر فتنہ وفساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔ عمرو بن العاصؓ، پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ ابو موسیٰؓ، ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں جس کو چاہے منتخب کرے۔ عمرو بن العاصؓ، مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔ مذکورہ بالا قرار داد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو عبد اللہ بن عباسؓ نے ابو موسیٰؓ کے پاس جا کر کہا" خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت غدار ہے، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے، ابو موسیٰؓ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسی اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں، انھوں نے عرض کیا میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل ومنقبت میں، سن وسال میں، غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں۔ حضرت ابو موسیٰؓ پر عمرو بن العاصؓ کا جادو چل گیا؛ چنانچہ آپ بغیر پس وپیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد وثنا کے بعد کہا" صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے، ابو موسی اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اترے عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا" صاحبو! علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیؓ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں؛ لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بہت نیک دل اور سادہ دل بزرگ تھے، اس خلاف بیانی سے ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے، یہ کیا بے ایمانی ہے، سچ یہ ہے کہ تمھاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑو تو بھی ہانپتا ہے، انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث، عمرو بن العاص نے کہا اور آپ پر چارپائے بروکتابے چند کی مثل صادق آتی ہے، مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا، عمرو بن العاصؓ کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی، شریح بن ہانی نے عمرو بن

العاصؓ کو کوڑے سے مارنا شروع کیا، اس طرف سے ان کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا؛ لیکن بات بڑھنے نہیں پائی اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کرکے رفت وگذشت کر دیا، حضرت ابوموسیٰؓ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ اس وقت مکہ روانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خوارج کی سرکشی

پہلے گذر چکا ہے کہ تحکیم کو حضرت علیؓ کے اعوان وانصار میں سے معتدبہ جماعت نے ناپسند کیا تھا؛ چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ تشریف لائے تو اس نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر حرداء میں اقامت اختیار کی، حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو سمجھانے کے لیے بھیجا، انھیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ ومباحثہ کے بعد راضی کرکے سب کو کوفہ لے آئے یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیرؓ نے ان کی خاطر داری کے لیے تحکیم کو کفر تسلیم کرکے اس سے توبہ کی ہے، حضرت علیؓ کے کان میں اس کی بھنک پہنچی تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا، پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کرکے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کر دوں، خدا کی قسم ! یہ نہیں ہو سکتا، حاضرین میں اُس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے وہ سب ایک ساتھ چلا اٹھے "لا الحکم الا اللہ" یعنی فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہے اور ایک شخص نے سامنے آکر نہایت بلند آہنگی سے کہا: وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۝ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ [147] "اے محمد تم اور تمہارے قبل انبیا پر یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں دوسرے کو شریک بنایا تو تمھارے سب اعمال بیکار ہو جائیں گے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہوں گے۔" حضرت علیؓ نے برجستہ جواب دیا: فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ تو صبر کر، خدا کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تیرا استخفاف نہ کریں۔ غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کرلی، دومۃ الجندل کی تحکیم کا افسوس ناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ میں جس قدر اس فرقہ کے لوگ موجود تھے وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور عام طور پر قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، پھر ان دونوں حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں اور اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے؛ چنانچہ انھوں نے عبداللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بیدردی سے قتل کر دیا، اسی طرح ام سنان اور صیداویہ کو مشق ستم بنایا اور جو انھیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا تلوار کے گھاٹ اتار دیا، حضرت علیؓ کو ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافت حال کے لیے بھیجا، خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ جناب مرتضیٰؓ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرمارہے تھے؛ لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اور قتل وغارت اس حد تک پہنچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کرکے ان خارجیوں کی تنبیہ کے لیے نہروان کا قصد کرنا پڑا۔[148][149]

معرکہ نہروان

نہروان پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث ومباحثہ کرکے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں، جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار ابن الکوا کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا لیکن ان کے قلوب تاریک ہو چکے تھے، اس لیے ارشاد وہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے اور جناب امیرؓ نے مجبور ہو کر فوج کو تیاری کا حکم دیا، میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شیث بن ربعی، پیادہ پر حضرت ابوقتادہ انصاریؓ اور سواروں پر حضرت ابوایوب انصاریؓ کو متعین کرکے باقاعدہ صف آرائی کی۔ خارجیوں میں ایک جماعت ایسی تھی جس کو حیدر کرارؓ سے جنگ آزمائی ہونے میں پس وپیش تھا، ایک بڑا گروہ کوفہ چلا گیا اور ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کرکے علم حیدری کے نیچے پناہ لی اور عبداللہ بن وہب الراسبی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے لیکن یہ سب منتخب اور جانباز تھے اس لیے انھوں نے میمنہ اور میسرہ پر اس زور کا حملہ کر دیا کہ اگر جاں نثاران علیؓ میں غیر معمولی ثبات واستقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا، خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے علاحدہ ہو جاتے تھے؛ لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا، شریح بن ابی ادنی کا ایک پاؤں کٹ گیا تو تنہا ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر

لڑتا رہا، اسی طرح خارجی ایک ایک کرکے کٹ کر مر گئے، جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے خارجی مقتولین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی؛ چنانچہ تمام علامات کے ساتھ ایک لاش برآمد ہوئی تو فرمایا اللہ اکبر! خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا۔ "جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا؛ لیکن اشعث بن قیس نے کہا" امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہوگئے ہیں، تلواروں کی دھاریں مڑ گئی ہیں، نیزوں کے پھل خراب ہوگئے ہیں، اس لیے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب وسامان درست کرلینا چاہیے، جناب امیرؓ نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کرکے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا؛ لیکن لوگ تیار ہونے کی بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کوفہ کھسکنے لگے، یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی۔ حضرت علیؓ نے یہ رنگ دیکھا تو سردست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کردیا اور کوفہ واپس جاکر اقامت اختیار کی۔[150][151][

مصر کے لیے کش مکش

پہلے گذر چکا ہے کہ جناب حضرت علی مرتضیٰؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کرکے نئے عمال مقرر کیے تھے؛ چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیس بن سعد انصاریؓ کے سپرد ہوئی تھی، انھوں نے حکمت عملی سے تقریباً تمام اہل مصر کو جناب امیرؓ کی خلافت پر راضی کرکے ان سے آپ کی بیعت لے لی صرف قصبہ خرتبا کے لوگوں کو تامل ہوا اور انھوں نے کہا جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں اس وقت تک ان سے بیعت کے لیے اصرار نہ کیا جائے البتہ والی مصر کی اطاعت وفرماں برداری میں کوتاہی نہ کریں گے اور نہ ملک کے امن وسکون کو صدمہ پہنچائیں گے، قیس بن سعد نہایت پختہ کار اور صاحب تدبیر تھے، انھوں نے اس بھڑ کے چھتے کو چھیڑنا خلافِ مصلحت سمجھا اور انھیں امن وسکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی، اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خرتبا مطیع وفرماں بردار ہوگئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انھوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔ جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر وہ دوسری طرف سے قیس بن سعد اہل مصر کو لے کر شام پر چڑھ آئے تو بڑی دقت کا سامنا ہوگا، اس لیے انھوں نے قیس بن سعد کو خط لکھا کر اپنا طرفدار بنانا چاہا قیس بن سعدؓ نے دنیاسازی کے طور پر نہایت گول جواب دے کر ٹال دیا، امیر معاویہؓ فوراً اس کو تاڑ گئے اور ان کو لکھا کہ تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو، مجھ جیسا شخص کبھی تمھارے دام فریب کا شکار نہیں ہوسکتا افسوس تم اس کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ سا اشارہ مصر کو پامال کرسکتا ہے قیس بن سعدؓ نے اس تحریر کا جواب نہایت سخت دیا اور لکھا کہ تمھاری دھمکی سے نہیں ڈرتا، خدا نے چاہا تو خود تمھاری اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ حضرت قیس بن سعد نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر غزوات میں انصار کے علم بردار رہے تھے، امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ ان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائے گی تو انھوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی تدبیر کی ان کے متعلق مشہور کردیا کہ قیس بن سعدؓ میرے طرفدار ہیں، رفتہ رفتہ یہ افواہ دربارِ خلافت پہنچی، محمد بن ابی بکرؓ وغیرہ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خرتبا کے بیعت نہ کرنے کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا۔ جناب امیرؓ نے اس افواہ سے متاثر ہوکر قیس بن سعدؓ کو خرتبا والوں سے بیعت کے لیے لڑنے کا حکم دیا، انھوں نے جواب دیا کہ خرتبا تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے اس میں بسر بن ارطاۃ، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزما بہادر موجود ہیں، ان سے لڑائی خریدنا مصلحت نہیں ہے جب دربارِ خلافت سے مکرر اصرار ہوا تو انھوں نے استعفادے دیا، قیس کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ والی مصر مقرر ہوئے، یہ کمسن ناتجربہ کار تھے، ان کے طرزِ عمل نے مصر میں شورش وبے چینی کی آگ بھڑکا دی اور انھوں نے خرتبا والوں سے چھیڑ کرکے ان کو آمادہ پرخاش کردیا، حضرت علیؓ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے معرکہ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا کہ وہ محمد بن ابی بکر کو سبکدوش کرکے ملک کے حالات درست کریں؛ لیکن امیر معاویہؓ نے راستے میں زہر دلا کر اشتر نخعی کا کام تمام کرادیا اور عمرو بن العاصؓ کے ماتحت ایک زبردست مہم مصر روانہ کی، محمد بن ابی بکرؓ کے لیے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا، تاہم دوہزار کی جمعیت فراہم کرا کے وہ اس جانبازی سے لڑے کہ عمرو بن العاصؓ کو معاویہ بن خدیج رئیس خرتبا کی مدد طلب کرنی پڑی؛ لیکن اس دوران میں حضرت امیر معاویہؓ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آکر پیچھے سے گھیر لیا اور محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی یا تو مارے گئے یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے، محمد بن ابی بکرؓ نے بھی ایک ویران کھنڈر میں پناہ لی؛ لیکن عمرو بن العاصؓ کے جاسوسوں نے ڈھونڈ نکالا اور معاویہ بن خدیج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کرکے لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال دیا، اس افسوسناک طریقہ پر 38ھ میں مصر کی

قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور حضرت علیؓ اپنی مجبوریوں کے باعث محمد بن ابی بکر کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اسی سال یعنی 38ھ میں امیر معاویہؓ نے اہل بصرہ کو جناب مرتضٰی کی اطاعت سے برگشتہ کرکے اپنی حکومت کا طرفدار بنانے کے لیے عبد اللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا، عبد اللہ کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی، قبیلۂ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور حضرت علیؓ کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حدان میں پناہ گزین ہونا پڑا، بارگاہ خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؓ نے عین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور کیا؛ لیکن قبل اس کے کہ انھیں کامیابی ہو، امیر معاویہؓ کے ہواخواہوں نے ناگہانی طور پر قتل کر دیا، عین بن ضبیعہ کے بعد جناب امیر نے جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا، انھوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہنچ کر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا اور ان کی پناہ گاہ کو نذر آتش کرکے خاک سیاہ کر دیا اور اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی، امیر المومنین کے ترحم نے عفو عام کا اعلان کیا۔

بغاوتوں کا استیصال

جنگ نہروان میں گو خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ملک میں موجود تھیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں؛ چنانچہ ایک خارجی خریت بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں، مرتدوں اور نو مسلموں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد بن حفصہ اور ایک روایت کے مطابق معقل بن قیس کو جب رامہرمز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی، ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا اور ان کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ طریق عمل

جنگ صفین کے التواء اور مسئلہ تحکیم نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق واختلاف ڈال کر خارجیوں کو پیدا کر دیا اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آپ کے مخصوص ہمدموں اور جانثاروں کے عزم وارادے بھی پست ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگے، جناب امیرؓ نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا، پرجوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایت حق کی دعوت دی اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگِ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی؛ لیکن شیعان علیؓ کے دل ایسے پژمردہ ہو گئے تھے اور ان کی ہمتیں ایسی پست ہو چکی تھیں کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے، اس سلسلے کے جو خطبے حضرت علیؓ کی طرف منسوب اور نہج البلاغۃ میں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کی اس سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا، امیر معاویہؓ اس حقیقت حال سے ناواقف نہ تھے، انھوں نے شیعان علی کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کی بجائے اب جارحانہ قدم اُٹھایا اور 39ھ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے حجاز، عراق اور جزیرہ میں پھیلا دیے کہ وہ بے امنی پھیلا کر جناب مرتضیٰؓ کو پریشانیوں میں اضافہ کریں؛ چنانچہ نعمان بن بشر نے دوہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر، عبد اللہ بن مسعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیماء پر ضحاک بن قیس نے واقصۃ کے نشیبی حصہ پر اور امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کرکے بیت المال لوٹ لیا اور شیعان علیؓ کو تہ تیغ کرکے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردن اطاعت خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا

حیدر کرار کی ہمت مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہؓ کے حملہ آور دستوں کو ممالک مقبوضہ سے نکال دیا، تاہم اس سے ایک عام بے امنی اور بے رعبی پیدا ہو گئی، کرمان وفارس کے عجمیوں نے بغاوت کرکے خراج دینے سے انکار کر دیا، اکثر صوبوں نے اپنے یہاں کے علوی نکال دیے اور ذمیوں نے خود سری اختیار کر لی، حضرت علیؓ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، لوگوں نے عرض کیا، زیاد بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لیے کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا، اس لیے زیاد اس مہم پر مامور ہوئے، انھوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کرکے امن وسکون پیدا کر دیا، بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی

باغیوں کے ساتھ اس لطف و مدارت کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا، ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ کے طریق جہانبانی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلادی۔

فتوحات

گذشتہ حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ علی بن ابی طالبؓ کو اندرونی شورشوں اور خانگی جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، تاہم آپ بیرونی امور سے غافل نہ رہے؛ چنانچہ سیستان اور کابل کی سمت میں بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے، ان کو قابو میں کرکے آگے قدم بڑھایا، [152] اور 38ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی، اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا، مسلمان رضاکار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا۔[153]

حجاز اور عرب کے قبضہ کے لیے کشمکش

حضرت امیر معاویہؓ نے 40ھ میں پھر از سر نو چھیڑ چھاڑ شروع کی اور بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا، اس نے بغیر کسی مزاحمت و جنگ کے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کرکے یہاں کے باشندوں سے زبردستی امیر معاویہؓ کے لیے بیعت لی، پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا، حضرت ابو موسی اشعری ضی اللہ عنہ نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبید اللہ بن عباس کو بسر بن ابی ارطاۃ کے حملہ کے اطلاع کردی اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ معاویہؓ کی حکومت تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیتا ہے، عبید اللہ بن عباس نے اپنے کو اس مقابلہ ے عاجز دیکھ کر عبد اللہ بن عبد المدان کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود دربار خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی، بسر بن ابی ارطاۃ نے یمن پہنچ کر نہایت بے دردی کے ساتھ عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں اور شیعان علی کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر ترکتاز شروع کر دی اور یہاں کی محافظ سپاہ کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا، حضرت علیؓ کو بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم کا حال معلوم ہوا تو آپؓ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے یمن و حجاز کی مہم پر مامور کیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں پرجوش خطبے دے کر لوگوں کو حدود عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا اور یہ تقریریں ایسی مؤثر تھیں کہ اہل کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی فوری طور پر روح پیدا ہو گئی اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی؛ لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف تین سو آدمی رہ گئے، جناب مرتضٰی کو اہل کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت صدمہ ہوا، حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کیا، امیر المومنین بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گے، عام منادی کرادیں کی بلا استثناء ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف چلنا پڑے گا جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی، اب صورت حال ایسی تھی کہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اس کا اعلان عام کر دیا اور معقل کو رساتیق بھیجا کہ وہاں سے جس قدر بھی سپاہی مل سکیں جمع کرکے اسے لے آئیں؛ لیکن یہ تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے جان بحق پلا دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

شہادت

اس جانگداز اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک تین آدمی علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ صفحہ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہو سکتی؛ چنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے، عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا کہ میں علیؓ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں، اسی طرح نزال نے معاویہؓ اور عبد اللہ نے عمرو بن العاص کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے، کوفہ پہنچ کر ابن ملجم کے ارادہ کو قطام نامی ایک خوب صورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا، اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا اور جناب مرتضٰی کے خون کا مہر قرار دیا۔ 19 رمضان 40ھ (660ء) میں تینوں نے ایک ہی روز صبح

کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اتفاقی طور پر بچ گئے امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا، عمرو بن العاص اس دن امامت کے لیے نہیں آئے تھے، ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا وہ عمرو بن العاص کے دھوکا میں مارا گیا، جناب مرتضٰی کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا، آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابن ملجم کو جو مسجد میں آ کر سو رہا تھا، جگایا، جب آپ نے نماز شروع کی اور سر سجدہ میں اور دل راز و نیاز الٰہی میں مصروف تھا کہ اسی حالت میں شقی ابن ملجم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا، سر پر زخم آیا اور ابن ملجم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا، [154] حضرت علیؓ اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اس لیے حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کیے اور محمد بن حنفیہؒ کے ساتھ لطف و مدارت کی تائید کی، جندب بن عبد اللہ نے عرض کیا امیر المومنین ! آپ کے بعد ہم لوگ امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں، فرمایا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا تم لوگ خود اس کو طے کرو، اس کے بعد مختلف وصیتیں کیں، قاتل کے متعلق فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا، [155] تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا اور اسی روز یعنی 20/رمضان 40ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، حضرت امام حسنؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی، نماز جنازہ میں چار تکبیروں کی بجائے پانچ تکبیریں کیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تجہیز و تکفین کی اور پشتِ کوفہ پر نجف کی سرزمین میں دفن کیے گئے۔[156][157][

خلافت مرتضوی پر ایک نظر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہوا اور اس پنج سالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا، اس لیے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا دروازہ تقریباً بند ہو گیا، ملکی انتظام کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت ان کو نہ مل سکی؛ لیکن ان گوناں گوں مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے؛ لیکن ان کارماموں پر نظر پڑنے سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق اختلاف اور شر و فساد کے اسباب کیا تھے؟ حضرت علیؓ نے کس تحمل، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضٰی نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا ہے اس وقت نہ صرف دار الخلافہ؛ بلکہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، اس نے مسلمانوں کے جذبہ غیظ و غضب کو مشتعل کر دیا، یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے انھوں نے بھی مفسدین کی اس جسارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا؛ چنانچہ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے شاکی ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا۔ دوسری طرف شام میں بنوامیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے، ان کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا؛ چنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفہ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؓ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے۔ 1۔ حضرت علیؓ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔ 2۔ اپنی خلافت میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔ 3۔ محاصرہ کرنے والوں کو قوتِ بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیے۔ یہ وجوہ تمام جنگوں کی بنا قرار پائے، اس لیے غور کرنا چاہیے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے اور جناب مرتضیٰؓ کس حد تک اس میں معذور تھے، پہلا سبب یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؓ ہی پر نہیں؛ بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتدا ہوئی چنانچہ انصار کرام بنوامیہ اور دوسرے وابستگان خلافت نے جب اپنے کو جاں نثاری کے لیے پیش کیا تو حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی کے ساتھ کشت و خون سے منع کر دیا۔ جناب مرتضیٰؓ نے اس باب میں جو کچھ کیا، ان کے لیے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا؛ چنانچہ پہلی مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا؛ لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مروان کی غداری نے ان کی آتش غیظ و غضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہیں ہو سکتی تھی، ام المومنین ام حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا، تو مفسدین نے ان کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی اسی طرح حضرت علیؓ نے سفارش کی کہ آب و دانہ کی بندش نہ کی جائے تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کیا، حضرت علیؓ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے، [158] اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ بھی آزاد نہ تھے اور مفسدین نے ان لوگوں کی

نقل و حرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی؛ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسن نے اپنے پدر گرامی سے عرض کیا کہ اگر آپ میری گزارش پر عمل کرکے محاصرہ کے وقت مدینہ منورہ چھوڑ دیتے تو مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا، اس وقت جناب امیر نے یہی جواب دیا تھا کہ تمھیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید۔ البتہ قاتلوں کو سزا دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے، اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ اشخاص ہیں جنھوں نے براہ راست قتل میں حصہ لیا تو بے شک انھیں کیفر کردار تک پہنچانا حضرت علیؓ کا فرض تھا؛ لیکن جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، پوری تفتیش و تحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا، اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں بہایا جاسکتا تھا اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی، اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرام اور بہت سے صلحائے روزگار بھی شامل تھے جن کا مطمح نظر صرف طلب اصلاح تھا، ان لوگوں کو قتل کر دینا یا امیر معاویہؓ کے خنجر انتقام کے نیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا۔ امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے؛ لیکن حضرت علی بن ابی طالبؓ اس میں مجبور تھے، اس وقت دنیائے اسلام مین تین فرقے پیدا ہو گئے تھے، شیعۂ عثمانؓ، یعنی عثمانی فرقہ جو علانیہ جناب امیرؓ کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، دوسرا گروہ اکابر صحابہؓ کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برحق سمجھتا تھا؛ لیکن اپنے ورع و تقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا؛ چنانچہ جب حضرت علیؓ نے مدینہ منورہ سے کوفہ کا قصد کیا اور صحابہ کرام سے چلنے کے لیے کہا تو بہت سے محتاط صحابہ نے معذرت کی، حضرت سعد وقاصؓ نے کہا" مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے، میں صرف اسی صورت میں جانبازی کے لیے حاضر ہوں" حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا، خدا کے لیے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لیے مجبور نہ کیجئے، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرائے اس زور سے اسے جبل احد پر پٹک ماروں گا وہ ٹکڑ ٹکڑے ہو جائے گی، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا امیر المومنین! مجھے معاف کیجئے میں نے عہد کیا کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا، غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا، تیسرا گروہ شیعان علیؓ کا تھا جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے یا وہ ان کے زیر اثر تھے، اس لیے جناب امیر خواہ مخواہ بے رخی کرکے اس بڑی جماعت کو قصداً اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے، تاہم آپ نے ان لوگوں کو مقرب خاص بنایا جو درحقیقت اس کے اہل تھے، حضرت عمار بن یاسرؓ ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہ نبوت تھے، محمد بن ابی بکرؓ خلیفہ اول کے بیٹے اور آغوش حیدرؓ کے تربیت یافتہ تھے، اسی طرح اشتر نخعی ایک صالح نیک سیرت اور جان نثار تابعی تھے۔ غرض اسباب و علل جو بھی رہے ہوں اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو؛ لیکن یہ واقعہ کہ جناب مرتضیٰ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی یکایک دنیائے اسلام میں افتراق واختلاف کی آگ بھڑک اُٹھی اور شیرازہ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جناب مرتضیٰؓ کی سعی اور جدوجہد کے باوجود پھر اوراق پریشاں کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا اور اسلام کے سررشتہ نظام میں فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑ گئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حل نہیں ہو سکتی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب عنان خلافت ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت دنیائے اسلام نہایت پرآشوب تھی؛ لیکن دونوں حالتوں میں بین فرق ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے گو مصائب کا طوفان امنڈ رہا تھا؛ لیکن یہ کفر وارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا، اس لیے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے، کل صحابہ ان کے معین ومددگار تھے، پھر خود حریف طاقتوں میں ہوا وہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا اس لیے ان کو زیر کر لینا نسبتاً آسان تھا، اس کے برخلاف جناب امیر کے مقابلہ میں جو لوگ تھے وہ نہ صرف مسلمان تھے؛ بلکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہؓ، آپ کے پھوبھی زاد اور ہم زلف وحواری رسول حضرت زبیر بن العوامؓ مبشر بالجنتہ صحابی اور غزوہ احد کے سپاہی جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سارا بدن چھلنی ہو گیا تھا اور اس صلہ میں انھیں بارگاہ نبوت سے خیر کا لقب ملا تھا، جیسے اکابر امت تھے ان کے علاوہ امیر معاویہ والیٔ شام جیسے مدبر تھے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا بھی شرف حاصل تھا اور عمرو بن العاص فاتح مصر جیسے سیاست دان تھے جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسرحق سمجھتا تھا، ساتھ ہی ان کو ایسے جاں نثار ووفاشعار ملے تھے جن کی مثالیں شیعان علیؓ میں کم تھیں اس لیے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا عہدہ برآ ہونا بہت دشوار تھا۔ حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زہد واتقاء دینداری امانت، عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب سے لوگوں کے قلوب میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی تھی، ایک طرف امیر معاویہؓ اپنے طرفداروں کے لیے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے، دوسری طرف حضرت علیؓ ایک ایک خرمہرہ کا حساب لیتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضرت علیؓ کے طرفدار اور ان کے بعض اعزہ تک دل برداشتہ ہو کر ان سے جدا ہو گئے تھے؛ لیکن بہرحال حق حق ہے اور باطل باطل، باطل کے مقابلہ میں حق کی شکست سے اس کی عظمت میں

فرق نہیں آتا، اگر حضرت علیؓ ایسا نہ کرتے اور سیاسی حیثیت سے وہ کامیاب بھی ہو جاتے تو زہد تقویٰ اور دیانت وامانت کی حیثیت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے، ان کی سیاسی ناکامی کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ ان کے طرفداروں اور حامیوں میں پورا اتحاد خیال اور کامل خلوص نہ تھا، اس جماعت میں ایک بڑا طبقہ عبد اللہ بن سبا کے پیروؤں کا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جناب مرتضیٰؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علیؓ کو انسان سے بالاتر ہستی ؛بلکہ بعض خدا تک کہنے لگے، حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں؛ لیکن جو وباء پھیل چکی تھی اس کا دور کرنا آسان نہ تھا، اس فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا، واقعہ جمل میں ممکن تھا کہ صلح ہو جاتی؛ لیکن اسی جماعت نے پیش دستی کر کے جنگ شروع کر دی۔ دوسری جماعت قراء اور حفاظ قرآن کی تھی جو ہر معاملہ میں قرآن پاک کی لفظی پابندی چاہتی تھی، معنی اور مفہوم سے اس کو چنداں سروکار نہ تھا؛ چنانچہ واقعہ تحکیم کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ حضرت علیؓ کے حاشیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو در حقیقت جاں نثار و وفا شعار تھے؛ لیکن معرکہ صفین میں کامل جد وجہد کے بعد در مقصود تک پہنچ کر غنیم کی چال سے محروم واپس آنا نہایت ہمت شکن واقعہ تھا، اس نے تمام جاں نثاروں کے حوصلے اور ارادے پست کر دئے تھے، غرض ان تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود جناب مرتضیٰؓ نے غیر معمولی ہمت واستقلال اور عدیم النظیر عزم وثبات کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک ان مشکلات ومصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل وسلامت روی کا نمونہ پیش کیا اور اپنی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانت داری اور شریعت سے سر مو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا، اگر آپ تھوڑی سی دنیا داری سے کام لیتے تو کامیاب ہو جاتے؛ لیکن دین ضائع ہو جاتا جس کا بچانا ایک خلیفہ راشد اور جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا معرکہ اصلی فرض تھا۔

ملکی نظم ونسق

حضرت علی رضی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے (جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلاوطن کر کے نجران میں آباد کرایا تھا) نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے، حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ عمر بن خطابؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے۔[159]

عمال کی نگرانی

ملکی نظم ونسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے، حضرت علی بن ابی طالبؓ نے اس کا خاص اہتمام مدنظر رکھا، وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصائح کرتے تھے،[160] وقتاً فوقتاً عمال وحکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب کعب بن مالکؓ کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی: اخرت فی طائفۃ من اصحابک حتی تمر بارض السواد کورۃ فتسالہم عن عمالہم وتنظرفی سیرتہم تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھرو، عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر ڈالو۔" عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بدعنوانیوں کی سختی سے بازپرس فرماتے تھے، ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچسو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے، کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا، مصقلہ نے کہا خدا کی قسم عثمانؓ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی؛ لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضا کرتے ہیں اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہؓ کی پناہ میں چلے گئے، جناب امیر کو معلوم ہوا تو فرمایا: برحہ اللہ فعل فعل السید وفرفرار العبد وخان خیانۃ الفاجراما واللہ لوانہ اقام فعجز ماز دنا علی حبس فان وجد نالہ شیئا اخذ ناہ وات لم نقتہ علی مال ترکناہ خدا اس کا برا کرے اس نے کام تو سید کا کیا؛ لیکن غلام کی طرح بھاگا اور فاجر کی طرح خیانت کی خدا کی قسم اگر وہ مقیم ہوتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا دیتا اور اگر اس کے پاس کچھ ہوتا تو لیتا ورنہ معاف کر دیتا۔" اس بازپرس سے آپ کے مخصوص اعزہ واقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے، ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی، حضرت علیؓ نے چشم نمائی فرمائی تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے؛ لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔[161]

صیغۂ محاصل

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں، آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا، آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل ملکی کے ضمن میں داخل کیا گیا؛ چنانچہ برس کے جنگل پر چار ہزار درہم مالگذاری تشخیص کی گئی۔[162] عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گھوڑے زکوۃ سے مستثنیٰ تھے؛ لیکن عہد فاروقی میں جب عام طور سے اس کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوۃ مقرر کردی، حضرت علی بن ابی طالبؓ کے نزدیک تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا ضروری تھا اس لیے آپ نے اپنے زمانہ میں زکوۃ موقوف کردی۔[163] گو آپ محاصل ملکی وصول کرنے میں نہایت سخت تھے؛ لیکن اسی کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال رکھا تھا؛ چنانچہ معذور اور نادار آدمیوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی تھی۔ [164]

رعایا کی ساتھ شفقت

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود رعایا کے لیے سایۂ رحمت تھا، بیت المال کے دروازے غرباء اور مساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کردی جاتی تھی، ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا، ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بارہا بغاوتیں ہوئیں؛ لیکن حضرت علیؓ نے ہمیشہ نہایت ترحم سے کام لیا، یہاں تک کہ ایرانی اس لطف وشفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے، خدا کی قسم! اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کردی۔[165]

فوجی انتظامات

حضرت علیؓ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی، اس لیے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کیے؛ چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں، 40ھ میں جب امیر معاویہؓ نے عراق پر عام یورش کی تو پہلے انہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا، اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مستحکم قلعے بنوائے، اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلہ میں بنا تھا، [166] جنگی تعمیر کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکہ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا لائق ذکر ہے۔

مذہبی خدمات

امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت، تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے، حضرت علیؓ عہد نبوت ہی سے ان خدمات میں ممتاز تھے؛ چنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی ان ہی کی کوشش سے پھیلی تھی، سورۂ براۃ نازل ہوئی تو اس کی تبلیغ واشاعت کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی۔ مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے، ایران اور آرمینیہ میں بعض نو مسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے حضرت علیؓ نے نہایت سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی اور ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدت غلو میں جناب علی مرتضیٰؓ کو خدا کہنے لگے تھے، سزا دینے میں بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔ حضرت علیؓ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا، مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں، مثلاً زندہ جلانا، مکان مسمار کرا دینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ؛ لیکن اس سے قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت علیؓ حدود کے اجراء میں کسی اصول کے پابند نہ تھے، زندہ جلا دینے کی سزا صرف چند زندیقوں کو دی تھی؛ مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے تو آپ نے اس فعل پر ندامت ظاہر کی، (سنن ترمذی حدود مرتد) شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی، حضرت علیؓ نے اس کے لیے اسی کوڑے تجویز کیے۔[167] درے

مارنے والوں کو ہدایت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں، عورتوں کے لیے حکم تھا کہ ان کو بٹھا کر سزا دیں اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپا دیں کہ کوئی عضو بے ستر نہ ہونے پائے، اسی طرح رجم کی صورت میں ناف تک زمین میں گاڑ دینا چاہیے۔[168] اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ سمجھتے تھے؛ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا امیر المومنین! میں نے چوری کی ہے، حضرت علیؓ نے غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا؛ لیکن جب اس نے پھر مکرر حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا اور اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔[169] تنہا جرم کا ارادہ اور اس کے لیے اقدام بغیر جرم کیے ہوئے مجرم بنانے کے لیے کافی نہیں ہے؛ چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا، حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کی،[170] جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں، ان پر حد جاری کرنے کے لیے وضع حمل کا انتظار کیا جاتا تھا تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے، جس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا؛ لیکن جو لوگ محض اپنے فسق وفجور کے باعث نظر بند کیے جاتے تھے، وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا، ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا۔[171][172][173]
][177]176]،[175][174].

تعزیزی سزا

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے جو بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں وہ دراصل تعزیزی سزائیں تھیں، حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی اس قسم کی سزائیں جاری کی تھیں؛ چنانچہ ان کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسی کوڑوں کی بجائے سو کوڑے لگوائے، کیونکہ اس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بھی بے حرمتی کی تھی۔

فضل وکمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہ نبوت میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا موقع ملا جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، مسند میں خود ان سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا،[178] اور تقرب کا درجہ میرے سوا کسی اور کو خاص نہ تھا،[179] ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دو بار اس قسم کا موقع ملتا تھا،[180] اکثر سفر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں سفر سے متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، ایک مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے "مسح علی الخفین" کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اس کے لیے حضرت علیؓ کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے،[181] شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخلفاء میں بارگاہ رسالت میں جناب امیر کے اس تقرب وتربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے؛ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت نقل کرکے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں، کسی صحابی کے نہیں ہیں، اس کی تشریح یہ کی ہے: "عبد ضعیف گوید سبب ایں معنی اجتماع دو جہت است، در مرتضیٰؓ یکے رسوخ اودر سوابق اسلامیہ، دوم قرب قرابت او با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وآں جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام او صل ناس بار حام واعرف ناس بحقوق قرابت بودند باز چوں عنایت الٰہی مساعدت نمود، حضرت مرتضیٰ را در کنارِ تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انداخت مرتبہ قرابت در بالا شد وکرامت دیگر در کار او کردندؓ باز چوں حضرت فاطمہ زہراؓ عقد او دادند مزید فضیلت باد یار شد"۔[182] آپ کے تقرب واختصاص کی بنا پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے،[183] بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر بھی فرماتے تھے،[184] چند مخصوص حدیثیں بھی قلمبند کرلی تھیں،[185] غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتدا ہی سے علم وفضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی اس لیے صحابہ کرام میں آپ غیر معمولی تجربہ اور فضل وکمال کے مالک اور "انامدینۃ العلم وعلی بابھا" (میں علم کا گھر اور علی اس کا دروازہ ہیں) کے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے۔ (جامع ترمذی مناقب علی مرتضیٰؓ میں ہے "انا دار الحکمۃ وعلی بابھا" لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے، حاکم نے[186] اس روایت کے متعلق متعدد راویوں کو جمع کیا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے؛ لیکن امام ذہبی نے ان کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے) نوشت وخواند کی تعلیم آپ

نے بچپن ہی میں حاصل کی تھی؛چنانچہ ظہور اسلام کے وقت جبکہ آپ کی عمر بہت کم تھی آپ لکھناپڑھنا جانتے تھے،[187]اسی لیے ابتداہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری کام انجام دیتے تھے؛چنانچہ کاتبان وحی میں آپ کا بھی نام ہے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو مکاتیب وفرامین لکھے جاتے تھے ان میں بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے تھے؛چنانچہ حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔[188]،[189].[190]،[191]،[192]

تفسیر اور علوم القرآن

اسلام کے علوم ومعارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے،حضرت علی مرتضیؓ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب اور ان صحابہ میں تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کرلیا تھا؛بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شان نزول سے واقف تھے،ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتاسکتا ہوں کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی،[193]چنانچہ حضرت علیؓ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ کے سوااس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے؛چنانچہ ان تمام تفسیروں میں فن کا مدار روایتوں پر ہے،مثلاًابن جریر طبری،ابن ابی حاتم،ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیات کی تفسیریں منقول ہیں،ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا تھا،ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے۔قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں خوارج نے اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوااور کسی کو حاصل نہیں ان الحکم الا اللہ، توآپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عالموں کو جمع کرکے فرمایا کہ میاں بیوی میں جب اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالی حکم بنانے کی اجازت دے وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا[194]،اور امت محمدیہ میں جب اختلاف رائے ہوجائے تو حکم بنانا ناجائز ہو؟کیا تمام امت محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے۔[195]علم ناسخ اور منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور اس کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے اور جن لوگوں کو اس میں درک نہ ہوتا،ان کو درس وعظ سے روک دیتے تھے؛چنانچہ کوفہ میں جامع مسجد میں جو شخص وعظ وتذکیر کرنا چاہتا تھا،اس سے پہلے آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کو ناسخ ومنسوخ کا بھی علم ہے،اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو اس کو زجر وتوبیخ فرماتے تھے اور درس ووعظ کی اجازت نہ دیتے۔آیات کی تفسیر وتاویل کے متعلق آپ سے اس کثرت سے روایتیں ہیں کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے توایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے اسی لیے یہاں ان کو نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ان ظاہری علوم کے علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں،ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اگاتا ہے اور جو جان کو(جسم کے اندر)پیدا کرتا ہے،قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں؛لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت(فہم)یہ دولت خدا جس کو چاہے دے،[196]ان کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں،اس موقع میں حضرت علیؓ نے جو قسم کھائی ہے اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے اور اس کے معنی ومقصود کی مثال درخت کی ہے جو اس تخم سے پیدا ہوتا ہے اور جان کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے،یعنی جس طرح ایک چھوٹے سے تخم نے اتنا بڑا عظیم الشان درخت پیدا ہوجاتا ہے جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا اور روح سے جو جسم میں چھپی رہتی ہے،تمام اعمال انسانی کا ظہور ہوتا ہے،اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ سے جو بمنزلہ جسم کے ہیں،معنی ومطالب نکلتے ہیں۔[86][87]

علم حدیث

جناب مرتضیؓ بچپن سے لے کر وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک تیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ورفاقت میں بسر کیے،اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام وفرائض اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے،پھر تمام اکابر صحابہؓ میں وفاتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ آپ نے عمر پائی،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشادات وافادات کی مسند پر جلوہ گر رہے،خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہم کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی، ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہااس لیے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا، اسی لیے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے؛لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشتر خلفاء اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور متشدد تھے، اس لیے دوسرے کثیر الروایۃ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں؛ چنانچہ آپ سے کل 586 حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیس حدیثوں پر بخاری ومسلم دونوں کا اتفاق ہے اور 9 حدیثیں صرف بخاری میں ہیں مسلم میں نہیں ہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں ہیں، غرض صحیحین میں آپ کی کل 39 حدیثیں ہیں۔آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے رفقااور ہمعصروں میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ اپنی حرم محترم حضرت فاطمہ زہراؓ سے روایتیں کی ہیں، آپ کی عترت مطہرہ اور اولاد امجاد میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن حنفیہؒ، عمر، فاطمہ (بیٹے اور صاحبزادیاں) محمد بن عمر بن علی، علی بن حسین بن علیؓ (پوتے) عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (بھتیجے) جعدہ بن ہبیرہ مخزوی (بھانجے) عام اصحاب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، بشیر بن شحیم غفاریؓ، زید بن ارقمؓ، سفینہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صہیب رومیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عمرو بن حریثؓ، نزال بن سبرہؓ، ہلالؓ، جابر بن سمرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوحجیفہؓ، ابوامامہؓ، ابولیلیٰ انصاریؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، مسعود بن حکم زرقیؓ، ابوالطفیلؓ، عامر بن واثلہ، عبیداللہ بن ابی رافع (کاتب) اورام موسیٰؓ (جاریہ)۔تابعین میں زر بن جیش، زید بن وہب، ابوالاسود وئلی، حارث بن سوید التیمی، حارث بن عبداللہ الاعور، حرملہ مولیٰ بن زیدؓ، ابوساسان حفین بن منذر الرقاشی، حجیہ بن عبداللہ الکندی، ربعی بن حرابش، شریح بن ہانی، شریح بن النعمان صائدی، ابووائل شقیق بن سلمہ، شیث بن ربعی، سوید بن غفلہ، عاصم بن ضمرہ، عامر بن شراحیل شعبی، عبداللہ بن سلمہ مرادی، عبداللہ بن شداد بن ہاد، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن معقل بن مقرن، عبد خیر بن یزید المرانی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبیدہ سلیمانی، علقمہ بن قیس النخعی، عمیر بن سعید النخعی، قیس بن عباد البصری، مالک بن اوس بن حدثان، مروان بن حکم اموی، مطرف بن عبداللہ ابن شخیر، نافع بن جبیر بن مطعم، ہانی بن ہانی، یزید بن شریک التیمی، ابوبردہ بن ابی الموسیٰ الاشعری، ابوحیہ وادعی، ابوالخلیل الحضرمی، ابوصالح الحضرمی، ابوالصالح الحنفی، ابوعبدالرحمٰن السلمی، ابوعبیدہ مولی ابن ازہرا، ابوالہیاج الاسدی وغیرہ (یہ فہرست تہذیب التہذیب سے منقول ہے) نے آپ سے فیض پایا ہے۔
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلیہ اقدس، آپ کی نماز ومناجات ودعاونوافل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علیؓ ہی سے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہتے تھے اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا۔[197] احادیث کو قلمبند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے ان میں حضرت علیؓ بھی داخل ہیں، فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اوپر گذری ہے اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا، یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی، اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا، اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔
][199]198]

فقہ واجتہاد

حضرت علی مرتضیٰؓ کو فقہ واجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی،؛بلکہ علم واطلاع کی وسعت سے دیکھا جائے توآپ کی متحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ ماننی پڑے گی،بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت عائشہؓ کو بھی کبھی کبھی حضرت علیؓ کے فضل وکمال کا ممنون ہو ناپڑتا تھا۔فقہ واجتہاد کے لیے کتاب وسنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ سنجی، انتقال ذہنی کی بڑی ضرورت ہے اور حضرت ت علی مرتضیٰؓ کو یہ کمالات خداداد حاصل تھے، مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں آپ کی طباعی اور انتقال ذہنی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں؛لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نظرانداز کرتے ہیں، مثلاًایک واقعہ یہ ہے: ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطابؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی، حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سن کر حضر عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آگئے۔[200] ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا، لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا،

حضرت عثمان بن عفانؓ اس کے جواز کے قائل تھے ،انھوں نے کہا حالت احرام میں خود شکار کرکے کھانا منع ہے؛ لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ دوسروں نے اس سے اختلاف کیا، حضرت عثمان بن عفانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا؟ لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام لیا؛ چنانچہ انھوں نے ان سے جاکر دریافت کیا، حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں تھے، ایک گورخر شکار کرکے پیش کیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں یہ ان کو کھلادو جو احرام میں نہیں ہیں، حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی، اسی طرح آپ نے ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا جس میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈے پیش کیے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا تھا، اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی، یہ سن کر حضرت عثمانؓ اور ان کے رفقا نے اس کے کھانے سے پرہیز کیا۔[201] فقہا میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمانؓ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، بہرحال حضرت علیؓ کا فتویٰ زیادہ محتاطانہ ہے اس لیے حضرت عثمانؓ نے اس کو قبول کرلیا) ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد، کتنے دن تک موزوں پر مسح کرسکتے ہیں؟ فرمایا علیؓ سے جاکر دریافت کرو، ان کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے؛ چنانچہ وہ سائل حضرت علی مرتضیٰؓ کے پاس گیا، انھوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک[202] حضرت علیؓ کے علم اور ان کے اجتہادی قوت اور دقت نظر کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے؛ چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثی مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں، پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت؟ (تاریخ الخلفاء بحوالہ سنن سعد بن منصور مسند ہشیم) فقہی مسائل میں حضرت علیؓ کی وسعتِ نظر کی ایک وجہ یہ تھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے بعض ایسے مسائل جو شرم وحیا اور اپنے رشتہ کی نزاکت کے باعث خود براہ راست نہیں پوچھ سکتے تھے اس کو کسی دوسرے کے ذریعہ سے پوچھوا لیتے تھے؛ چنانچہ مذی کا ناقص وضو ہونا آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کرایا تھا۔ حضرت علیؓ اپنے علم وکمال کی بناپر متعدد مسائل میں عام صحابہ سے مختلف رائے رکھتے تھے، خصوصاً حضرت عثمانؓ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا مثلًا حضرت عثمان حج تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے اس لیے اب جائز نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ اور دوسرے صحابہ ہر حال میں جائز سمجھتے تھے، اسی طرح حالت احرام میں نکاح اور حالت عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔ حضرت علی رضی مرتضیٰؓ کو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے؛ لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام تر کوفہ میں گذرا اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع نہیں پیش آیا اس لیے آپ کے مسائل واجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی، اسی بناپر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہی فیصلوں پر ہے۔[203]

قضا اور فیصلے

حضرت علی مرتضیٰ ان ہی خصوصیات کی بناپر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لیے نہایت موزوں تھے اور اس کو صحابہ عام طور سے تسلیم کرتے تھے، حضرت عمرؓ بن خطاب فرمایا کرتے تھے کہ "اقضانا علی واقرانا ابی" یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لیے سب سے موزوں علی ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں"[204] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوہر شناس نگاہ نے حضرت علیؓ کی اس استعداد وقابلیت کا پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علیؓ کو "اقضاہم علی" کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے؛ چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضاء کے لیے آپ کو منتخب فرمایا، حضرت علیؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالی تمھاری زبان کو راہِ راست اور تمھارے دل کو ثبات واستقلال بخشے گا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا۔[205] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قضاء اور فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے؛ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا "علی! جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف ایک

آدمی کا بیان سن کا فیصلہ نہ کرو، اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔[206] مقدمات میں علم یقین کے لیے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اوران سے سوالات کرنا بھی آپ کے اصول قضامیں داخل تھا، ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم زنا کا اعتراف کیا، آپ نے اس سے پے در پے متعدد سوالات کیے، جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس وقت سزا کا حکم دیا،[207] اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا اور دو گواہ بھی پیش کر دیے آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر تمھاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزا دوں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا، اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئے، اس سے فراغت کے بعد دیکھا کہ دونوں گواہ موقع پا کر چل دیے، آپ نے ملزم کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا۔[208] یمن میں آپ نے دو عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا، یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا پرانی باتیں بھی تازہ تھیں، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا، جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے، نو ماہ بعد اس کے لڑکا ہوا، اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے، ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا، حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کیے، پھر قرعہ ڈالا جس کے نام قرعہ نکلا، اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لے کر دلوا دیے، گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔[209] دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چند لوگوں نے شیر پھنسانے کے لیے کنواں کھودا تھا شیر اس میں گر گیا، چند اشخاص ہنسی مذاق میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے کہ اتفاق سے ایک کا پیر پھسلا اور وہ اس کنوئیں میں گرا، اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بدحواسی میں دوسرے کی کمر پکڑلی وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی، تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا، غرض چاروں اس میں گر پڑے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا، ان مقتولین کے ورثاء باہم آمادہ جنگ ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو اس ہنگامہ و فساد سے روکا اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں یہ فتنہ و فساد مناسب نہیں، میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ پسند نہ ہو تو دربارِ رسالت میں جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو، لوگوں نے رضامندی ظاہر کی، آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا، ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری، ایک ایک تہائی، ،ایک ایک چوتھائی اور ایک آدھی، پہلے مقتول کے ورثاء کو ایک چوتھائی خوں بہا، دوسرے کو ثلث تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خوں بہا دلایا۔ لوگ اس بظاہر عجیب و غریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا۔[210] روایت میں مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق اتنا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لیے ملا کہ فوراً اوپر سے گرا تھا، ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی المرتضیؓ اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثے بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان میں ہیں، غرض قصد اور عدم قصد کے بیچ کی شکل ہے، اس لیے عدم قصد و اتفاق اور قصد و ارادہ ان دونوں میں اس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے اتنا ہی اس کو کم و بیش دلایا گیا، اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا، چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا اس لیے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی، اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے تو اس کو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلا دیا، باقی دو بچے تو دو حصے کر کے نصف تیسرے کا مقرر کیا۔ اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنھوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی تھی، اس لیے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خوں بہا کو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا، پہلا شخص گو اتفاقاً گرا مگر ایک دوسرے کو دھکیلنے کے نتیجہ کو بھی اس میں دخل تھا اس لیے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کا بہت کم دخل تھا اس لیے وہ خوں بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا، یعنی ایک چوتھائی پہلے نے دوسرے کو گویا بالقصد کھینچا، مگر غایت بدحواسی میں اس کو اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا، اس لیے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے، اس لیے وہ تہائی کا مستحق ہوا، دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا اس لیے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا اس لیے اس کو نصف دلایا گیا، تیسرے نے چوتھے کو کھینچا حالانکہ وہ سب سے دور تھا اور گذشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لیے وہ تمام تر قصد و ارادہ سے گرایا گیا، نیز یہ کہ اس نے اپنے اپنے رفقا کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا اس لیے وہ پوری دیت کا مستحق تھا۔ (واللہ اعلم) ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا، دو شخص (غالباً مسافر) تھے، ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آگیا، وہ بھی کھانے میں شریک ہوا، کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی اور آگے بڑھ گیا، جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لی اور دوسرے کو ان کی تین روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہے، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور

نصف کا مطالبہ کیا، یہ معاملہ عدالت مرتضوی میں پیش ہوا، آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمھارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کر لو اس میں زیادہ تمھارا نفع ہے؛ لیکن اس نے کہا کہ حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمھارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہیے، اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر ہو گیا، آپ نے فرمایا کہ تم تین آدمی تھے، تمھاری تین روٹیاں تھیں اور تمھارے رفیق کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا، تمھاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ کیے جائیں تو 9 ٹکڑے ہوتے ہیں، تم اپنے 9 ٹکڑوں اور اس کے پندرہ ٹکڑوں کو جمع کرو تو 24 ٹکڑے ہوتے ہیں، تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے اور ایک تیسرے مسافر کو دیا اور تمھارے رفیق نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیے، اس لیے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا تمھارا رفیق مستحق ہے۔[211] کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے، ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبروریزی کی ہے، فرمایا ملزم کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو، اس کے سایہ کو سو کوڑے مارو۔[212] حضرت علی مرتضیٰؓ کے فیصلے قانون کے نظائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اس لیے ان میں تحریف بھی ہونے لگی؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا تو اس میں کے ایک حصہ کو انھوں نے نقلی بتلایا اور فرمایا کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علیؓ کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔[213][145][214][215[216][

علم اسرار و حکم

دنیا میں اہل حکمت اور متکلمین کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو اپنی عقل و فہم اور علم کی بنا پر ہر شرعی حکم کی جزئی مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتا ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزئی مصالح سے دلچسپی نہیں رکھتا؛ بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول طے کر لیتا ہے اور اللہ تعالی نے ان احکام میں جزئی مصلحتیں رکھی ہیں، ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھتا، صحابہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مذاق علم پہلی قسم کا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذوق فکر دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے، ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی جتنی ان کی عملی کیفیت پر، اسی لیے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا ان کے نزدیک چنداں اہم نہیں کہ انسانی عقل خود ناقص ہے، وہ کسی حکم شرعی کے لیے صحت اور صواب کا معیار نہیں بن سکتی۔ صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا: حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ [217] لوگوں سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہو، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول جھٹلایا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں تو لا محالہ اپنی کوتاہ عقل سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے اور اس طرح سے وہ نادانستگی میں خدا اور رسول کی تکذیب کے جرم کے مرتکب ہوں گے، اس لیے لوگوں سے ان کی عقل کے موافق گفتگو کرنی چاہیے کہ ہر مصالح الٰہی ہر شخص کی سمجھ میں یکساں نہیں آ سکتے ہیں۔ احکام اور روایات کے الفاظ اگر متعدد معنوں کے متحمل ہوں تو آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان میں سے وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایان ہوں، مسند ابن حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں، آپ نے فرمایا: اذا احدثتم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحدیث فظنوا بہ الذی ھو اھدیٰ والذی ھو اتقی والذی ھو اھنا۔ (130:) "جب تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس کے معنی وہ سمجھو جو زیادہ قرین ھدایت، زیادہ پرہیزگارانہ اور زیادہ بہتر ہوں" موزوں پر مسح کرنا سنت ہے؛ لیکن یہ مسح نیچے تلووں پر نہیں؛ بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے: لوکان الدین بالرای لکان باطن الخفین احق بالمسح من ظاھرھما وقد مسح النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ظھر خفیہ۔ (باب کیف المسح) "اگر دینی مسائل کا انحصار محض رائے پر ہوتا تو تلوے اوپر کے پاؤں سے زیادہ مسح کے مستحق ہوتے؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کی پشت پا پر مسح فرمایا۔" حضرت علی مرتضیٰ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد و غبار کے دور کرنے اور صفائی کی غرض سے یہ مسح ہوتا تو نیچے کے تلووں پر مسح ہوتا؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے نہیں اوپر مسح فرمایا، اس لیے احکام الٰہی کے مصالح کی تعیین میں محض ظاہری عقل و رائے کو دخل نہیں ہے۔ یہی روایت مسند ابن حنبل [218] میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے زیادہ بہتر ہے، یعنی ظاہر قیاس کا مقتضیٰ یہی تھا، مگر حکم الٰہی محض ظاہری قیاس پر مبنی نہیں۔[219][220][221]،[222].[223]،[224]191]]

تصوف

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو اسرارِ شریعت پر عبور نہ تھا؛ بلکہ ان کا مسلک یہ تھا کہ عوام کے لیے یہ موزوں نہیں ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع میں احکام الٰہی کی اتباع اور پیروی کی بجائے عدم عمل کے لیے حیلہ سازی اور فلسفیانہ بہانہ جوئی پیدا ہوتی ہے، خواص اس فرق کو سمجھتے ہیں اس لیے ان ہی کے لیے یہ علم موزوں ہے؛ چنانچہ تصوف جو مذہب کی جان، شریعت کی روح اور جو خاصانِ امت کا حصہ ہے حضرت علیؓ نے اس کے حقائق و معارف بہت خوبی سے بیان کیے ہیں۔ تصوف کے اکثر سلسلے سینۂ مرتضیٰؓ پر جا کر ختم ہوتے ہیں، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "اصول اور آزمائش وامتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضیٰ ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اس میں بے حد انہماک تھا، مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی۔[225] محدثین کے اصولِ روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰؓ کے یہ صوفیانہ اقوال پایۂ صحت کو نہیں پہنچتے اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصریؒ پر جا کر تمام ہوتے ہیں، ان کو حضرت علی مرتضیٰؓ کا فیض اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے، مگر حضرت حسن بصریؒ کی صحبت اور تعلیم محدثین کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی؛ بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انھوں نے بلاواسطہ حضرت علیؓ سے کچھ سنا بھی ہے، بہر حال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلافت سے پہلے مدینہ میں دیکھا تھا اور ان کے دیدار سے مشرف تھے اور اس وقت ان کی عمر غالبا 14،15 برس کی تھی۔[226]

تقریر وخطابت

تقریر وخطابت میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو خداداد ملکہ حاصل تھا اور مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجمعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے، تقریریں نہایت خطیبانہ مدلل اور موثر ہوتی تھیں، 39ھ میں جب امیر معاویہؓ نے مدافعت کی بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا تو جمعہ کے روز اپنی جماعت کو ابھارنے کے لیے جو خطبہ دیا تھا، اس سے زور تقریر اور حسن خطابی کا اندازہ ہوگا۔ اما بعد، فإن الجهاد باب من ابواب الجنة، من ترکه البسه الله الذلة وشمله بالصغار، وسیم الخسف وسیل الضیم، وإني قد دعوتکم إلی جهاد هولاء القوم لیلا ونهارا وسرا وجهارا، وقلت لکم، اغزوهم قبل إن یغزوکم، فما غزي قوم في عقر دارهم إلا ذلوا واجترأ علیهم عدوهم، هذا اخو بني عامر قد ورد الانبار، وقتل ابن حسان البکري، وإزال مسالحکم عن مواضعها، وقتل منکم رجالا صالحین، وقد بلغني انهم کانوا یدخلون بیت المرأة المسلمة والاخری المعاهدة فینزع حجلها من رجلها، وقلائدها من عنقها، وقد انصرفوا موفورین، ما کلم رجل منهم کلما، فلو إن إحدامات من هذا إسفا ماکان عندي ملوما، بل کان جدیرا، یا عجبا من إمر یمیت القلوب، ویجتلب الهم ویسعر الاحزان من اجتماع القوم علی باطلهم، وتفرقکم عن حقکم، فبعدا لکم وسحقا، قد صرتم غرضا، ترمون ولا ترمون، ویغار علیکم ولا تغیرون، ویعصی الله فترضون، إذا قلت لکم سیروا في الشتاء قلتم کیف نغزو في هذا القر والصر وإن قلت لکم سیروا في الصیف قلتم حتی ینصرم عنا حمارة القیظ، وکل هذا فرار من الموت، فإذا کنتم من الحر والقر تفرون فانتم والله من السیف إفر، والذی نفسي بیده، ما من ذلک تهربون، ولکن من السیف تحیدون، یا إشباه الرجال ولا رجال، ویا إحلام الاطفال وعقول ربات الحجال، اما والله لوددت إن الله إخرجني من بین إظهرکم وقبضني إلی رحمته من بینکم، ووددت إن لم إرکم ولم إعرفکم، فقد والله ملاتم صدري غیظا، وجرعتموني الامرین إنفاسا، وإفسدتم علی رإیي بالعصیان والخذلان "حمد ونعت کے بعد، جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس نے اس کو چھوڑا، خدا اس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے اور رسوائی کو شاملِ حال کرتا ہے اور ذلت کا مزہ چکھایا جاتا ہے اور دشمنوں کی دست درازی میں گرفتار ہوتا ہے، میں نے تم کو شب و روز علانیہ اور پوشیدہ، ان لوگوں سے لڑنے کی دعوت دی اور میں نے کہا کہ اس سے پہلے کہ وہ حملہ کریں میں حملہ کروں، کوئی قوم جس پر اس کے گھر میں آ کر حملہ کیا جائے وہ ذلیل و رسوا ہوتی ہے اس کا دشمن اس پر جری ہوتا ہے، دیکھو کہ عامری نے انبار میں آ کر ابن حسان بکری کو قتل کر دیا، تمھارے مورچوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا، تمھاری فوج کے چند نیکوکار بہادروں کو قتل کر ڈالا اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ وہ مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھسنے اور ان کے پاؤں سے ان کے پازیب، ان کے گلے سے ان کے ہار اتار لیے، ایک قوم کا باطل پر اجتماع اور تمھارا امر حق سے برگشتہ ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے جو دلوں کو مردہ کرتا ہے اور غم و رنج کو بڑھاتا ہے، تمھارے لیے دوری و ہلاکت ہو تم نشانہ بن گئے ہو اور تم پر تیر برسایا جاتا ہے؛ لیکن تم خود تیر نہیں چلا سکتے تم پر غارت گری کی جاتی ہے؛ لیکن تم غارت گری نہیں کرتے، خدا کی نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو، جب تم سے کہتا ہوں کہ موسم

سرما میں فوج کشی کرو تم کہتے ہو کہ اس قدر سردی اور پالے میں کس طرح لڑ سکتے ہیں اور اگر کہتا ہوں کہ موسم گرما میں چلو تو کہتے ہو کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے تب، حالانکہ یہ سب موت سے بھاگنے کا حیلہ ہے، پس تم گرمی سردی سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم ! تلوار سے اور بھی بھاگو گے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس سے نہیں بھاگتے؛ بلکہ تلوار سے جان چراتے ہو، اے مرد نہیں؛ بلکہ مرد کی تصویر و! اور اے بچوں اور عورتوں کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والو، خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا تمھاری جماعت سے مجھے نکال لے جائے اور (موت دے کر) اپنے رحمت نصیب کرے، میری تمنا تھی کہ تم سے جان پہچان نہ ہوتی، خدا کی قسم ! تم نے میرا سینہ غیظ و غضب سے بھر دیا ہے، تم نے مجھے وہ تلخیوں کے گھونٹ پلائے ہیں اور عصیان و نافرمانی کرکے میری رائے کو برباد کر دیا ہے۔" آپ کے طرفداروں کے دل اگرچہ پژمردہ ہو چکے تھے اور قوائے عمل نے جواب دیدیا تھا تاہم اس پر جوش اور ولولہ انگیز تقریر نے تھوڑی دیر کے لیے ہلچل پیدا کر دی اور ہر طرف سے پر جوش صداؤں نے لبیک کہا۔ شریف رضی نے حضرت علیؓ کے تمام خطبوں کو "نہج البلاغۃ" کے نام سے چار جلدوں میں جمع کر دیا ہے اور ان پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ ان خطبوں نے ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کو فصیح و بلیغ مقرر بنادیا؛ لیکن نہج البلاغۃ کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر ہے، کیونکہ ان میں ایسے اصلاحات و خیالات بھی ہیں جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ کے بعد سے عربی رائج ہوئے ہیں اور ان میں حضرت علیؓ کی زبان سے ایسی باتیں بھی ہیں جن کو کوئی صاحب ایمان ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔[227][228]

شاعری

جناب علی المرتضیٰؓ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دو، چار احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں، مثلاً آپ کا وہ رجزیہ شعر جو معرکۂ خیبر میں آپ نے پڑھا تھا: انا الذی سمتنی امی حیدرۃ کلیث غابات کریہ المنظرۃ لیکن بہت سے جعلی اشعار بنا کر آپ کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں؛ بلکہ ایک پورا دیوان دیوانِ علیؓ کے نام سے موجود ہے جس کو افسوس ہے کہ طلبہ اور علما نہایت شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہیں، حالانکہ اس کی زبان اس لائق بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے، چہ جائیکہ افصح الفصحاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ الشریف کی طرف، حاکم نے مستدرک میں حضرت فاطمۃ زہراؓ کے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو شعر نقل کیے ہیں۔[229][30][230]

علم نحو کی ایجاد

علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؓ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے، ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا، اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنادیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہوسکے؛ چنانچہ ابوالاسود دوئلی کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا، (فہرست ابن ندیم) اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔[30][231]

تالیفات اور احادیث

1۔ کتاب جامعہ کہ بنابر روایت ابوبصیر، علی بن ابی طالب نے اس میں اسلامی احکام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے لکھے اور اس میں متعدد موضوعات کے حلال اور حرام کے مسائل جمع فرمائے۔ یہ ایک ضخیم کتاب تھی اسے کتاب علی بھی کہا جاتا ہے۔

2۔ صحیفہ امام علی جس میں جامعہ مذکورہ کے علاوہ خاص احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سے سنے تھے لکھے گئے ہیں۔

3۔ الملاحم یا صحیفۃ الدولۃ ایک اور کتاب ہے جو علی بن ابی طالب نے زبان مبارک رسول اکرم سے سن کر ان کے لکھوانے پر تحریر فرمایا جو آنحضرت کی وفات کے بعد کے

واقعات کی پیشگوئی نیز ان کی وصیتوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے۔

4۔ مصحف امام علی، علی بن ابی طالب نے قرآن مجید کو شأن نزول کی ترتیب سے آیات کی جمع آوری فرمائی و علما اہل سنت بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ بہت قابل قدر کام ہے۔

5۔ کتاب جفر و اشعار کا دیوان شعر بھی حضرت علی سے منسوب ہے۔

6۔ آثار امام علی علیہ السلام میں سے ایک بہت بڑا ذخیرہ ان کی بارگاہ ربوبیت میں کی گئ دعائیں ہیں جو معارف الہی کا بہت قیمتی خزانہ ہے۔

7۔ اہم ترین اور مشہور دعائیں جیسے : دعای کمیل، دعای توسّل، دعای ابو حمزہ ثمالی، صباح، جوشن وغیرہ

8۔ ان کے خطبوں کا ایک وسیع سلسلہ تھا جو اسلامی، ادبی، علمی، تاریخی، اخلاقی، سیاسی، الہی مضامین پر مشتمل ہے ایسا کلام کسی دیگر بشر سے نہیں سنا گیا۔ ان میں سے کچھ خطبے نہج البلاغۃ نامی کتاب میں چوتھی صدی کے ایک عظیم شیعہ عالم دین سید رضی (395ھ وفات 406ھ) میں جمع کیے ہیں۔

9۔ ان کے نجی یا سرکاری خطوط جو تاریخی، ادبی اور اسلامی معارف اور اقدار کے لحاظ سے بے نظیر اور نمونہ عمل ہیں۔ کچھ خطوط نہج البلاغہ میں نقل ہوئے ہیں۔

10۔ ان کے حکیمانہ جملے اور کلمات قصار جو سمندر کو کوزے میں سموئے ہوئے ہیں۔ ان ہزاروں جملوں میں سے چند سو نہج البلاغۃ میں موجود ہیں۔

نہج البلاغہ کی بہت سی شرحیں سنی اور شیعہ علما نے لکھی ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں۔ شرح محمد عبدہ، شرح ابن ابی الحدید، شرح قطب راوندی، شرح محمد تقی جعفری، شرح محمد دشتی وغیرہ۔

احادیث

بے شمار نبوی احادیث علی بن ابی طالب نے نقل فرمائی ہیں چونکہ آپ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب اور ساتھ ہوتے تھے تو سب سے زیادہ ان کے فرامین سنتے تھے۔ علامہ ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب اِسماء الصحابہ و مالکل واحد منہم من العدد میں آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو سینتیس لکھی ہے اہل سنّت کے علماکے بقول ان احادیث کی تعداد مختلف ہے لیکن مختلف وجوہات کی بنیاد پر صرف پچاس حدیثیں ہی اہل سنت کی کتب حدیث میں نظر آتی ہیں۔ حال ہی میں ڈاکٹر طاہر القادری نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کی تحقیق کے مطابق حضرت علی کی مرویات کی تعداد بارہ ہزار ہے

1۔ مسند الامام علی دو جلدوں میں جو احادیث آج کل جمع کی گئ ہیں وہ 1450 احادیث ہیں۔

امام علی علیہ السلام نے بہت سے راویوں کی تربیت فرمائی اور اسلامی معاشرے کی بہبود کے لیے ان شاگرد ہمیشہ احادیث بیان کرتے رہے جن میں سے اہم ترین حسن بن علی، حسین بن علی، محمد بن حنفیہ، عمرو بن علی، فاطمہ بنت علی، جعفر بن ہبیرہ مخزومی، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ انصاری، ابورافع، واسامہ بن زید کے نام ہیں۔ کتب رجال، میں علی بن ابی طالب کے شاگرد راویوں میں اصحاب میں سے 66 راوی اور تابعین میں سے 180 کا تذکرہ ملتا ہے۔

ان کے شاگردوں نے جو آپ کی زبان سے جاری کلمات کو لکھا ہے ان میں سے چند کتب یہ ہیں۔

1۔ القضایا والاحکام، تألیف بریر بن خضیر ہمدانی شرقی (شہید عاشورہ)؛

2۔ السنن والاحکام والقضایا، تألیف ابورافع ابراہیم بن مالک انصاری (م 40)؛

3۔ قضایا امیر المومنین، تألیف عبداللہ بن ابی رافع؛ (امام علی کے فیصلے)

4۔ کتاب فقہ، تألیف علی بن ابی رافع؛

5۔ جانوروں کے بارے کتاب، تألیف ربیعہ بن سمیع؛

6۔ کتاب میثم بن یحییٰ تمّار کوفی (م 60)؛

7۔ کتاب الدیات، تألیف ظریف بن ناصح وغیرہ

حدیث میں ذکر

ان 10 صحابہ کرام کا ذکر عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ:

عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمٰن جنتی ہیں، سعد جنتی ہیں، سعید جنتی ہیں، ابوعبیدہ جنتی ہیں۔[232]

اخلاق

حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایام طفولیت ہی سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لیے وہ قدرتاً محاسن اخلاق اور حسنِ تربیت کا نمونہ تھے، آپ کی زبان کبھی کلمہ شرک وکفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی، جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے، شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی، اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جاسکتا۔[233]

امانت و دیانت

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے ابتدا ہی سے امین تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علیؓ کے سپرد فرمائی۔[234] اپنے عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جیسی امانت داری فرمائی، اس کا اندازہ حضرت ام کلثومؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں، امام حسنؓ، امام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھالی، جناب امیرؓ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔[235] مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں، ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا، اس میں ایک روٹی بھی تھی، حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا، ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کرکے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے۔[236]

زہد

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی؛ بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا، آپ کے کاشانۂ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا در گزر نہ تھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کی بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ہی ان عالی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان ہی میرے لیے بس ہے۔ بچپن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور شہنشاہ اقلیم زہد و قناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا، حضرت فاطمہ زہراؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علاحدہ مکان میں رہنے لگے، اسی نئی زندگی کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدہ جنت جو ساز و سامان اپنے میکہ سے لائی تھیں اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا، چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی، وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا، معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دھواں نہیں اٹھتا تھا، بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے، ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کرکے کچھ کمالائیں، عوالی (مدینہ کے قرب وجوار کی آبادی کا نام عوالی تھا) مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے، خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے، اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے، یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، غرض اس محنت و مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجوریں اجرت میں ملیں؛ لیکن تنہاخوری کی عادت نہ تھی بجنسہٖ لیے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔[237] ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، موٹا چھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی، ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے، دستر خوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انھوں نے کہا، امیر المومنین! آپ کو پرندکے گوشت سے شوق نہیں ہے، فرمایا ابن زریر! خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہل کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے[238] در دولت پر کوئی حاجب نہ تھا نہ دربان، نہ امیر نہ کروفر نہ شاہانہ تزک و احتشام اور عین اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لیے زر وجواہر اگل رہی تھی، اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور اس پر فیاضی کا یہ حال تھا کہ داد و دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی، ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ: میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا "امیر المومنین! میں تہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں۔ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھی، ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے اس لیے واپس آکر سورہی، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ صدیقہ کی اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور فرمایا کیا تم کو ایک ایسی بات نہ بتادوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمھارے لیے مفید ہو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح کی تعلیم دی۔[239][240][241][

عبادات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خداکے نہایت عبادت گزار بندے تھے، عبادات ان کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے، کلام پاک کی اس آیت : "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ o وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا" [242] "محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں باہم رحمدل ہیں، تم ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ کرکے خدا کا فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو کرتے ہیں۔" کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ سے حضرت عمر بن الخطابؓ، رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ سے حضرت عثمان بن عفانؓ، رُكَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہؓ مراد ہیں، [243] اس سے عبادت میں تمام صحابہ پر حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوئی ہے کیونکہ رکوع و سجود جو تمام صحابہؓ کا مشترک وصف تھا، پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔ قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: کان ماعلمت صواما قواما، [244] جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے۔ "زبیر بن سعید قریشی کہتے ہیں: لم ارھاشمیا قط کان اعبداللہ منہ [245] "میں نے کسی ہاشم کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ خدا کا عبادت گزار ہو۔" ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کرلیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دنوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سوؤ تو 33 بار تسبیح، 33 بار تحمید اور 34 بار تکبیر پڑھ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو چھوڑا نہیں، ابن کواء نے کہا کہ "صفین کی شب میں بھی نہیں؟ فرمایا' صفین کی شب میں بھی نہیں۔ [246] "

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت علیؓ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے؛ لیکن دل غنی تھا کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا حتی کہ قوت لایموت تک دے دیتے، ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کیے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا، اب پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدادی، حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا؛ لیکن تیار ہوا کہ ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا، اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا، غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کی نذر ہو گیا اور یہ مرد خدارات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا، خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں، < (سورہ دھر: 8) > کی آیت نازل ہوئی۔ [247]

تواضع

سادگی اور تواضع حضرت علی بن ابی طالبؓ کی دستارِ فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے، اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا، لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کبھی جوتا ٹانکتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے، مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرش خاک پر بے تکلف سو جاتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسمِ انور گرد و غبار کے اندر کندن کی طرح دمک رہا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سادگی نہایت پسند آئی، خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کرکے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا: اجلس یا اباتراب [248] مٹی والے اب اٹھ بیٹھ، زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؓ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔ ایام خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی، عموماً چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتا پہنتے اور معمولی کپڑے کی تہ بند باندھتے، بازار میں گشت کرتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہولیتا تو منع فرماتے کہ اس میں ولی کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے۔ شجاعت و بسالت حضرت علیؓ کا مخصوص وصف تھا جس میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا، آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے، اسلام میں سب سے پہلا

غزوۂ بدر پیش آیا، اس وقت حضرت علیؓ کا عنفوان شباب تھا؛ لیکن اس عمر میں آپ نے جنگ آزما بہادروں کے دوش بدوش ایسی دادِ شجاعت دی کہ آپ اس کے ہیرو قرار پائے۔ آغازِ جنگ میں آپ کا مقابلہ ولید سے ہوا، ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، پھر شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ بن حارثؓ آئے اور اس نے ان کو زخمی کیا تو حضرت حمزہ اور حضرت علیؓ نے حملہ کرکے اس کا کام بھی تمام کر دیا، غزوۂ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا، اس نے مبازرت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰؓ ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرطِ مسرت میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔ غزوۂ خندق میں بھی پیش پیش رہے؛ چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے جب مبازرت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان میں جانے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی، خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی خداوندا! تو اس کے مقابلہ مین ان کا مددگار ہو، اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کرکے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کرلی۔ غزوۂ خیبر کا معرکہ حضرت علیؓ ہی کی شجاعت سے سر ہوا، جب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہو سکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں؛ چنانچہ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلے میں آیا، اس کے جواب میں حضرت علی مرتضی رجز خواں آگے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور خیبر فتح ہو گیا، خیبر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ غزوات میں غزوہ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں تمام قبائلِ عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف امنڈ آئی تھی؛ لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علی بن ابی طالبؓ ہر موقع پر ممتاز رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن اکابر کو جھنڈے عنایت فرمائے، ان میں حضرت علی مرتضٰی بھی شامل تھے، آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعۃً تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور صرف چند ممتاز صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان میں ایک حضرت علی مرتضیٰؓ بھی تھے، عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔[249][250][251]]

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک

حدیث میں آیا ہے کہ "بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے؛ بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، حضرت علی بن ابی طالبؓ اس میدان کے مرد تھے، ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گذرا؛ لیکن بایں ہمہ انھوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ ان کی حریف تھیں؛ لیکن جب ایک ضبی نے ان کے اونٹ کو زخمی کرکے گرایا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی اور ان کو ان کے طرفدار بصرہ کے رئیس کے گھر میں اتارا، حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک گوشے میں پناہ لی تھی، حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے؛ لیکن ان پناہ گزین دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ جنگ جمل میں جو لوگ شریک جنگ تھے، ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتیار ڈال دے اس کو امان ہے۔ حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا اور جنگ جمل کے سپہ سالاروں میں تھے، مگر جب ان کا قاتل ابن جرموز ان کا مقتول سر اور تلوار لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا "فرزند صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا، یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔ مستدرک میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ان کا سر آیا تو فرمایا کہ 'فرزندِ صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے۔[252] جنگ جمل کے میدان میں جب آپ فریق مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے، تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے، جب حضرت طلحہؓ کے بیٹے محمد کی لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر فرمایا: اے قریش کا شکرہ! ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابن ملجم ہو سکتا تھا؛ لیکن انھوں نے اس کے متعلق جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا، مثلہ نہ کرنا، یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا، ابن سعد میں ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ اس

کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مرگیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا، میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑوں گا، دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے؟[253][51]]

اصابت رائے

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صائب الرائے بھی تھے اور آپ کی اصابت رائے پر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا؛ چنانچہ آپ تمام مہماتِ امور میں شریک مشورہ کیے جاتے تھے، واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے راز داروں میں جن لوگوں سے مشورہ کیا، ان میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، غزوہ طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابوبکر و عمرؓ دونوں کے مشیر تھے؛ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین وانصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی، اس کے رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں؛ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے، کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے، ایک موقع پر انھوں نے فرمایا تھا۔ لولا علی لھلک عمر اگر علی نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتا۔ اس اعتماد کی بنا پر بعض امور میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دی ہے، معرکہ نہاوند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو بے حد مشوش کر دیا، تو انھوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام صحابہ کو جمع کرکے رائے طلب کی، حضرت طلحہؓ نے کہا امیر المومنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں، حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام ویمن وغیرہ سے فوجیں جمع کرکے آپ خود سپہ سالار ہو کر میدانِ جنگ تشریف لے جائیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں ہٹیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام ویمن وغیرہ میں فرمان بھیج دیے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہوں ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دی جائیں، حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لیے اور اگر ان کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ وفساد سے محفوظ رہتا؛ بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔ آپ کی اصابت رائے کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے فیصلوں میں ملتا ہے احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے فرمایا: مااجد فیھا الاما قال علی میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علی نے کیا۔ ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا: الحمد للہ الذی جعل فینا الحکمۃ اھل البیت [254] اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو حکمت سکھائی۔" شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہاں مناسب ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

"بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہیں، مثلاً شجاعت، قوت، حمیت اور وفا وہ سب ان میں موجود تھے اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی میں صرف کیا اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیضِ ربانی کی آمیزش سے ایک ایک مقام پیدا ہوا، ریاض النضرہ میں ہے کہ جب وہ راہ چلتے تھے تو ادھر ادھر جھکے ہوئے چلتے تھے اور جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا، وہ تقریباً فربہ اندام تھے، ان کی کلائیاں اور ان کے ہاتھ مضبوط تھے اور دل کے مضبوط تھے، جس شخص سے کشتی لڑتے اس کو پچھاڑ دیتے تھے، بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے اس پر غالب آتے تھے۔ ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی اور جب فیض ربانی نے اس کو موہبت کیا تو مقام محبت ان کے لیے ایک مسلمہ چیز بن گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے، فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق، دشمنوں کی مدافعت ومبارزت تھی جسے فیض ربانی نے ان کے سوابق اسلامیہ میں صرف کیا اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ آیت: ھذان خصمان اختصموا ان دونوں فریق نے باہم مخاصمت کی۔ ان کی اور ان کے رفقا کی شان میں نازل ہوئی، امام بخاری نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے سامنے خصوصیت کے لیے دوزانو بیٹھے گا، قیس کہتے

ہیں کہ یہ آیت: ھذان خصمان اختصموا فی ربھم ان دونوں فریق نے اپنے رب کے بارے میں باہم مخاصمت کی۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے بدر کے دن باہم مبارزت کی، یعنی حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہ بن الحارثؓ، شیبہ بن ربیعہؓ، عتبہ اور ولید بن عتبہ۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق ان کی غیر معمولی دلیری تھی، وہ کسی کی بھی پروا نہیں کرتے تھے، لوگوں کی خاطر مدارت میں اپنی خواہش سے باز نہیں آتے تھے، فیض ربانی نے ان کے ان اخلاق سے نہی المنکر اور بیت المال کی حفاظت کا کام لیا، حاکم نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا" لوگو! علی کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم! خدا کی ذات اور اس کی راہ کے معاملہ میں وہ کسی قدر سخت ہے" حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی ذات کے معاملہ میں علیؓ سخت ہیں۔" ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق اپنی قوم اور اپنے چچازاد بھائی (آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمیت تھی، وہ ان کے کام کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے اور ان کی مدد میں نہایت ہمت سے کام لیتے تھے، یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریفوں میں پیدا ہوتا ہے، جب فیض ربانی نے اعلائے کلمتہ اللہ کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس عقلی معنی کی شرح و تفسیر جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا جس کی تعبیر اخوت رسول، وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچیرے بھائیوں میں سے ہر ایک سے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم میں سے کون میرا ولی ہوگا؛ لیکن ان سب نے اس بار کے تحمل سے انکار کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہوئے، حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فرماتے تھے کہ خداوند تعالی فرماتا ہے: افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم اگر وہ مر گیے یا مارے گئے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤگے۔ خدا کی قسم! جب ہم کو خدا نے ہدایت دے دی تو اس کے بعد ہم پیٹھ نہ پھیریں گے خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو جس چیز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کرتے تھے، ہم بھی اس کے لیے لڑیں گے، یہاں تک کہ مر جائیں، خدا کی قسم! میں آپ کا بھائی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا لڑکا ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا وارث ہوں، ایسی صورت میں مجھ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق دار کون ہے۔[255] اسی سے ان دونوں فریق کی جو افراط و تفریط کرتے ہیں غلطی بھی ظاہر ہو گئی، ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت کے لیے غلبہ کا خواستگار ہونا خلوص نہیں، دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت کے لیے اخوت نسبتی شرط ہے۔ ان کے محاسنِ اخلاق میں ایک زہد اور شہوت نفسانی سے اجتناب ہے، حضرت امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو، انھوں نے کہا کہ امیر المومنین اس سے مجھے معاف فرمایئے، معاویہؓ نے اصرار کیا ضرار بولے، اگر اصرار ہے تو سنیے وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر جانب سے علم کا سرچشمہ پھوٹتا تھا، ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی، دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے،۔ بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے، چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا، ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے، جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے، باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے؛ لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے، وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، قوی کو اس کے باطل میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے، ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا، میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے، ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے یا میری مشتاق ہوتی ہے، افسوس افسوس! میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی، تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے، آہ! زاد راہ کم اور سفر دور دراز کا ہے، راستہ وحشت خیز ہے" یہ سن کر امیر معاویہؓ رو پڑے اور فرمایا خدا ابوالحسن پر رحم کرے، خدا کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔ ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز شبہات سے اجتناب ہے، ان کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لیموں آجاتے تھے اور حسنؓ و حسینؓ ان میں سے کوئی لیموں لے کر کھانے لگتا تو وہ اس کو ان کے ہاتھ سے چھین لیتے اور اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے،

ابو عمرو سے روایت ہے کہ وہ فے کی تقسیم میں حضرت ابو بکرؓ کا طریقہ اختیار کرتے تھے، یعنی جب ان کے پاس آتا تھا تو سب تقسیم کر دیتے تھے اور فرماتے اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکا دے اور خود اس سے اپنے لیے کوئی چیز انتخاب نہ کرتے تھے اور نہ تقسیم میں اپنے کسی رشتہ دار یا اور عزیز کی تخصیص کرتے تھے، حکومت اور امانت

صرف متدین لوگوں کے سپرد کرتے تھے، اور جب یہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اس میں خیانت کی ہے تو اس کو لکھتے: قد جاء تکم موعظۃ من ربکم فاو فوا الکیل والمیزان بالقسط ولاتد خسوا الناس اشیاء ہم ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین وما انا علیکم بحفیظ " تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے نصیحت آچکی ہے تو ناپ جو کھ کر انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، خدا کا ثواب تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم ایماندار ہو اور میں تمھارا نگران نہیں ہوں۔" جب تمھارے پاس میرا خط پہنچے تو تمھارے ہاتھ میں جو کام ہے اس وقت تک تم اس کی پوری حفاظت کرو جب تک کہ ہم تمھارے پاس دوسرے شخص کو نہ بھیجیں جو تمھارے ہاتھوں سے لے لے، پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے کہ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ مجمع التیمی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا اس کو حضرت علیؓ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، پھر حکم دیا کہ اس میں جھاڑو دے دی جائے اور اس میں نماز پڑھی تاکہ قیامت کے دن ان کی گواہ رہے۔ حضرت کلیبؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو انھوں نے اس کے ساتھ حصے کیے، اس میں ایک روٹی بھی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کیے اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا، پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون سا حصہ دیا جائے۔ ان کے محاسنِ اخلاق میں ایک چیز یہ ہے کہ وہ معاش کی تنگی پر صبر کرتے تھے اور اس کو اپنے لیے گوارا کر لیتے تھے، خود ان سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہمارے گھر میں آئیں تو ہمارے بچھانے کے لیے صرف مینڈھے کی ایک کھال تھی، ضمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کا کام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے متعلق کیا تھا اور بیرونی انتظامات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا تو جہیز میں ایک چادر، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کی پتیاں بھری ہوئی تھیں، ایک چکی، ایک مشک اور دو گھڑے دیے، ایک دن حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام آتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم کی درخواست کرو، انھوں نے کہا کہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں بھی آبلے پڑ گئے؛ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، بیٹی کس غرض سے آئی ہو؟ بولیں سلام کرنے؛ لیکن سوال کرنے سے ان کو شرم آئی اور واپس چلی گئیں، حضرت علیؓ نے پوچھا، تم نے کیا کیا؟ بولیں سوال کرنے میں مجھے شرم آئی، دوبارہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا اور حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام اور مال بھیجا ہے، ہم کو بھی ایک خادم عنایت ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت میں چھوڑ دوں میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کرکے ان کی قیمت ان پر صرف کروں گا، یہ جواب پاکر دونوں لوٹ آئے، ان کی واپسی کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؓ چادر اوڑھ کر سو چکی تھیں، یہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب سر ڈھکتے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر دونوں اُٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتلا دوں جو اس چیز سے بہتر ہے جس چیز کو تم مجھ سے مانگ سکتے ہو، دونوں نے کہا، ہاں! فرمایا، مجھ کو جبرئیل نے چند کلمے سکھائے اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح اور دس بار تحمید اور دس بار تکبیر کہہ لیا کرو، اس طرح تم دونوں سوتے وقت 33 بار تحمید اور 34 بار تکبیر کہہ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے، اس وقت سے میں نے ان کو نہیں چھوڑا، ابن کواء نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں؟ فرمایا، نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک مرتبہ مجھے سخت بھوک لگی، کھانے کو کچھ نہ تھا اس لیے عوالی میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، ایک عورت ملی، جس نے ڈھیلے اکھٹے کیے تھے، میں نے خیال کیا کہ غالباً ان کو وہ بھگوانا چاہتی ہے؛ چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اجرت طے کی اور 16 ڈول پانی بھرے جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اس نے مجھے سولہ کھجوریں گن کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ ہوسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو میرے ساتھ کھایا۔[256][257][258][

خانگی زندگی

حضرت علیؓ کی مستقل خانہ داری کی زندگی اس وقت سے شروع ہوئی؛ جبکہ سیدہ جنت حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ایک علاحدہ مکان میں رہنے لگے، اس سے پہلے آپ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے آپ کو کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی، ہجرت کے بعد جب حضرت فاطمہؓ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر دامن گیر ہوئی؛ چنانچہ قرب وجوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لا کر بیچنے کا ارادہ کیا، حضرت حمزہؓ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اونٹ کو ذبح کرکے لوگوں کو کھلا دیا، حضرت علیؓ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا، کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ تھے، [259] آخر زرہ بیچ کر سامان کیا، اس زرہ کی قیمت بھی روپیہ سوا روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔ شادی کے بعد جب علاحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصول معاش کی فکر لاحق ہوئی، چونکہ شروع سے اس وقت تک آپ کی زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی تھی اس لیے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا، محنت مزدوری اور جہاد کے مالِ غنیمت پر گزراوقات تھی، خیبر فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں باغ فدک کا انتظام بھی ان کے حوالہ کر دیا اور دوسرے صحابہؓ کی طرح ان کے لیے بھی پانچ ہزار درہم (ایک ہزار روپیہ) سالانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا، خلیفہ ثالث کے بعد جب مسند نشین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر ہو گیا جس پر آخری لمحہ حیات تک قانع رہے۔ مسند کی ایک روایت میں ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے۔[260] اس واقعہ میں اور آپ کی عسرت اور فقر وفاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا اور تمول کے دور میں بھی ذاتی اور خانگی فقر وفاقہ کا وہی عالم رہتا تھا۔ کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صفائی کرا دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں، پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے، حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علیؓ نہایت متاثر ہوئے اور انھوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا اب میں تمھارے خلافِ مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہؓ کو اس قدر غم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا دل پژمردہ شگفتہ نہ ہوا، حضرت علیؓ بھی ان کی دلدہی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا، حضرت فاطمہؓ کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان بیویوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے، دوسری بیویوں سے جو اولادیں تھیں ان میں حضرت محمد بن حنیفہؒ سے بھی نہایت محبت تھی؛ چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسنؓ سے ان کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔

غذا و لباس

حضرت علی بن ابی طالبؓ کے غیر معمولی زہد وورع نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا، کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے، عمدہ لباس اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا، عمامہ بہت پسند کرتے تھے؛ چنانچہ فرمایا کرتے تھے "العمامۃ تیجان العرب" یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے، کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے، تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لیے کوڑا لے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے، غرض آپ کو ظاہری طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لیے ایک اچھا نمونہ ہے کہ وہ اس کی پیروی کریں، بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس پر "اللہ الملک" نقش تھا۔ حضرت علیؓ پر سردی گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں ان کے لیے دعا فرمائی تھی، اللہم اذھب عنہ الحر والبرد یعنی اس سے گرمی وسردی دور کر، اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا کپڑا جاڑے میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ [261]

حلیہ

قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پر رونق وخوبصورت، سینہ چوڑا اس پر بال، بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا، سر میں بال نہ تھے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے اسی لیے میں بالوں کا دشمن ہوں، ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے، مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے، ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی، آخر میں بال بالکل سپید ہو گئے تھے اور شاید تمام عمر میں ایک مرتبہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

ازواج واولاد

سیدہ جنت حضرت فاطمہ زہرؓ کے بعد جناب علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت فاطمہ رضؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، ان سے ذکور میں حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، محسن رضی اللہ عنہ اور لڑکیوں میں زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم کبری رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، محسنؓ نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

ام البنین بن حزام

ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے، ان میں سے عباس کے علاوہ سب حضرت امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ لیلٰی بن مسعود: انھوں نے عبید اللہ اور ابوبکر کو یادگار چھوڑا لیکن ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔

اسماء بنت عمیس

ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے

صہبا یا ام حبیب بنت ربیعہ

یہ ام ولد تھیں، ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں، عمر نے نہایت طویل عمر پائی اور تقریباً پچاس برس کے سن میں ینبوع میں وفات پائی۔ امامہ بنت ابی العاص: یہ حضرت زینبؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، ان سے محمد اوسط تولد ہوئے۔

خولہ بنت جعفر

محمد بن علی، جو محمد بن حنفیہّ کے نام سے مشہور ہیں، ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

ام سعید بنت عروہ

ان سے ام الحسن اور رملۂ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

محیاۃ بنت امرء القیس

ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی۔

لونڈیوں سے دیگر اولاد

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں: ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔ غرض حضرت علیؓ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، جن سے سلسلہ نسل جاری رہا، ان کے نام یہ ہیں: امام حسن، امام حسین، محمد بن حنفیہؒ، عمر (رضی اللہ عنہم)۔[262][263][264]

حوالہ جات

مجموع الفتاوی، ابن تیمیۃ، (27 / 446)

وفیات الأعیان، ابن خلکان، (4 / 55)

تاریخ بغداد، الخطیب البغدادی، (1 / 136)

^ اب "Alī ibn Abu Talib" ۔Encyclopædia Iranica ۔ 29 اپریل 2011 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 16 دسمبر 2010

Al-Islam ۔ "The Life of the Commander of the Faithful Ali Ibn Abu Talib (as)"۔ اخذ شدہ بتاریخ 6 دسمبر 2015

Ṭabarī, Biographies of the Prophet's companions and their successors، .Vol:XXXIX, pp. 37–40, translated by Ella Landau-Tasseron

^ اب پ ت Seyyed Hossein Nasr ۔ "Ali" ۔ Encyclopædia Britannica Online ۔ Encyclopædia Britannica, Inc. ۔ 18 اکتوبر 2007 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 12 اکتوبر 2007

Dr Ali M Sallabi (2011) ۔ Ali ibn Abi Talib (volume 1) ۔ صفحہ: 52–53

Sahih Muslim, Book 21, Hadith 57.

Kelen 2001, p. 29 ۔

Watt 1953, p. xii ۔

The First Muslims www.al-islam.org اخذ کردہ بتاریخ 23 نومبر 2017

Sayed Ali Asgher Razwy ۔ A Restatement of the History of Islam & Muslims ۔ صفحہ: 72

Ashraf 2005, p. 119 and 120

Madelung 1997, pp. 141–145

Lapidus 2002, p. 47 ۔

Holt, Lambton & Lewis 1970, pp. 70–72 ۔

Tabatabaei 1979, pp. 50–75 and 192 ۔

^ اب Robert M. Gleave ۔ "Ali ibn Abi Talib" ۔ Encyclopaedia of Islam, THREE ۔ Brill Online ۔ 2 اپریل 2013 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 29 مارچ 2013

Dakake 2008, pp. 34–39 ۔

Laura Veccia Vaglieri ۔ "Ghadīr Khumm" ۔ Encyclopædia of Islam, Second Edition ۔ Brill Online ۔ 31 مارچ, 2013 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 28 مارچ 2013

'ONLY AS RIGHTS EQUALLY APPLIED CAN THEY BE RIGHTS UNIVERSALLY ACCEPTED' " ، "SECRETARY-GENERAL SAYS IN STATEMENT AT UNIVERSITY OF TEHRAN"۔ United Nations ۔ United Nations

"World Philosophy Day 2014 – Contribution of Ali ibn Abi Talib's thought to a culture of peace and intercultural dialogue" ۔ UNESCO

"Kofi Annan, former Secretary-General of the United Nations, says the caliph Ali ibn Abi Talib is the fairest governor appeared in human history after the Prophet Muhammad" ۔ International Council Supporting Fair Trial and Human Rights ۔ ICSFT Archived at the Wayback Machine

Rizwan Rizvi ۔ "Faith Matters: Ali ibn Abi Talib: A Leader and a Noble Example for Humanity!" ۔ Franklin Reporter & Advocate ۔ The Franklin Reporter & Advocate, L.L.C. ۔ اخذ شدہ بتاریخ 20 مارچ 2019

(صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہا)

(سیرت ابن ہشام ج 1: 228)

) ترجمہ اسد الغابہ ج 5: 517)
) زرقانی جلد 1: 280)
^ اب پ ت ٹ Ali. Encyclopedia Britannica Online. Encyclopaedia Britannica, Inc.. Retrieved on 2007-10-12. آرکائیو شدہ 2008-11-18 بذریعہ وے بیک مشین
Ahmed 2005, p. 234
^ اب پ الاستیعاب فی تمییز الأصحاب، الجزء الثانی، باب علی، عن طریق مكتبة نداء الإیمان آرکائیو شدہ 2020-03-16 بذریعہ وے بیک مشین
العمدة ص: 24 [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 2009-09-09 بذریعہ وے بیک مشین
قراءة فی کتاب «علیّ ولید الکعبة» آرکائیو شدہ 2012-02-24 بذریعہ وے بیک مشین
الاستفتاءات، الطواف، موضع المستجار فی الکعبة آرکائیو شدہ 2011-12-14 بذریعہ وے بیک مشین [مردہ ربط]
بحار الانوار، محمد باقر المجلسی، ج 9
انظر المراجع:
کفایة الطالب للکنجی الشافعی (ص 406)
نظم درر السمطین (ص 80)
المناقب لابن المغازلی ص 7 حدیث 3)
الفصول المهمة لابن الصباغ المالکی (ص 30)
کفایة الطالب للشنقیطی (ص 37)
مطالب السؤول (ص 27 مخطوط)
الإرشاد الشیخ المفید
المصباح لابن طاووس
کشف الحق و کشف الیقین العلامة الحلی
" اسطورة ولادة الإمام علیّ داخل الکعبة, مصدرها و اشکالاتها "۔ 2012-6-4۔ 7 نومبر 2021 میں اصل سے آرکائیو شدہ
راجع المصادر:
علل الشرائع: ص 136 ح 3
معانی الأخبار: ص 62 ح 10
الأمالی للصدوق: ص 195 ح 206
بشارة المصطفیٰ: ص 8
راجع المصادر:
ینابیع المودّة: ج 2 ص 305 ح 873
المناقب لابن شهر آشوب: ج 2 ص 174
بحار الأنوار: ج 35 ص 19.
^ اب تهذیب سیرة ابن هشام آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین
CHAPTER VII ON THE KNOWLEDGE OF THE IMAM (IMAMOLOGY) (part-2) [مردہ ربط] "نسخہ مؤرشفة"۔ 8 فروری 2011 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 27 اگست 2008
^ اب پ اسد الغابة فی معرفة الصحابة، حرف العین، عن طریق مكتبة نداء الإیمان آرکائیو شدہ 2010-09-20 بذریعہ وے بیک مشین
کتاب من حیاة الخلیفة أبی بکر للعلامة الأمینی آرکائیو شدہ 2008-12-05 بذریعہ وے بیک مشین
موقع الإسلام سؤال وجواب، إطلاق " کرم الله وجهه " علی علی بن أبی طالب آرکائیو شدہ 2020-03-16 بذریعہ وے بیک مشین
الدلیل الثالث: حدیث الدار.. "وأنذر عشیرتك الأقربین" من موقع الشیخ علی الکورانی آرکائیو شدہ 2017-07-03 بذریعہ وے بیک مشین [مردہ ربط]
تاریخ الرسل والملوك آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین
کتاب الحمیری وشعره فی الغدیر للعلامة الأمینی (ص 66-ص 67) [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 2012-01-19 بذریعہ وے بیک مشین
" مختصر تاریخ دمشق "۔ 22 فروری 2020 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 23 ستمبر 2023
Watt, William Montgomery (1953). Muhammad at Mecca. Oxford University Press.
^ اب الطبقات الکبری لابن سعد، الجزء الثالث. "نسخہ مؤرشفة"۔ 11 ستمبر 2010 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 26 ستمبر 2009
) اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی ؓ)
) طبری: 1272)
تاریخ الإسلام للذہبی آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین

تاریخ و شجرہ قریشی ہاشمی

اِنظر المراجع:

سیرۃ بن کثیر آرکائیو شدہ (Date missing) بذریعہ islamport.com (Error: unknown archive URL)

مختصر تاریخ دمشق آرکائیو شدہ (Date missing) بذریعہ islamport.com (Error: unknown archive URL)

اِسد الغابۃ آرکائیو شدہ (Date missing) بذریعہ islamport.com (Error: unknown archive URL)

المزید من المراجع آرکائیو شدہ 2011-11-05 بذریعہ وے بیک مشین

Ashraf, Shahid (2005). Encyclopedia of Holy Prophet and Companions. Anmol Publications PVT. LTD.. ISBN 81-261-1940-3.

المقداد بن الأسود الکندی، اول فارس فی الإسلام (29) للشیخ محمد جواد آل الفقیہ آرکائیو شدہ 2016-03-04 بذریعہ وے بیک مشین

مختصر تاریخ دمشق آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین

(ایضاً)

الکامل فی التاریخ آرکائیو شدہ 2009-01-13 بذریعہ وے بیک مشین

القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ الآیۃ 52

Tabatabae, Tafsir Al-Mizan آرکائیو شدہ 2009-09-05 بذریعہ وے بیک مشین

المجالس السنیۃ، الجزء الثانی 199 [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 2010-06-26 بذریعہ وے بیک مشین

الزہراء مع اِبیہا حتی بیت الزوجیۃ [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 2020-04-06 بذریعہ وے بیک مشین

الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبد البر. آرکائیو شدہ 2020-03-16 بذریعہ وے بیک مشین

(زرقانی ج1: 426)

نصر، حسین، موسوعۃ بریتانیکا، مقالۃ "علی" سنۃ 2012م۔ آرکائیو شدہ 2015-05-03 بذریعہ وے بیک مشین

(دیکھو سیرت ابن ہشام غزوہ بدر)

(زرقانی ج2: 4)

المنتظم فی التاریخ آرکائیو شدہ 2009-01-13 بذریعہ وے بیک مشین

Madelung, Wilferd (1997). The Succession to Muhammad: A Study of the Early Caliphate. Cambridge University Press. ISBN 0-521-64696-0.

الأحزاب 33، القرآن

سنن الترمذی، الصفحۃ او الرقم: 3206

(اصابہ ج8: 158)

الکامل فی التاریخ۔ مکتبۃ نداء الایمان آرکائیو شدہ 2009-01-12 بذریعہ وے بیک مشین

تہذیب سیرۃ ابن ہشام (325/1) آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین

المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام (4678/1) آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین

(زرقانی ج2: 8)

(بخاری باب غزوہ احد)

^ اب پ . Encyclopedia Iranica. Retrieved on 2007-10-25 [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 2009-12-19 بذریعہ وے بیک مشین

تاریخ خلیفۃ بن خیاط (5/1)، (8/1) آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین

(سیرت ابن ہشام، 98/2)

تاریخ اِبی الفداء آرکائیو شدہ (Date missing) بذریعہ islamport.com (Error: unknown archive URL) لإسماعیل ابو الفداء. "نسخۃ مؤرشفۃ"۔ 22 فبرایر 2020 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 22 فبرایر 2020

غزوات الرسول و سرایاہ آرکائیو شدہ (Date missing) بذریعہ islamport.com (Error: unknown archive URL) لابن سعد. "نسخۃ مؤرشفۃ"۔ 22 فبرایر 2020 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 22 فبرایر 2020

الدرر فی اختصار المغازی والسیر آرکائیو شدہ (Date missing) بذریعہ islamport.com (Error: unknown archive URL) لابن عبد البر. "نسخۃ مؤرشفۃ"۔ 22 فبرایر 2020 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 22 فبرایر 2020

^ اب ابو الأسود الدؤلی آرکائیو شدہ 2016-12-22 بذریعہ وے بیک مشین

^ اب سیر اِعلام النبلاء للذہبی. "نسخۃ مؤرشفۃ"۔ 22 مارس 2019 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 6 نومبر 2022

(ایضاً کتاب المغازی غزوہ خیبر)

(ایضاً)

) صحیح بخاری جلد 2 : 103 مطبوعہ مصر باب غزوہ ذی قرد(

) بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح(

) بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح(

) بنی اسرائیل: 81(

) ایضاً(

آیۃ الاکمال ومسألۃ قیادۃ الائمۃ آرکائیو شدہ 2010-11-12 بذریعہ وے بیک مشین

ماہو حدیث الغدیر؟، مرکز الشعاع الاسلامی آرکائیو شدہ 2012-10-15 بذریعہ وے بیک مشین

الإمام علی فی آراء الخلفاء - الشیخ مہدی فقیہ آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین

) فتح الباری ج 8 : 46(

) سیرت ابن ہشام ج 2 : 267 و مستدرک حاکم ج 3 : 109(

) بخاری کتاب المناقب مناقب علی ؓ (

) سیرت ابن ہشام ج 2 : 342(

) زرقانی، 122/3(

) فتح الباری ج 8 : 152(

فضل علی آرکائیو شدہ 2011-03-05 بذریعہ وے بیک مشین

) صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم(

) مستدرک حاکم ج 3 : 111(

علی بن ابی طالب فی عہد الخلفاء الراشدین (3) آرکائیو شدہ 2017-06-27 بذریعہ وے بیک مشین

) بخاری غزوہ خیبر(

) تاریخ ابن خلدون ج 2 : 102 و طبری فتح المقدس(

) تاریخ طبری : 2938(

) ابن ثیر جلد 3 : 129(

ابو بکر الصدیق لأحمد صبحی منصور "نسخہ مؤرشفۃ"۔ 29 یونیو 2017 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 28 مارس 2008

تہذیب سیرۃ ابن ہشام آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین

کتاب سلیم بن قیس 200:203 آرکائیو شدہ 2016-05-12 بذریعہ وے بیک مشین

بحوث فی الملل والنحل، الجزء السادس 201:210 آرکائیو شدہ 2008-07-06 بذریعہ وے بیک مشین

) طبری : 3010(

) طبری : 3098(

الاختصاص للشیخ المفید ص 6. مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان

کتاب الہجوم علی بیت فاطمۃ علیہا السلام ص 90 للکاتب عبد الزہراء مہدی آرکائیو شدہ 2012-01-25 بذریعہ وے بیک مشین

قاموس البحرین: 337 (نشر میراث مکتوب)

تاریخ الیعقوبی آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین

الأنوار العلویۃ 286:287 للشیخ جعفر النقدی. آرکائیو شدہ 2017-05-04 بذریعہ وے بیک مشین

شجرۃ طوبی ج 2 ص 249 للشیخ محمد مہدی الحائری. آرکائیو شدہ 2017-06-29 بذریعہ وے بیک مشین

مأساۃ الزہراء علیہا السلام، شبہات وردود ج 2 للشیخ جعفر مرتضی، الطبعۃ الثالثۃ 1422ھ. الموافق 2002م. آرکائیو شدہ 2017-07-27 بذریعہ وے بیک مشین

نہج البلاغۃ آرکائیو شدہ 2015-11-02 بذریعہ وے بیک مشین

Hamidullah, Muhammad (1988). The Prophet's Establishing a State and His Succession. University of California. ISBN 969-8016-22-8, p. 126

^ اب پ بیعۃ الإمام علی، تاریخ ابن خلدون "نسخہ مؤرشفۃ"۔ 18 مایو 2007 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 5 ستمبر 2019

کتاب سلیم بن قیس 150:152 آرکائیو شدہ 2020-03-16 بذریعہ وے بیک مشین

کتاب جواہر التاریخ آرکائیو شدہ 2017-07-03 بذریعہ وے بیک مشین للشیخ علی الکورانی "نسخہ مؤرشفۃ"۔ 3 یولیو 2017 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 2 اپریل 2009 [مردہ ربط]

اِنظر:

Madelung 1997, p. 147 and 148

Lewis 1991, p. 214

Tabatabae 1979, p. 191

اِمیر المؤمنین آرکائیو شدہ 05-11-2011 بذریعہ وے بیک مشین [مردہ ربط]

(مستدرک حاکم ج 3: 1366)

(طبری 3186 و مستدرک حاکم ج 3: 366)

والنہایۃ (260/7) [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 16-03-2020 بذریعہ وے بیک مشین

The Fourth Caliph, Ali [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 29-01-2009 بذریعہ وے بیک مشین

کتاب علی بن اِبی طالب اِمیر المؤمنین الباب 4 الفصل 1 [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 23-03-2020 بذریعہ وے بیک مشین

العواصم من القواسم آرکائیو شدہ 06-05-2014 بذریعہ وے بیک مشین

(طبری: 3255)

البدایۃ والنہایۃ (301/7) آرکائیو شدہ 04-03-2016 بذریعہ وے بیک مشین

تاریخ الطبری\الجزء الرابع\موضوع "اجتماع الحکمین بدومۃ الجندل" آرکائیو شدہ 03-10-2018 بذریعہ وے بیک مشین

الکامل فی التاریخ آرکائیو شدہ 29-10-2013 بذریعہ وے بیک مشین

إذاعۃ جمہوریۃ إیران الاِسلامیۃ آرکائیو شدہ 12-01-2009 بذریعہ وے بیک مشین

(ابن اثیر جلد 3: 335)

المنتظم فی التاریخ-الجزء السادس آرکائیو شدہ 16-03-2020 بذریعہ وے بیک مشین

^ اب العقد الفرید لابن عبد ربہ. آرکائیو شدہ 16-03-2020 بذریعہ وے بیک مشین

Madelung, Wilferd (1997). The Succession to Muhammad: A Study of the Early Caliphate. Cambridge University Press. ISBN 0-521-64696-0, p. 148 and 149

(زمر: 65)

تناقض الخوارج والمرجئۃ فی زیادۃ الاِیمان و نقصانہ للدکتور سفر الحوالی. [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 07-08-2014 بذریعہ وے بیک مشین

الخوارج، العقائد والأفکار آرکائیو شدہ 21-04-2009 بذریعہ وے بیک مشین

اِنظر:

Madelung 1997, p. 241 - 259

Lapidus 2002, p. 47

Holt 1970, p. 70-72

Tabatabaei 1979, p. 53 and 54

تاریخ ابن خلدون آرکائیو شدہ 15-05-2007 بذریعہ وے بیک مشین

(فتوح البلدان بلاذری باب سیستان وکابل (

(ایضاً ذکر فتوح السند (

(طبری: 2457،2458)

(ایضاً ص 2461)

إسلام ویب، مرکز الفتوی: مکان قبر علی، وتفنید ما یشاع بشأن الناقۃ. تاریخ التحریر: الاِثنین 17 محرم 1425ھ؛ 8 مارس 2004م "نسخۃ مؤرشفۃ"۔ 27 یولیو 2017 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 8 مایو 2014

مکتبۃ صید الفوائد: بطلانِ نسبۃِ القبرِ فی النجفِ إلی علیِّ بنِ اِبی طالبٍ. کتابۃ: عَ-بْ-دال-لّ-ہ بن محمد زُق-یُ-ل فی 5 رجب 1424ھ-آرکائیو شدہ 28-07-2017 بذریعہ وے بیک مشین

(طبری: 380)

(کتاب الخراج قاضی ابو یوسف و مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الغزوات (

(کتاب الخراج: 79)

(ایضاً: 3453)

(کتاب الخراج ص 50)

(کتاب الخراج: 50)

(ایضاً: 44)

سماه الرسول بهذا كما ورد فی كتب الفريقين و لكن ضعفها اہل السنة كنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، حرف الفاء آرکائیو شدہ 03-12-2010 بذریعہ وے بیک مشین

) طبری: 345 (

) کتاب الخراج: 99 اور سنن ابی داؤد کتاب الحدود (

) کتاب الخراج: 98 (

) ایضاً: 103 (

) کتاب الخراج: 104 (

) ایضاً: 100 (

الإمامة وأہل البیت، ج 2، محمد بیومی مہران

إمامة إمیر المؤمنین علیہ السلام فی القرآن الكريم. آرکائیو شدہ 13-09-2015 بذریعہ وے بیک مشین

الاسم الشريف والكنية المباركة آرکائیو شدہ 20-04-2017 بذریعہ وے بیک مشین

المناقب: ج 3، ص 106، فصل فی تسمیتہ بعلی والمرتضی وحیدرۃ وابی تراب

القرآن الكريم وروایة المدرستين ج 3 للسید مرتضی العسکری [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 21-10-2014 بذریعہ وے بیک مشین

لقب إمیر المؤمنين آرکائیو شدہ 16-03-2020 بذریعہ وے بیک مشین

) کتاب الخراج: 85 (

) ایضاً: 85 (

) مسند احمد جلد اول: 146 (

) ازالۃ الخفاء ج اول: 83 (

) ایضاً ج 2: 220 (

) مسند ج ا: 83 (

) ایضاً: 85 (

) ایضاً: 79 (

مستدرک ج 3: 492،

) فتوح البلدان بلاذری: 477 (

قال محمد بن عبد الله: «إنا مدینة العلم و علی بابها» مستدرک الصحیحین ج 126/3. وفی ص: 127 منه بطریق اخر، وفی تاریخ بغداد ج 348/4 وج 172/7 وج 48/11 وفی ص 49 منه عن یحیٰ بن معین إنه صحیح وفی إسد الغابة 22/4 ومجمع الزوائد ج 114/9 وتهذیب التهذیب 320/6 و 427/7، وفی متن فیض القدیر 46/3، وکنز العمال ط 2، ج 201/12 ح 1130، والصواعق المحرقة/73.

علم الریاضیات لدی علی بن إبی طالب آرکائیو شدہ 03-03-2016 بذریعہ وے بیک مشین

» إذا فلقت الذرة تجد فی قلبها شمسا» مجلة النور عدد 209 رجب 1423

^ اب البلاغة فی نہج البلاغة آرکائیو شدہ 10-03-2016 بذریعہ وے بیک مشین

الشبكة الإسلامية، عرض التراجم، ترجمة إبی الأسود الدؤلی آرکائیو شدہ 27-05-2008 بذریعہ وے بیک مشین

) ابن سعد جز ثانی قسم ثانی: 101 (

) النساء: 35 (

) مسند ابن حنبل ج اول: 86 (

) صحیح بخاری کتاب الدیات حنبل ج اول: 79، 100 (

) ازالۃ الخفاء: 255 (

) صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم ج 2 وکتاب الاعتصام ومسند ابن حنبل ج 1: 709 (

إذاعة جمهورية إیران الإسلامیة آرکائیو شدہ 12-01-2009 بذریعہ وے بیک مشین

) مسند ابن حنبل ج 1: 140 (

) مسند امام ابی عبد اللہ احمد بن حنبل ج 1: 100

) مسند ابن حنبل ج 1: 96 وج 6: 55 (

المنتظم فی التاریخ - الجزء السادس آرکائیو شدہ 16-03-2020 بذریعہ وے بیک مشین

) طبقات ابن سعد ج 2 قسم 2: 102 (

) مسند ابن حنبل ج اول: 83 وحاکم ج 3: 135 (

تاریخ و شجرہ قریشی ہاشمی

) مسند ابن حنبل ج اول: 96،143 (
) ایضاً: 140 (
) تاریخ الخلفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ (
) مستدرک حاکم ج 3: 135 (
) مسند ابن حنبل ج اول: 77 (
) تاریخ الخلفاء سیوطی بروایت زر بن حبیش (
) ایضاً بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ (
) مقدمہ صحیح مسلم (
علی بن إبي طالب، الباب 4، الفصل 5 [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 2020-04-06 بذریعہ وے بیک مشین
ابن الأثیر، إسد الغابۃ ص 805
البلاذری، إنساب الأشراف ص 376

) کتاب العلم (
) جلد اول ص 114 (
مقاتل الطالبیین آرکائیو شدہ (Date missing) بذریعہ islamport.com (Error: unknown archive URL)، إبوالفرج الأصبہانی "نسخہ مؤرشفۃ"۔ 22 فبرایر 2020 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 22 فبرایر 2020
السیرۃ آرکائیو شدہ (Date missing) بذریعہ islamport.com (Error: unknown archive URL) لابن حبان "نسخۃ مؤرشفۃ"۔ 22 فبرایر 2020 میں اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 22 فبرایر 2020
قال محمد بن عبداللہ: «إنا مدینۃ العلم وعلی بابہا» مستدرک الصحیحین ج 126/3. وفی ص: 127 منہ بطریق اخر، وفی تاریخ بغداد ج 348/4 وج 172/7 وج 48/11 وفی ص 49 منہ عن یحیٰ بن معین إنہ صحیح وفی إسد الغابۃ 22/4 ومجمع الزوائد ج 114/9 وتہذیب التہذیب 320/6 و 427/7، وفی متن فیض القدیر 46/3، وکنز العمال ط 2، ج 201/12 ح 1130، والصواعق المحرقۃ 73/.
علم الریاضیات لدی علی بن إبی طالب آرکائیو شدہ 2016-03-03 بذریعہ وے بیک مشین
» إذا فلقت الذرۃ تجد فی قلبہا شمسا» مجلۃ النور عدد 209 رجب 1423
الشبکۃ الإسلامیۃ، عرض التراجم، ترجمۃ إبی الأسود الدؤلی آرکائیو شدہ 2008-05-27 بذریعہ وے بیک مشین
) ازالۃ الخفاء: 274 (
إسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ آرکائیو شدہ 2020-02-22 بذریعہ وے بیک مشین
BALKH AND MAZAR-e-SHARIF آرکائیو شدہ 2017-06-28 بذریعہ وے بیک مشین
مزار شریف وحکایۃ مزار الامام علی بن إبی طالب، جریدۃ 14 إکتوبر الیمنیۃ، 19 ینایر 2008 آرکائیو شدہ 2008-10-06 بذریعہ وے بیک مشین [مردہ ربط]
البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، صفحۃ 14_ المجلد الثامن_ الطبعۃ الأولی سنۃ 1997م_ 1417ھ۔
المطہری The Glimpses of Nahj al Balaghah Part I - Introduction (1997) آرکائیو شدہ 2012-11-30 بذریعہ وے بیک مشین
المطہری The Glimpses of Nahj al Balaghah Part I - Introduction (1997) آرکائیو شدہ 2012-11-30 بذریعہ وے بیک مشین
جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1713
شرح نہج البلاغۃ لابن إبی حدید، الموسوعۃ الشاملۃ آرکائیو شدہ 2016-05-08 بذریعہ وے بیک مشین
) اسد الغابہ ج 4: 19 (
) ازالۃ الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ (
) ایضاً ابو عمر: 266 (
) مسند ابن حنبل ص 135 (
) مسند احمد ج 1: 78 (
) بخاری، باب التَّکْبِیرِ وَالتَّسْبِیحِ عِنْدَ الْمَنَامِ، حدیث نمبر: 5843 (
» واللہ لقد ہممت إن إسجنک فی بیت وإطبق علیک بابہ حتی إفرغ من ہذا الشإن ثم إخرجک، فلما رإی الحسین ذلک سکت وسلم.» البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر آرکائیو شدہ 2010-11-25 بذریعہ وے بیک مشین
إسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، باب الخاء 26
) الفتح: 29 (
) تفسیر فتح البیان ج 9: (
) ترمذی کتاب المناقب فضل فاطمہ (
) مستدرک حاکم ج 3: 108 (

) مسند ابن حنبل ج1 : 107(

) بخاری کتاب المناقب، مناقب علیؓ (

) بخاری کتاب المناقب باب مناقب علیؓ (

مسائل حول العولمۃ الثقافیۃ فی الاِسلام آرکائیو شدہ 07-06-2017 بذریعہ وے بیک مشین

البلاذری،إنساب الأشراف، رقم 542، ص 499 عن طریق مکتبۃ یعسوب الدین علیہ السلام الاِلکترونیۃ آرکائیو شدہ 29-06-2017 بذریعہ وے بیک مشین

کتاب سلیم بن قیس، موقع عقائد آرکائیو شدہ 07-05-2014 بذریعہ وے بیک مشین

) مستدرک ج3 : 367(

الأصدقاء، ص 116، موسوعۃ انصار الحسین آرکائیو شدہ 04-03-2016 بذریعہ وے بیک مشین

) ازالۃ الخفاء : 269(

) مستدرک کی روایت اور ازالۃ الخفا کی روایت میں تھوڑا سا فرق ہے، اس ترجمہ میں اصل مستدرک کی روایت کا لحاظ رکھا گیا ہے(

) ازالۃ الخفاء کا خلاصہ ختم ہوا(

The United Nation and Imam Ali's Constitution [مردہ ربط] آرکائیو شدہ 05-01-2012 بذریعہ وے بیک مشین

الاِمام علی بانی اِسس التعایش آرکائیو شدہ 04-04-2009 بذریعہ وے بیک مشین

) ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس(

) مسند ابن حنبل ج1 : 159(

) مسند احمد ج1 : 99(

البدایۃ والنہایۃ آرکائیو شدہ 17-08-2017 بذریعہ وے بیک مشین

سانچہ : استشہاد بدوریۃ محکمۃ

انساب الأشراف - البلاذری - الصفحۃ ۱۹۴. آرکائیو شدہ 30-09-2020 بذریعہ وے بیک مشین

حضرت ابو طالب کی بیٹیاں

ام ہانیؓ

فاختہ بنت ابی طالب یا ہند بنت ابی طالب المعروف ام ہانی علی ابن ابی طالب کی بہن تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائیں۔ چونکہ ان کے خاوند ہبیرہ بن ابی وہب اسلام نہیں لائے اس لیے ان میں جدائی ہو گئی۔ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مکان پر غسل فرمایا اور کھانا نوش فرمایا، پھر آٹھ رکعت نماز چاشت ادا فرمائی۔[1] شب معراج بھی ان کے گھر تھے اور یہیں سے معراج پر گئے تھے۔ آپ کے ذمے کچھ عرصہ کے لیے حضرت فاطمہ الزہرا کی تربیت بھی کی گئی تھی۔

شادی

ام ہانی بنت ابی طالب کی شادی ہبیرہ بن ابی وہب سے ہوئی جو قبیلہ مخزوم کے سردار[2] اور شاعر تھے۔[3] ام ہانی کے 4 بچے تھے ہانی، جن کی وجہ سے ان کی کنیت ام ہانی پڑی، یوسف، عمر اور جعدہ کے علاوہ صحیح بخاری میں اُن کے پانچویں بچے نام فولان بھی لکھا ہوا ہے تاہم یہ معلوم نہیں کہ یہ پانچواں بیٹا ہے یا چار بچوں میں سے ہی کسی کا متبادل نام ہے۔[4] نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو طالب سے ام ہانی سے شادی کے لیے کہا تھا مگر حضرت ابو طالب نے اس کی شادی ہبیرہ بن ابی وہب سے کر دی۔

وفات

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہیں، تہذیب میں ہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد

حسب ذیل اولاد چھوڑی، عمرو بن ہبیرہ، ہانی بن ہبیرہ، یوسف بن ہبیرہ، جعدہ بن ہبیرہ۔

فضل و کمال

حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے 46/حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں، جعدہ یحییٰ، ہارون، ابو مرہ، ابو صالح، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن حارث بن نوفل، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ، عبد اللہ بن عیاش، شعبی، عطاء، کریب، محمد بن عقبہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں جس سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی: وَتَاْتُونَ فِی نَادِیکُمُ الْمُنْکَرَ۔ [5]

اخلاق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو عقیدت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ فتح مکہ کے زمانہ میں ان کے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا، اس کے بعد ان کو دیا انھوں نے کہا میں روزہ سے ہوں لیکن آپ ﷺ کا جھوٹا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں، بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں روزہ سے ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ روزہ رکھ لینا اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے۔ [6] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا: اُم ہانی! بکری لے لو یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے۔ [7] ایک مرتبہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے، اس لیے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وظیفہ بتلایا، فرمایا کہ سُبْحَانَ اللہِ ایک سو مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ایک سو مرتبہ اَللہُ اَکْبَر ایک سو مرتبہ اور لَااِلٰہَ اِلَّا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو۔ [8]

حوالہ جات

صحیح ترمذی ج1، صفحہ 62اور صحیح بخاری باب منزل النبی یوم الفتح

محمد ابن اسحاق۔ سیرت رسول اللہ. ترجمہ از. Guillaume, A. (1955). The Life of Muhammad, p. 356. Oxford: Oxford University Press

Ibn Ishaq/Guillaume pp. 404, 557.

Bukhari 1:8:353. Bukhari 4:53:396.

(العنکبوت:29۔ مسند:341/6)

(مسند:341/6)

(مسند:341/6)

(مسند:344/6)

جمانہ بنت ابی طالب

جمانہ بنت ابی طالب (عربی: جمانۃ بنت اِبی طالب) ایک صحابیہ، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی عم زاد اور علی بن ابی طالب کی بہن تھیں۔ [1]

نام و نسب

جمانہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب کی بیٹی اور حضرت علی کی ہمشیرہ تھیں۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ جمانہ کی پیدائش 38 قبل ہجرت مکہ میں ہوئی۔ ان کی شادی ان کے عم زاد ابوسفیان بن حارث سے ہوئی تھی۔ ان سے جعفر بن ابی سفیان [2] (عربی: جعفر بن اِبی سفیان) اور شہید کربلا عبد اللہ بن ابی سفیان پیدا

ہوئے۔ ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی سفیان کی والدہ فغمہ بنت حمام بن اکلم تھیں۔ مگر ابو احمد العسکری نے کہا: وہ عبداللہ بن ابی سفیان بن الحارث بن عبد المطلب کی والدہ ہیں۔

اسلام

جمانہ نے اسلام قبول کیا اور پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خانہ سے بیعت کی اور مدینہ ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والوں نے انھیں خیبر سے تیس وسق دیے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اس وقت تک نہیں دیتے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو۔

سوانح

جمانہ بنت ابی طالب کا نام کتب میں بہت کم ملتا ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی تحریر میں لکھا ہے کہ ابو طالب کی اولاد میں جمانہ کا نام بھی ملتا ہے مگر ان کے حالات سے کوئی آگاہی نہیں ہوتی۔ اسحاق بن راہویہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیداوار خیبر میں سے تیس وسق خرما جمانہ بنت ابی طالب کے لیے مقرر فرمائے تھے۔ اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلعت اسلام سے مشرف تھیں اور جمانہ فتح خیبر تک حیات تھیں۔

وفات

بعض منابع نے بیان کیا ہے کہ وہ واقعہ کربلا میں شریک ہوئی تھیں اور واقعہ طف کے بعد ان کو اسیروں کے درمیان میں اسیر کر لیا گیا تھا اور پھر وہ امام سجاد علیہ السلام (امام حسین) کے ساتھ مدینہ واپس آئی تھیں۔ روایت کے مطابق وہ کربلا میں حاضر ہوئیں، ان کا انتقال 60 ہجری کے بعد ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ دوسرے ذرائع نے بیان کیا ہے کہ وہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں فوت ہوئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

حوالہ جات

الطبقات الکبری - ابن سعد - ج 8 - ص 38
الإصابة فی تمییز الصحابة - ابن حجر - ج 8 - ص 63

ام طالب بنت ابی طالب

ام طالب بنت ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصائی ہاشمی،،: آپ کا نام ریطہ ہے اور آپ کی کنیت ام طالب اور آپ صحابیہ ہیں [1] اور رسول خدا ﷺ کی چچازاد بہن ہیں اور آپ علی بن ابی طالب کی بہن، ابی طالب کی بیٹی ہے اور آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد ہیں (مکاتیب الرسول - الاحمدی المیانجی - ج ۳ - الصفحة ٦٤٦)

حضرت عقیل بن ؓ ابی طالب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عقیل رضی اللہ عنہ سے بہت محبت کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ ابوزید مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے، اسی قرابت کے سبب سے، دوسری اس وجہ سے کہ میرے چچا تم کو محبوب رکھتے تھے۔

(تہذیب الکمال صلی اللہ علیہ وسلم270)

نام ونسب

عقیل نام، ابویزید کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی، ماں کا نام فاطمہ تھا، آپ حضرت علیؓ کے بھائی اور عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے۔

(اسد الغابہ: ۳/۴۳۲)

بدر میں گرفتاری

عقیل کا دل ابتدا سے اسلام کی طرف مائل تھا؟؛ لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے علی الاعلان اسلام نہیں قبول کر سکتے تھے؛ چنانچہ بدر میں بادل ناخواستہ مشرکین کے ساتھ شریک ہوئے اور جب ان کو شکست ہوئی تو دوسرے مشرکین کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ دیکھو میرے گھرانے والوں میں کون کون لوگ گرفتار ہوئے، آپ نے تحقیقات کرکے عرض کیا کہ نوفل، عباس اور عقیل گرفتار ہوئے ہیں یہ سن کر آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس تشریف لائے اور عقیل کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابوجہل قتل ہو گیا، عقیل بولے اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم باقی نہیں رہا، عقیل کے ہاتھ مال ودولت سے خالی تھے، اس لیے حضرت عباسؓ نے اپنی جیب سے ان کا فدیہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔

(ابن سعد، جزء ۴، ق ۱:۲۹)

اسلام وہجرت اور غزوات

آزاد ہونے کے بعد مکہ واپس گئے اور ۸ھ میں باقاعدہ اسلام لا کر ہجرت کا شرف حاصل کیا اور غزوۂ موتہ میں شریک ہو کر پھر مکہ واپس گئے، وہاں جا کر بیمار پڑ گئے، اس لیے فتح مکہ، طائف اور حنین میں شرکت سے معذور رہے، (اسد الغابہ: ۳/۴۲۲)؛ لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حنین میں شریک ہوئے؛ بلکہ جب مسلمانوں کو ابتدا میں شکست ہوئی اور مہاجرین وانصار کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے۔

(اصابہ: ۲۵۵/۴)

عہد مرتضوی

خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا، حنین کے بعد امیر معاویہؓ اور جناب امیرؓ کے اختلافات کے زمانہ میں نظر آتے ہیں، یہ گو حضرت علیؓ کے بھائی تھے؛ لیکن اپنی ضروریات کی بناپر حضرت امیر معاویہؓ سے تعلقات رکھتے تھے اور مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ عقیل مفلس، مقروض اور روپیہ کے حاجت مند تھے اور جناب امیرؓ کے یہاں یہ شے عنقا تھی اور امیر معاویہؓ کا خزانہ ہر شخص کے لیے کھلا ہوا تھا، اس لیے افلاس و ناداری نے امیر معاویہؓ کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا تھا، امیر معاویہؓ کے پاس جانے سے پہلے ایک مرتبہ قرض کی ادائیگی کی فکر میں حضرت علیؓ کے پاس بھی گئے تھے، انہوں نے بڑی پذیرائی کی، حسنؓ کو حکم دیا، انہوں نے لاکر کپڑے بدلائے، شام کو دستر خوان بچھا تو صرف روٹی، نمک اور ترکاری آئی، عقیلؓ نے کہا بس یہی سامان ہے، حضرت علیؓ نے فرمایاہاں، عقیل نے مطلب بیان کیا کہ میرا قرض ادا کر دو، حضرت علیؓ نے پوچھا کس قدر ہے، کہا ۴۰ ہزار آپ نے جواب دیا، میرے پاس اتنا روپیہ کہاں، تھوڑا صبر کیجئے جب چار ہزار میرا وظیفہ ملے گا تو آپ کو دیدوں گا، عقیل نے کہا تم کو کیا دشواری ہے بیت المال تمہارے ہاتھ میں ہے، مجھ کو وظیفہ کے انتظار میں کب تک رکھوگے، حضرت علیؓ نے فرمایا میں مسلمانوں کا امین ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ خیانت کرکے ان کا مال آپ کے حوالہ کردوں یہ جواب سن کر عقیل چلے گئے اور امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے، امیر معاویہؓ نے پوچھا تم نے علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو کیسا پایا، جواب دیا، وہ لوگ رسول کے صحیح صحابی ہیں، بس صرف اس قدر کمی ہے کہ آنحضرت ﷺ ان میں نہیں ہیں اور تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک ابو سفیان کے حواریوں کی طرح ہو، مگر اس موازنہ کے بعد بھی دوسرے دن امیر معاویہؓ نے دربار میں انہیں بلوا کر پچاس ہزار درہم دلوائے۔

(اسد الغابہ: ۴۲۳/۳)

عقیل کے شام جانے کے بعد امیر معاویہؓ لوگوں کے سامنے ان کو مثال میں پیش کرکے ان کو اپنی حمایت پر آمادہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر میں حق پر نہ ہوتا تو علیؓ کے بھائی ان کو چھوڑ کر میرا ساتھ کیوں دیتے، ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے یہی دلیل پیش کر رہے تھے، عقیل بھی موجود تھے، انہوں نے جواب دیا کہ میرا بھائی دین کے لیے بہتر ہے اور تم دنیا کے لیے، یہ دوسری بات ہے کہ میں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی، رہا آخرت کا معاملہ تو اس کے لیے اللہ سے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔

(اسد الغابہ: ۴۲۳/۳)

وفات

امیر معاویہؓ کے اخیر عہد یا یزید کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔

(اصابہ: ۶۵۵/۴)

اہل وعیال

عقیلؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان بیویوں اوراولادوں کے نام یہ ہیں۔

بیوی	اولاد
ام سعید	زید، سعید
خلیلہ	علی، محمد، رملہ
ام بنین	جعفر، اکبر، ابوسعید، احول
ام ولد	
اسماء بنت سفیان	مسلم، عبداللہ، عبدالرحمن، عبداللہ، الاصغر

ان کے علاوہ جعفر، اصغر، حمزہ، عثمان، ام ہانی، اسماء، فاطمہ، ام قاسم، زینب اور ام نعمان وغیرہ، مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھیں۔

ذریعۂ معاش

آنحضرت ﷺ نے خیبر کی پیداوار سے ڈیڑھ سو وسق سالانہ مقرر فرمایا تھا۔

استعداد علمی

ہجرت کے بعد پھر مکہ لوٹ گئے تھے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے، اس لیے صحبت نبوی ﷺ سے فیضیاب ہونے کا بہت کم موقع ملا، اسی لیے رسول ﷺ کے عزیز ہونے کی حیثیت سے علم میں ان کا جو پایہ ہونا چاہیے تھا، وہ نہ پیدا ہو سکا، تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی دو چار روایتیں موجود ہیں، محمد، حسن بصری اور عطا آپ کے زمرۂ رواۃ میں ہیں۔

(مستدرک حاکم: ۵۷۶/۳)

مذہبی علوم کے علاوہ علوم جاہلی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، چنانچہ علم الانساب کے جو عربوں کا خاص علم تھا، بڑے ماہر تھے، ایام عرب کی داستانیں بھی ان کو ازبر تھیں اور ان علوم میں لوگ ان سے استفادہ کرتے تھے، چنانچہ مسجد نبوی ﷺ میں نماز کے بعد یہ بیٹھتے تھے اور لوگ ان سے مستفید ہوتے تھے۔

(مسند احمد بن حنبل: ۲۰۱/۱)

آنحضرت ﷺ کی محبت

آنحضرت ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ابو زید مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے ایک قرابت کے سبب سے دوسری اس وجہ سے کہ میرے چچا تم کو محبوب رکھتے تھے۔

(تہذیب الکمال: ۲۷۰)

پابندی سنت

عقیل شادی و مسرت کے موقعوں پر بھی جبکہ لوگ عموماً کچھ نہ کچھ بے اعتدالی کر جاتے ہیں، مسنون طریقوں کا لحاظ رکھتے تھے، ایک مرتبہ نئی شادی کی، صبح کو احباب مبارک باد دینے آئے اور عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان الفاظ میں تہنیت پیش کی کہ "بالرفاء والبنین" اگرچہ ان الفاظ میں کوئی خاص قباحت نہیں تھی؛ لیکن چونکہ مسنون طریقہ تہنیت موجود تھا، اس لیے کہا کہ یہ نہ کہو؛ بلکہ "بارك الله لكم وبارك الله عليكم" کہو کہ ہم کو اسی کا حکم ملا ہے۔
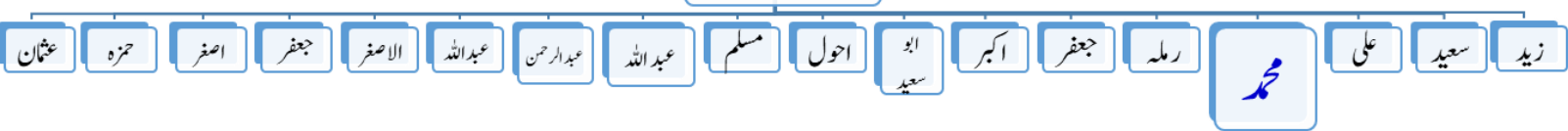
روایات

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَا حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ الْحَسَنِ قَالَ تَزَوَّجَ عَقِيلُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ امْرَأَةً مِنْ بَنِي جُشَمٍ فَقِيلَ لَهُ بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِينَ قَالَ قُولُوا كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارَكَ اللَّهُ فِيكُمْ وَبَارَكَ لَكُمْ

سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1284 حدیث مرفوع مکررات 5 متفق علیہ 0

عمرو بن علی و محمد بن عبدالاعلی، خالد، اشعث، حضرت حسین (رض) سے روایت ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب نے قبیلہ بنو جشم کی کسی خاتون سے نکاح کیا پس لوگوں نے ان کو دعا دی " بالرفاء والبنین " یعنی تم اور تمہاری اولاد میں اللہ تعالیٰ اتحاد و اتفاق قائم فرمائے اور تم کو صاحب اولاد کرے۔ اور وہ خاتون قبیلہ جشم کی تھی۔ یہ سن کر عقیل کہنے لگے کہ جس طریقہ سے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تھا تم اس طریقہ سے کہو اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس طریقہ سے ارشاد فرمایا تھا " بَارَکَ اللَّهُ فِيكُمْ وَبَارَکَ لَكُمْ " یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ہر چیز میں برکت اور خیر عطا فرمائے اور تم کو صاحب برکت بنا دے۔

حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ قَالَ تَزَوَّجَ عَقِيلُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَخَرَجَ عَلَيْنَا فَقُلْنَا بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِينَ فَقَالَ مَهْ لَا تَقُولُوا ذَلِكَ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ نَهَانَا عَنْ ذَلِكَ وَقَالَ قُولُوا بَارَكَ اللَّهُ لَهَا فِيكَ وَبَارَكَ لَكَ فِيهَا

مسند احمد: جلد اول: حدیث نمبر 1647 حدیث مرفوع مکررات 2 متفق علیہ 0

عبداللہ بن محمد کہتے ہیں کہ جب حضرت عقیل (رض) کی شادی ہوئی اور وہ ہمارے پاس آئے تو ہم نے ان سے مبارک باد دیتے ہوئے کہا اللہ آپ کے درمیان اتفاق پیدا کرے اور آپ کو بیٹے عطاء فرمائے، انھوں نے فرمایا ٹھہرو، یہ نہ کہو، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے اور یہ کہنے کا حکم دیا ہے اللہ تم میں برکت پیدا فرمائے اور تمہیں اپنی بیوی کے لیے مبارک فرمائے۔

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ أَنْبَأَنَا يُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عَقِيلَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي جُشَمَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ الْقَوْمُ فَقَالُوا بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِينَ فَقَالَ لَا تَفْعَلُوا ذَلِكَ قَالُوا فَمَا نَقُولُ يَا أَبَا يَزِيدَ قَالَ قُولُوا بَارَكَ اللَّهُ لَكُمْ وَبَارَكَ عَلَيْكُمْ إِنَّا كَذَلِكَ كُنَّا نُؤْمَرُ

مسند احمد: جلد اول: حدیث نمبر 1648 حدیث مرفوع مکررات 2 متفق علیہ 0

عبداللہ بن محمد کہتے ہیں کہ جب حضرت عقیل (رض) کی شادی ہوئی اور وہ ہمارے پاس آئے تو ہم نے ان سے مبارک باد دیتے ہوئے کہا اللہ آپ کے درمیان اتفاق پیدا کرے اور آپ کو بیٹے عطاء فرمائے، انھوں نے فرمایا ٹھہرو، یہ نہ کہو، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے اور یہ کہنے کا حکم دیا ہے اللہ تم میں برکت پیدا فرمائے اور تمہیں اپنی بیوی کے لیے مبارک فرمائے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُؤَمَّلِ بْنِ الصَّبَّاحِ وَعَبَّادُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَا حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ زَبَّانَ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجْزِئُ مِنْ الْوُضُوءِ مُدٌّ وَمِنْ الْغُسْلِ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ لَا يُجْزِئُنَا فَقَالَ قَدْ كَانَ يُجْزِئُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ وَأَكْثَرُ شَعَرًا يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر 270 حدیث مرفوع مکررات 13 متفق علیہ 5

محمد بن مومل بن صباح و عباد بن ولید، بکر بن یحیٰی بن زبان، حبان بن علی، یزید بن ابی زیاد، عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب، حضرت عقیل بن ابی طالب (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وضو کے لیے ایک مد اور غسل کے لیے ایک صاع کافی ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ ہمیں تو اتنا کافی نہیں ہوتا تو فرمایا کہ تم سے بہتر اور افضل اور تم سے زیادہ بالوں والی شخصیت یعنی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تو کافی ہو جاتا تھا۔

شجرہ میں سیدنا مسلم بن عقیلؓ کا نام بھی لکھا گیا پر کیوں؟

شجرہ میں سیدنا حضرت مسلم بن عقیل کا نام محمد مسلم کے طور پر لکھا گیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت مسلم کا نام تمام مراجع میں محمد نہیں تو پھر ایسا کیوں؟ اس کی وجہ بڑی سادہ ہے کیونکہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی ذات ایک ہمہ گیر شہرت کی حامل ہے۔ ہر ملک و ملت کے لوگ ان کی وفا اور ذات سے واقف ہیں۔ اگر کوئی صرف ہاشمی بتائے تو بالخصوص ہند و پاک کے لوگ اس سے زیادہ تر ناآشنا تھے لیکن واقعہ کربلا ہر کوئی جانتا ہے۔ حتیٰ کہ ہندو، عیسائی، اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اس کو جانتے ہیں۔ تو بطور ریفرنس اس نام نامی کو استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے فوراً آشنائی ہو جاتی ہے۔

جیسے ہمارے معاشرے میں عام طور پر جوائنٹ فیملی میں تایا جان کو بھی بڑے ابو ہی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ تایا جان زیادہ جانی پہچانی شخصیت ہوتی ہے اس لئے چھوٹے بھائیوں کے بچے بھی تایا جان کو اپنے ابو ہی بتاتے ہیں۔ لیکن ابو تو اور ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نام محمد واضح لکھا گیا تاکہ ابہام نہ رہے۔

چونکہ جناب سیدنا مسلم بن عقیل کی تمام اولاد کربلا یا اس کے ضمن میں شہید ہو گئی تھی اور واقعہ کربلا پیش آگیا تو اس میں بنو عقیل نے بھی دوسرے بنو ابی طالب کی طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سوائے سیدنا محمدؒ کے سوا باقی مردوں میں کوئی نہ بچا بلکل اسی طرح جیسے سیدنا زین العابدین علی بن حسین صرف اکلوتے باقی بچے لہٰذا ساری اولاد عقیل سیدنا محمدؒ سے ہی چلی۔ اور عرفاً مسلم بن عقیل کا نام حوالہ بن گیا۔

قرآن کریم میں بھی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام اذر لکھا ہے حالانکہ ان کے والد کا نام تارخ تھا۔ کیونکہ عربی میں اب چچا، تایا اور دادا وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا آیا ہے۔ اس کی وضاحت اگر کوئی چاہے تو کسی عالم سے پوچھ لے ورنہ میں تحریر کردوں گا اگر اللہ کریم نے توفیق دی۔

یہاں ایک بات اور بھی واضح کردوں کہ جو واقعہ حضرت سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا یعنی بی بی پاک دامنؒ لاہور کا ہے۔ تاریخی لحاظ سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ بعض شیعہ حضرات نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ لیکن محققین کے ہاں ایسا نہیں۔ ہو سکتا ہے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے نہ ہوں واللہ اعلم بہر حال مفتی ادارہ منہاج القرآن یوں فرماتے ہیں "مزار بی بی پاکدامن میں مدفون جن ہستیوں کا تذکرہ عام طور پر کیا جاتا ہے ان میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، ان کی ہمشیرگان اور خاندان کی دیگر خواتین ہیں۔ تاہم اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے، ہو سکتا ہے یہ مزارات جن ہستیوں کے نام سے معروف ہیں انہی کے ہوں۔"

اور آزاد دائرۃ المعارف میں یوں ہے "بی بی پاکدامن لاہور میں واقع ایک مزار کو کہا جاتا ہے جو رقیہ بنت علی کا ہے۔ اس مزار کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں اہل بیت یعنی کنبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی چھ خواتین کے مزارات یہاں واقع ہیں۔ رقیہ بنت علی ابن ابی طالب چوتھے خلیفہ حضرت علی ان ابوطالب کی بیٹی ہیں۔ آپ حضرت عباس ابن علی کی سگی بہن ہیں اور حضرت مسلم بن عقیل کی زوجہ ہیں۔ دوسری خواتین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مسلم بن عقیل کی بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خواتین سانحہ کربلا کے بعد یہاں تشریف لائیں۔ (بتاریخ اکتوبر 10 680ء) (بعض علماء کے خیال میں رقیہ دراصل سید احمد توختہ (بارہویں صدی) کی بیٹی تھیں۔ بی بی پاکدامن گڑھی شاہو اور ریلوے سٹیشن کے درمیانی علاقہ میں واقع ہے۔ یہاں پہنچنے کا سب سے آسان راستہ ایمپریس روڈ کی جانب سے ہے جو پولیس لائنز کے بالمقابل ایک چھوٹی سڑک کے بائیں جانب واقع ہے۔" واللہ اعلم

یہاں چونکہ مسلم بن عقیلؓ ایک ریفرنس ہیں لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ کا تذکرہ بھی بیان ہو جائے

مسلم بن عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلبؓ

یوں تو تاریخ اسلام شھدا کی جرات و بہادری، اور وفاشعاری سے معمور ھے۔ مگر شہادت سے قبل، تنہائی، بے بسی، بھوک، پیاس، پردیس، اپنایت اور محبت کا دم بھرنوں والوں کی انتھائی درجے کی بے وفائی، نام نہاد "اپنوں" کی سفاکی، جبر و تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شہید اسلام کا نام نامی اسم گرامی حضرت سیدنا امام مسلم بن عقیلؓ ھے۔

آپکی بے بسی اور تنھائی کے بارے ہی شائد کہا گیا ھے۔

خواب کی طرح بکھر جانے کو جی چاہتا ھے
ایسی تنھائی کہ مر جانے کو جی چاہتا ھے۔

مجبور ولاچار، بے بس، بے کس مگر وفاشعار حسینی مجاھدین میں سرفہرست نام نامی اسم گرامی حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے، حضرت سیدنا امام حسین کے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کا نام ھے۔ کربلاء بنی ہاشم کے شہزادوں کی قربانیوں کا نام ھے۔ میدان کربلاء میں آل ابوطالب کے ایک سے بڑھ کر ایک جوان اپنے مبارک ہاشمی خون سے چمنستان اسلام کی آبیاری کرتے دکھائی دیتے ہیں

لیکن اس حسینی تحریک اور کربلاء کی تاریخ کے شہید اول ہونے کا جنھیں اعزاز حاصل ھے۔ وہ مبارک شخصیت حضرت مسلم بن عقیل کی ھے

آپکی والدہ محترمہ کا اسم گرامی علیہ خاتون تھا۔ آپ کے پانچ بیٹے محمد، ابراہیم، عبداللہ، مسلم، محمد الاصغر اور ایک بیٹی تھی۔ بعض نے ایک اور بیٹے علی کا بھی ذکر کیا ہے یہ بھی کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالی نے آپکو کمال درجے کی وجاہت اور خوبصورت شکل و صورت سے نواز رکھا تھا

آپ کی ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں. معروف قول کے مطابق آپکی ولادت مدینہ منورہ میں 17 رمضان المبارک میں ھوئی اور شہادت بے وفاؤں کے شہر کوفہ میں 9 ذوالحجۃ 60ھ میں ھوئی۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل ابن ابوطالب کے بیٹے تھے یعنی حضرت امام حسین ابن علی کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کا لقب سفیر حسین اور غریبِ کوفہ (کوفہ کے مسافر) تھا۔ انھیں کربلا کے سفیر اول بھی کہا جاتا ھے. واقعہ کربلا سے کچھ عرصہ پہلے جب کوفہ کے لوگوں نے حضرت امام عالی مقام جناب حسین پاکؑ کو خطوط بھیج کر کوفہ آنے دعوت دی کہ کوفہ تشریف لاکر ہماری دینی رہنمائی فرمائیں. اوراس امر کا اظہار کیا کہ ریاست اور مسلمانوں کو آپکی امارت کی اشد ضرورت ھے. اہل کوفہ کے امام حسین علیہ السلام کے نام ان خطوط کی تعداد ہزاروں میں تھی. اس صورت حال کے پیش نظر حضرت امام عالیؑ مقام نے اپنے انتہائی معتمد ساتھی اور چچازاد حضرت مسلم ابن عقیل کو صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے کوفہ روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر انہیں صورت حال مناسب لگی اور انہوں نے امام حسینؑ کو خط بھیج دیا کہ کوفہ آنے میں کوئی قباحت نہیں۔ مگر بعد میں یزید نے عبید اللہ ابن زیاد کو کوفہ کا حکمران بنا کر بھیجا جس نے مسلم بن عقیلؑ اور ان کے دو کم سن فرزندوں کو شہید کروادیا۔

جب امام حسینؑ نے مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ جانے کا حکم دیا تو اس وقت وہ مکہ میں تھے۔ وہاں سے وہ مدینہ گئے جہاں انہوں نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دی پھر اپنے دو بیٹوں محمد اور ابراہیم جن کی عمریں سات اور آٹھ سال تھیں، کولے کر ساٹھ ہجری ماہ شوال کے آغاز میں کوفہ کی طرف سفر کا آغاز کیا۔ کوفہ میں انہوں نے مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر پر قیام کیا۔ کوفہ والوں نے ان کی بیعت شروع کی ابن عساکر کے مطابق بیعت کرنیوالوں کی تعداد اٹھارہ ہزار اور بعض دیگر روایات کے مطابق بیعت کرنیوالوں کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس حوصلہ افزاء صورت حال کے پیش نظر حضرت امام مسلم بن عقیلؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ دیا کہ کوفہ آنے کے لیے حالات سازگار ہیں۔ لھذا آپ جلد کوفہ تشریف لایئے. اس وقت کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا۔

جب کوفہ میں حضرت امام مسلم بن عقیلؑ کی اس شاندار مقبولیت کی یہ خبر یزید تک پہنچی تو اس نے بصرہ کے گورنر عبید اللہ ابن زیاد کو پیغام بھیجا کہ وہ جلد کوفہ پہنچ کر نعمان بن بشیر کی جگہ کوفہ کی گورنری کا چارج سنبھالے اور مسلم بن عقیلؑ کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیجیں۔ ابن زیاد نے کوفہ پہنچ کر گورنری کا چارج سنبھالا تو مسلم بن عقیلؑ مختار ثقفی کے گھر سے صحابیِ رسول ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ کے گھر منتقل ہو گئے۔ ادھر پورے کوفہ میں منادی کروادی گئی کہ مسلم بن عقیلؑ کو پناہ دینے والے کا گھر اور کنبہ برباد کردیا جائیگا. اسی دوران بصرہ کا ایک سردار شریک بن اھور اسلمی بہت بڑا محب اہلبیت تھا جو کہ صحابی رسول ہانیؓ بن عروہ کے گھر آکر ٹھہرتا ھے, ابن زیاد شریک کی عیادت اور ملاقات کی غرض سے ہانیؓ کے گھر آتا ہے حضرت مسلم بن عقیلؑ، ابن زیاد کی وجہ سے گھر کے ایک حصے میں چھپ جاتے ہیں. اس دوران آپ کے پاس بہترین موقع تھا کہ آپ ابن زیاد پہ حملہ کرکے اسے قتل کردیں

مگر اپنے میز بان محترم ہانی رضی اللہ عنہ کی عزت اور میز بانی کے حیانے انکو ابن زیاد کا کام تمام کرنے سے روک دیا. ابن زیاد کو جاسوسی کے ذریعے پتہ چلا کہ حضرت مسلمؓ عروہ بن ہانی رضی اللہ عنہ کے گھر ہیں. ابن زیاد نے فوج کو انہیں پکڑنے کے لیے بھیجا توحضرت ہانی رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت 90 سال تھی، انہوں نے اپنے مہمان کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ ہانی بن عروہ کو قید کر لیا گیا۔ اس پر بھی انہوں نے انکار کیا تو انہیں باندھ کر پانچ سو کوڑوں کی سزا دی گئ جس کے دوران جب وہ بے ہوش ہو گئے تو ان کا سر تن سے کاٹ کر لٹکا دیا گیا۔

حضرت ہانیؓ کی گرفتاری کے بعد حضرت مسلمؓ نے کوفہ کی ایک نیک دل خاتون طوعہ کے گھر پناہ لی جہاں طوعہ کے ایک شرابی بیٹے نے مخبری کر کے آپکو گرفتار کروا دیا

جب حضرت مسلمؓ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے انہیں سزا دی کہ انھیں رسیوں سے باندھ کر کوفہ کے دار الامارۃ کی چھت سے گرا دیا جائے۔ مسلم بن عقیلؓ نے شہادت سے پہلے چند وصیتیں کیں. جن میں سے ایک ایسی اھم وصیت تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ھے کہ امام عالی مقام کے اس معتمد اور تحریک حسینی کے مجاھد کا کردار کتنا روشن اور اخلاق کتنا اعلی تھا. آپ نے وصیت میں فرمایا میری شہادت کے بعد میری یہ زرہ اور تلوار فروخت کر کے کوفہ میں فلاں فلاں شخص سے میں نے کھانے پینے کی کچھ خدمات لی تھی. اسکا قرض اتار دینا. وصیت کے بعد ان رسیوں سے باندھ کر انکو چھت سے گرا کر شہید کر دیا گیا۔ یہ واقعہ۔ شہادت کے بعد آپ کا سر کاٹ دیا گیا اور سر مبارک دنیا کے سفاک ترین اور بد نام زمانہ اموی حکمران یزید کو دمشق بھجوا دیا گیا اور آپ کے جسم اطہر کو کوفہ کے قصابوں کے بازار میں دار پر لٹکا دیا گیا تا کہ کوفہ کے لوگ ڈر کے مارے اب بنو ہاشم کی حمایت نہ کریں آپؓ کی شہادت کے بعد ابن زیاد کے حکم سے ان کے دونوں کم سن شہزادوں جو قاضی شریح کے گھر چھپے ھوئے تھے. شہید کر دیا گیا. قاضی شریح نے کوشش کی بچوں کو خفیہ طریقے سے مدینہ شریف پہنچا دیا جائے مگر کامیابی نہ ہو سکی کیونکہ کوفہ شہر میں سنگین ترین اور بے رحم مارشل لاء نافذ تھا جس کی وجہ سے شہر کے تمام دروازے بند کر کے راستوں پہ پہرہ بٹھا دیا گیا تھا. ان ننھے, منھے ہاشمی شہزادوں کے بھی سر کاٹ لئے گئے تھے. ان میں سے ایک کا اسم گرامی محمد اور دوسرے کا ابراہیم تھا. دنیا اور اقتدار کی حرف ولالچ نے یزید اور ابن زیاد کو ایسا اندھا کر دیا تھا کہ ان ظالموں نے نہ رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کی عزت کا لحاظ کیا نہ صحابئ رسول کے مقام و مرتبے کا. مکہ سے کوفہ آتے ھوئے راستے میں کوفہ سے چند میل کے فاصلے پہ جب سید نا امام عالی مقام علیہ السلام کو حضرت امام مسلم کی شہادت کی خبر ملی تو آپ کو شدید صدمہ ہوا دکھ اور کرب کی کیفیت میں بار بار فرما رھے تھے. اناللہ وانا الیہ راجعون. اس وقت آپ نے امام مسلم کی شہادت پر ملال محبت بھرا جملہ ارشاد فرمایا. آپ نے نمناک آنکھوں کے ساتھ فرمایا "ان کے بعد زندگی میں لطف نہیں رہا"

حضرت امام مسلم کے بیٹوں میں سے دو نے کربلا کے میدان امام عالی مقام کے ساتھ اور سو نے کوفہ میں شہادت پائ. یوں

اگر کہا جائے کہ حضرت امام مسلم حسینی تحریک کے وہ جانثار اور وفادار شہید ہیں جنھوں نے اپنا سب کچھ امام عالی مقام پر حسینیت اور اسلام کی سر بلندی کے لئے قربان کر دیا آپکی عظمت اور عزیمت کے بارے پڑھ کر کہا جا سکتا ھے.
وزینت سے کردار نکھرتے اور تاریخ میں امر ھو جاتے ہیں. جبکہ رخصت سے بڑے بڑے کردار کتابوں کے قبرستان میں دفن ہو جاتے ہیں.
بقول اقبال علیہ الرحمہ

بندہ حو ضیغم وآہو ست مرگ
یک مقام از صد مقام است مرگ

انساب کے ماہرین اور اس سے متعلقہ تمام کتب کے مطابق:
آپؓ کی ساری نرینہ اولاد اس معرکہ میں اور اس سے ملحقہ واقعات مین شہید ہو گئ۔ اور آپ کا سلسلہ آگے نہ چل سکا۔

محمدؓ بن عقیل بن ابی طالب

(محمد الاصغرؓ)

حضرت محمدؒ آپ جناب عقیل بن ابو طالب کے لخت جگر ہیں۔آپ کی والدہ ام ولد تھیں۔
تمام نسل عقیلؒ بن ابی طالب آپ سے ہی چلی۔ کیونکہ سیدنا عقیلؒ کے تمام اولاد واقعہ کربلا یا اس سے منسلک واقعات میں شہید ہو گئی۔
مصعب زبیری اپنی کتاب نسب قریش صفحہ 85 میں لکھتے ہیں:

"انقرض ولد عقيل إلا من محمد بن عقيل، وكانت عنده زينب الصغرى بنت علي بن أبي طالب، وهي لأم ولد؛ فولدت له: عبد الله بن محمد، روى عنه الثوري وغيره؛ وعبد الرحمن؛ وكان يشبه برسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ وكان من الصلحاء.

حضرت عقیل کی اولاد ماسوائے محمد بن عقیل کے منقطع ہو گئی۔ آپ کی شادی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی زینب صغریؓ سے ہوئی تھی۔ آپ کی والدہ ام ولد تھیں اور آپ کے بیٹے عبداللہ بن محمد ہیں جن سے ثوری و عبدالرحمن وغیرہ نے روایت کی ہے۔ آپ کی شبیہ رسول اللہ ﷺ سے ملتی تھی اور آپ صلحا میں سے تھے۔"

ابن عساکر نے اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ مدینہ دمشق میں باب باندھا ہے

محمد الأَصْغَر بن عُقيل بن أبي طالب بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصي بن كلاب الهاشمي العقيلي (6756)

فرماتے ہیں:

كان مع ابن عمه الحسين بن علي حين توجه إلى العراق، فلما قتل الحسين وأهل بيته (استصغر محمد بن عقيل فلم يقتل، وقدم به دمشق فيمن أقدم من أهل بيته) وقد مضى ذكر قدومه في ترجمة الحسين.

آپ اپنے چچازاد بھائی حضرت امام حسین بن علیؓ کے ساتھ، جب وہ عراق گئے، ہمراہ تھے، پس جب سیدنا امام حسینؓ اور انکے اہل بیت شہید ہوئے تو محمد بن عقیل چھوٹے تھے تو انہیں قتل نہ کیا، اور اآپ اہل بیت کے ساتھ دمشق میں گئے۔ ترجمۃ الحسین میں ان کی اامد کا ذکر ہے۔
پھر ان سے یہ روایت نقل کی ہے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو القاسم علی بن إبراهیم، أنبأنا الأمیر أبو المکارم حیدرة بن الحسین بن مفلح، أنبأنا الحسین بن عبد الله بن محمد بن أبي کامل الأطرابلسی، قدم علینا دمشق، أنبأنا خیثمة بن سلیمان، حدثنا الحسین بن حمید بن الربیع الخزاز بواسط، ثنا مخول بن إبراهیم، ثنا موسی بن مطیر، عن عبد الله بن محمد بن عقیل بن أبي طالب، عن أبیه، عن جده عقیل ابن أبي طالب أن رسول الله ﷺ قال: یا علی أنت منی بمنزلة هارون من موسی غیر أنه لا نبی بعدی (۱۱۴۷).

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علیؑ، تم میرے لیے وہی حیثیت رکھتے ہو جو ہارونؑ موسیٰؑ کے لیے رکھتے تھے، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"

(تاریخ مدینہ دمشق تصنیف علی بن حسن ابن ہبتہ اللہ بن عبد اللہ الشافعی (ابن عساکر) (499-571) الجزرابع والخمسون (محمد) صفحہ 226 دار الفکر)

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ واقعہ کربلا میں زیادہ افراد خاندان ابو طالب کے ہی تھے۔ خواہ وہ مولائے کائنات سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم ہوں یا حضرت سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ ہوں یا حضرت عقیلؓ بن ابی طالب ہوں۔ گویا اسلام کا قلعہ اگر قرار دیا جائے تو وہ یہی افراد اور ان کا کنبہ ہوں گے۔

جناب محمدؓ بن عقیل کی شادی حضرت علیؓ کی صاحب زادی زینب صغریٰ سے ہوئی تھی اسی وجہ سے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہ کا داماد بھی کہا جاتا ہے۔

طبقات ابن سعد میں آپ کا نام محمد الاصغر لکھا ہے۔ اور امام ذہبی نے سیر اعلام النبلا میں لکھا ہے۔ کہا ہے کہ آپ واقعہ کربلا میں شریک تھے لیکن آپ کو کم سنی کی وجہ سے شہید نہیں کیا گیا۔ جیسے حضرت امام زین العابدین کو بیماری کی وجہ سے۔ اسی طرح حضرت قاسم بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے ایک لخت جگر بھی اسیران کربلا میں سے تھے۔ تقریباً یہی باتیں ابن عساکر نے بیان کی ہیں۔ یہاں اہل تشیعہ کی کتب سے بھی معلومات لی گئی جن کا لب لباب بھی تقریباً یہی نکلتا ہے۔ لیکن ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ آپ کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ لیکن امام ذہبی کی بات کو جب ابن عساکر بھی لکھ دیں تو وہ ثقہ بند ہوتی ہے۔

اور بلاذری جو کہ نساب قریش میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے بھی اوپر والا نتیجہ نکالا ہے۔

آپ بہت خوبصورت تھے اور آپ کو شبیہ نبی دو عالم ﷺ بھی کہا جاتا ہے۔

بلاذری، انساب الاشراف، 69/2، تحقیق سہیل زکار وریاض الزرکلی، ناشر: دار الفکر—بیروت

ذہبی، سیر اعلام النبلاء، 303/3، مؤسسہ الرسالہ

ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، 6756/226/54

مصعب بن عبد اللہ زبیری، نسب قریش 85، دار المعارف، القاہرۃ

اولاد

اور ان کے پانچ بچے تھے جن کے نام عبد اللہ، عبد الرحمٰن، قاسم، حسین اور عقیل تھے۔ ابن فندق نے فاطمہ کو بھی محمد کے بچوں میں شامل کیا۔ (دینوری، ابن قتیبہ، المعارف، ص ۲۰۴)

آپ سے مروی روایات

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُؤَمَّلِ بْنِ الصَّبَّاحِ وَعَبَّادُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَا حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ زَبَّانَ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجْزِئُ مِنْ الْوُضُوءِ مُدٌّ وَمِنْ الْغُسْلِ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ لَا يُجْزِئُنَا فَقَالَ قَدْ كَانَ يُجْزِئُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ وَأَكْثَرُ شَعَرًا يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر 270 حدیث مرفوع مکررات 13 متفق علیہ 5

محمد بن مومل بن صباح و عباد بن ولید، بکر بن یحیٰی بن زبان، حبان بن علی، یزید بن ابی زیاد، عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب، حضرت عقیل بن ابی طالب (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وضو کے لیے ایک مد اور غسل کے لیے ایک صاع کافی ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ ہمیں تو اتنا کافی نہیں ہوتا تو فرمایا کہ تم سے بہتر اور افضل اور تم سے زیادہ بالوں والی شخصیت یعنی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تو کافی ہو جاتا تھا۔

٦٧٥٦ أخبرنا أبو القاسم علي بن إبراهيم أنبأنا الأمير أبو المكارم حيدرة بن الحسين بن مفلح أنبأنا الحسين بن عبد الله بن محمد بن أبي كامل الأطرابلسي قدم علينا دمشق أنبأنا خيثمة بن سليمان حدثنا الحسين بن حميد بن الربيع الخزاز بواسط ثنا مخول بن إبراهيم ثنا موسى بن مطير عن عبد

الله بن محمد بن عقيل بن أبي طالب عن أبيه عن جده عقيل ابن أبي طالب أن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال يا علي أنت مني بمنزلة هارون من موسى غير أنه لا نبي بعدي

ابن عساکر 6756/226/54

ہمیں ابو القاسم علی بن ابراہیم نے خبر دی، ہمیں امیر ابو المکارم حیدرہ بن الحسین بن مفلح نے خبر دی، ہمیں حسین بن عبداللہ بن محمد بن ابی کامل العطر ابلسی نے خبر دی، وہ دمشق میں ہمارے پاس آئے، ہمیں خیثمہ بن سلیمان نے خبر دی۔ ہم سے حسین بن حمید بن ربیع الخزاز نے بواسطہ بیان کیا، ہم سے مخول بن ابراہیم نے بیان کیا، ہم سے موسیٰ بن مطیر نے عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب سے اپنے والد کی سند سے بیان کیا۔ اپنے دادا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لیے تھے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

موسى بن مطير عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن أبيه عن جده عقيل بن أبي طالب قال نازعت عليا وجعفر بن أبي طالب في شئ فقلت والله ما أنتما بأحب إلى رسول الله (صلى الله عليه وسلم) مني إن قرابتنا لواحدة وإن أبانا لواحد وإن أمنا لواحدة قال فقال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) أما أنت يا جعفر إن خلقك يشبه خلقي

موسیٰ بن مطیر، عبداللہ بن محمد بن عقیل کی سند سے، اپنے والد کی سند سے، اپنے دادا عقیل بن ابی طالب کی سند سے، انہوں نے کہا: علی اور جعفر بن ابی طالب میں کسی بات پر اختلاف ہوا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جعفر جہاں تک تیرا اخلق ہے وہ میرے جیسا ہے۔

ص 227 - کتاب تاریخ دمشق لابن عساکر - محمد بن عقیل بن محمد بن عبد المنعم بن ہاشم بن ریش ابو عبداللہ القرشی - المکتبۃ الشاملۃ الحدیثۃ

شجرہ محمدؓ بن عقیل بن ابی طالب
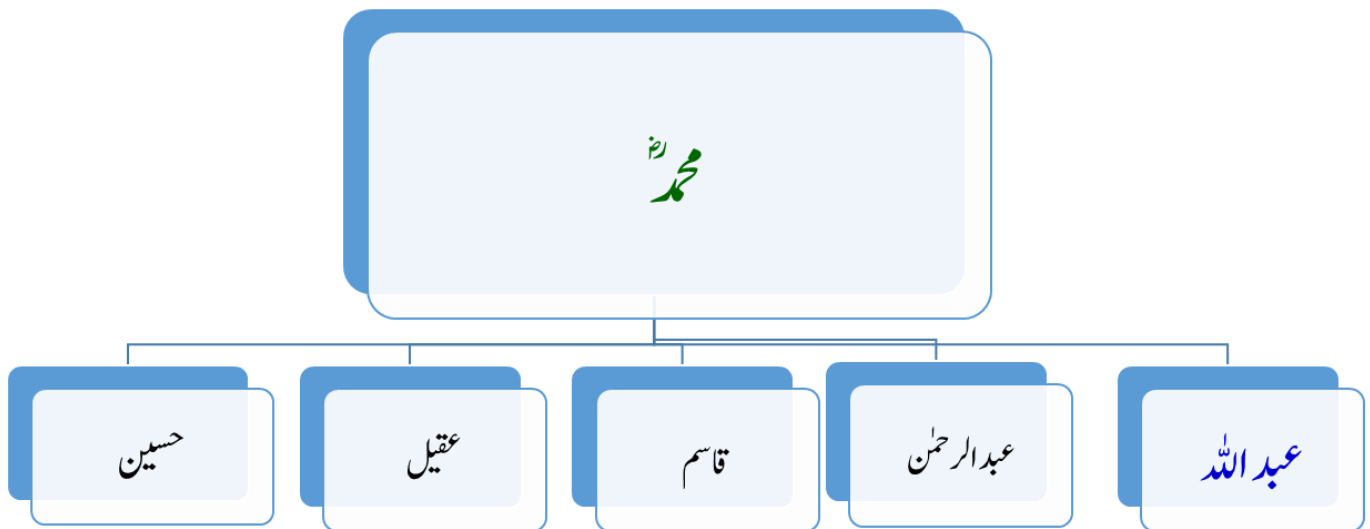
عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن ابو طالبؓ

عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب ، آپ ایک تابعی اور محدثِ حدیث تھے۔ علمائے حدیث کے درمیان ان کے ضعیف حافظے کی وجہ سے اختلاف پایا جاتا تھا۔آپ صحابی عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں اور آپ کی والدہ زینب الصغرابنت علی بن ابی طالب تھیں۔آپ کی وفات سنہ 145 ہجری سے قبل ہوئی۔
عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب القرشی ابو محمد المدنی۔آپ چوتھے طبقے کے تابعین میں سے تھے اور صحاح ستہ میں میں آپ کی روایات سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں پائی جاتی ہیں۔آپ کے دادا محترم عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سیدنا علی ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اور آپ کی والدہ محترمہ زینب الصغریٰ سیدنا مولا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ کی بیٹی تھیں۔ اس طرح آپ والد اور والدہ دونوں طرف سے طالبی تھے۔

شیوخ واساتذہ

آپ کے اساتذہ میں کئی صحابی شامل ہیں مثلاً؛انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ، وعبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب، عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، اور تابعین میں سے سید التابعین سعید بن المسیب، عطا بن یسار، علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، محمد بن علی بن ابی طالب الموروف بابن الحنفیہ رحمہم اللہ، وغیرہ

تلامذہ

آپ سے بشر بن المفضل، حماد بن سلمہ، زائدہ بن قدامہ، زہیر بن معاویہ الجعفی، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، شریک بن عبد اللہ القاضی، ابو اسحاق السبیعی وغیرہ
حدیث پاک میں آپ کی ثقاہت کے مسئلہ میں محدثین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔لیکن جمہور محدثین اور جرح وتعدیل کے اصول کے مطابق آپ ثقہ وصدوق ہیں۔اور آپ کی حدیث کم از کم حسن کے درجے کی ہوتی ہے۔
اللہ کریم کی کروڑوں رحمتیں ہوں آپ کی مرقد پر آمین ! حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کی اولاد صرف آپ سے ہی چلی ہے۔
تبرک کے طور پر آپ کی روایات پیش کی جارہی ہیں۔

زوجہ

حمیدۃ بنت مسلم بن عقیل بن ابی طالب

اولاد

محمد، حرم دراج، ام ہانی انکی والدہ حمیدۃ بنت مسلم بن عقیل بن ابی طالب
جبکہ مسلم بن عبد اللہ، عقیل اور ان کی والدہ ام ولد
اور اسحاق (مخطوطہ نویسندہ)

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ ابْنِ عَقِيلٍ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ

سنن ابوداؤد: جلد اول: حدیث نمبر 60 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 6 متفق علیہ 0
عثمان بن ابی شیبہ، وکیع، سفیان، ابن عقیل، محمد بن حنفیہ، حضرت علی (رض) سے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہارت ہے اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِينَا فَحَدَّثَتْنَا أَنَّهُ قَالَ اسْكُبِي لِي وَضُوءًا فَذَكَرَتْ وُضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فِيهِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا وَوَضَّأَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مَرَّةً وَوَضَّأَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّتَيْنِ بِمُؤَخَّرِ رَأْسِهِ ثُمَّ بِمُقَدَّمِهِ وَبِأُذُنَيْهِ كِلْتَيْهِمَا

ظُهُورِهِمَا وَبُطُونِهِمَا وَوَضَّأَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ أَبُو دَاوُد وَهَذَا مَعْنَى حَدِيثِ مُسَدَّدٍ

سنن ابوداؤد: جلد اول: حدیث نمبر 125 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 22 متفق علیہ 0

مسدد، بشر بن مفضل، عبداللہ بن محمد بن عقیل، حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پاس تشریف لاتے تھے ربیع نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وضو کے لیے پانی لاؤ۔ ربیع نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین مرتبہ ہاتھ پہنچے تک اور تین مرتبہ منہ دھویا اور ایک مرتبہ کلی کی اور ایک مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ دونوں ہاتھ دھوئے اور دو بار سر کا مسح کیا اس طرح کہ پہلے پیچھے سے شروع کیا اور پھر آگے سے پھر دونوں کانوں کا مسح کیا اندر اور باہر اور تین مرتبہ دونوں پاؤں دھوئے ابوداؤد (رح) کہ مسدد کی روایت کے معنی یعنی مضمون و مطلب یہی ہے غالباً مسدد کے بیان کردہ الفاظ یاد نہیں رہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الْهَمْدَانِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ عِنْدَهَا فَمَسَحَ الرَّأْسَ كُلَّهُ مِنْ قَرْنِ الشَّعْرِ كُلِّ نَاحِيَةٍ لِمُنْصَبِّ الشَّعْرِ لَا يُحَرِّكُ الشَّعْرَ عَنْ هَيْئَتِهِ

سنن ابوداؤد: جلد اول: حدیث نمبر 127 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 22 متفق علیہ 0

قتیبہ بن سعید، یزید بن خالد، لیث ابن عجلان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے سامنے وضو کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پورے سر کا مسح کیا اس طرح کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سر کا مسح اوپر سے شروع کرتے اور بالوں کی روش پر سر کے ہر حصہ تک ہاتھ لے جاتے لیکن بالوں کو اپنی جگہ سے حرکت نہ دیتے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بَكْرٌ يَعْنِي ابْنَ مُضَرَ عَنْ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ أَنَّ رُبَيِّعَ بِنْتَ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَمَسَحَ مَا أَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا أَدْبَرَ وَصُدْغَيْهِ وَأُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً

سنن ابوداؤد: جلد اول: حدیث نمبر 128 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 22 متفق علیہ 0

قتیبہ بن سعید، بکر ابن مضر، ابن عجلان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء (رض) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مسح کیا سر پر آگے اور پیچھے اور کنپٹیوں پر اور کانوں پر ایک مرتبہ۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ ابْنِ عَفْرَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي جُحْرَيْ أُذُنَيْهِ

سنن ابوداؤد: جلد اول: حدیث نمبر 130 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 22 متفق علیہ 0

ابراہیم بن سعید، وکیع، حسن بن صالح، عبداللہ بن محمد بن عقیل، حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء (رض) سے روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وضو کیا اور اپنی انگلیوں کو کان کے سوراخ میں ڈالا۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَهَذَا لَفْظُ إِسْنَادِهِ وَكِلَاهُمَا عَنْ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَهُوَ عَاهِرٌ

سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 313 حدیث مرفوع مکررات 7 متفق علیہ 0

احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ، محمد بن عقیل، حضرت جابر (رض) سے روایت ہے کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو وہ زانی ہے

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى جِئْنَا امْرَأَةً مِنْ الْأَنْصَارِ فِي الْأَسْوَاقِ فَجَاءَتْ الْمَرْأَةُ بِابْنَتَيْنِ لَهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَاتَانِ بِنْتَا ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ قُتِلَ مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ وَقَدْ اسْتَفَاءَ عَمُّهُمَا مَالَهُمَا وَمِيرَاثَهُمَا كُلَّهُ فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا إِلَّا أَخَذَهُ فَمَا تَرَى يَا رَسُولَ اللَّهِ فَوَاللَّهِ لَا تُنْكَحَانِ أَبَدًا إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي اللَّهُ فِي ذَلِكَ قَالَ وَنَزَلَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الْآيَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْعُوا لِي الْمَرْأَةَ وَصَاحِبَهَا فَقَالَ لِعَمِّهِمَا أَعْطِهِمَا الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَلَكَ قَالَ أَبُو دَاوُد أَخْطَأَ بِشْرٌ فِيهِ إِنَّمَا هُمَا ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ وَثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ قُتِلَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ

سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1125 حدیث مرفوع مکررات 4 متفق علیہ 0

مسدد، بشر بن مفضل، عبداللہ بن محمد بن عقیل، حضرت جابر بن عبداللہ (رض) سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ سفر میں نکلے یہاں تک کہ ہم اسواف (حرم مدینہ) میں ایک انصاری عورت کے پاس پہنچے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس اپنی دو بیٹیوں کو لے کر آئی تھی۔ بولی یارسول اللہ! یہ دونوں ثابت بن قیس کی بیٹیاں ہیں جو آپ کے ساتھ جنگ احد میں (شریک تھے اور) شہید ہوئے۔ اب ان کے چچا نے ان کا سارا مال اور سارا ترکہ چھین لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ اب آپ ہی ان کے بارے میں کچھ فرمایئے کیونکہ بخدا جب تک ان کے پاس مال نہ ہو ان سے کوئی نکاح کرنا پسند نہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا اس بارے میں اللہ ہی فیصلہ فرمائے گا۔ پھر سورت نساء کی یہ آیت (یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ) 4۔ النساء: 11) نازل ہوئی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس عورت کو اور اس کے شوہر کے بھائی کو بلا بھیجا۔ آپ نے ان لڑکیوں کے چچا سے فرمایا ان لڑکیوں کو دو تہائی مال دے اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے۔ اس کے بعد جو باقی بچے وہ تیرا ہے ابوداؤد فرماتے ہیں اس حدیث میں بشر سے غلطی ہوئی (جو یہ کہا کہ یہ دونوں ثابت بن قیس کی بیٹیاں ہیں جو احد کے دن شہید ہوئے)

صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں لڑکیاں سعد بن تبیع کی تھیں۔ اور ثابت بن قیس جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَهَنَّادٌ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا الْحَدِيثُ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَحْسَنُ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ هُوَ صَدُوقٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى و سَمِعْت مُحَمَّدَ بْنَ

إِسْمَعِيلَ يَقُولُ كَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَإِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَالْحُمَيْدِيُّ يَحْتَجُّونَ بِحَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَهُوَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ

جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 3 حدیث مرفوع مکررات 22 متفق علیہ 7

قتیبہ، ہناد، محمود بن غیلان، وکیع، سفیان، محمد بن بشار، عبدالرحمٰن، سفیان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، محمد بن حنفیہؒ، علی سے روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا نماز کی کنجی طہارت ہے اس کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل سلام ہے ابو عیسیٰ ترمذی (رح) فرماتے ہیں یہ حدیث اس باب میں صحیح اور احسن ہے عبداللہ بن محمد بن عقیل سچے ہیں بعض م حدیثیں نے ان کے حافظے پر اعتراض کیا ہے اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن ابراہیم اور حمیدی عبداللہ بن محمد بن عقیل کی روایت سے حجت پکڑتے تھے محمد بن اسماعیل نے ان کو مقارب الحدیث کہا ہے اور اس باب میں حضرت جابر اور ابوسعید (رض) سے بھی روایات منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ سَمِعَ جَابِرًا قَالَ سُفْيَانُ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ الْأَنْصَارِ فَذَبَحَتْ لَهُ شَاةً فَأَكَلَ وَأَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظُّهْرِ وَصَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَتَتْهُ بِعُلَالَةٍ مِنْ عُلَالَةِ الشَّاةِ فَأَكَلَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي رَافِعٍ وَأُمِّ الْحَكَمِ وَعَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ وَأُمِّ عَامِرٍ وَسُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ وَأُمِّ سَلَمَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَلَا يَصِحُّ حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ فِي هَذَا الْبَابِ مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ إِنَّمَا رَوَاهُ حُسَامُ بْنُ مِصَكٍّ عَنْ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالصَّحِيحُ إِنَّمَا هُوَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا رَوَاهُ الْحُفَّاظُ وَرُوِيَ مِنْ غَيْرِ

وَجْهٍ عَنْ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ وَعِكْرِمَةُ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ وَعَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَهَذَا أَصَحُّ قَالَ أَبُو عِيسَى وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِثْلِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ رَأَوْا تَرْكَ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتْ النَّارُ وَهَذَا آخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَأَنَّ هَذَا الْحَدِيثَ نَاسِخٌ لِلْحَدِيثِ الْأَوَّلِ حَدِيثِ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتْ النَّارُ

جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 78 حدیث مرفوع مکررات 8 متفق علیہ 1

ابن ابی عمر، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن محمد بن عقیل، جابر (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے باہر نکلے اور میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھا پھر ایک انصاری عورت کے گھر داخل ہوئے اس عورت نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ایک بکری ذبح کی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کھانا کھایا پھر وہ کھجوروں کا ایک تھال لے آئی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے بھی کھجوریں کھائیں پھر وضو کیا ظہر کی نماز ادا کی پھر واپس آئے تو وہ عورت اسی بکری کا کچھ بچا ہوا گوشت لائی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کھایا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عصر کی نماز ادا کی وضو نہیں کیا اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق سے بھی روایت ہے لیکن ان کی حدیث اسناد کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حسام بن مصک نے ابن سیرین سے انھوں نے ابن عباس (رض) سے انھوں نے ابوبکر صدیق سے انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ ابن عباس نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نقل کرتے ہیں حفاظ حدیث نے اسی طرح روایت کی ہے اور یہ روایت ابن سیرین سے کئی طرح سے مروی ہے وہ ابن عباس (رض) سے اور وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نقل کرتے ہیں عطاء بن یسار عکرمہ محمد بن عمرو بن عطار علی بن عبداللہ بن عباس اور کئی حضرات ابن عباس (رض) سے اور وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ حدیث نقل کرتے ہوئے اس میں ابوبکر کا ذکر نہیں کرتے اور یہی زیادہ صحیح ہے اس باب میں حضرت ابوہریرہ ابن مسعود ابورافع ام حکم عمرو بن امیہ ام عامر سوید بن نعمان اور ام سلمہ (رض) سے بھی روایات منقول ہیں امام ابوعیسیٰ کہتے ہیں صحابہ تابعین اور تبع تابعین میں سے اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے جیسا کہ سفیان ابن مبارک شافعی اور اسحاق ان سب کے نزدیک آگ پر پکے ہوئے کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا آخری عمل ہے یہ حدیث پہلی حدیث کو منسوخ کرتی ہے جس میں آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا واجب ہے۔

میں نے بطور نمونہ چند احادیث مبارک بیان کیں ہیں ورنہ میری کم علمی میں تقریباً 188 احادیث مبارکہ آپ سے مروی ہیں۔ بندہ نے دو کتب تشکیل دی ہیں۔ ایک الاربعین عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ اور دوسری مسند عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ

کمال محنت اور لگن سے آپ سے مروی روایات احادیث مجتمع کی ہیں۔ اللہ کریم انہیں قبول فرمائے آمین۔ اور پڑھنے والوں کو ان پر عمل پیرا ہونے کی سعادت عطا فرمائے آمین !

شجرہ عبداللہ بن محمد بن عقیلؓ
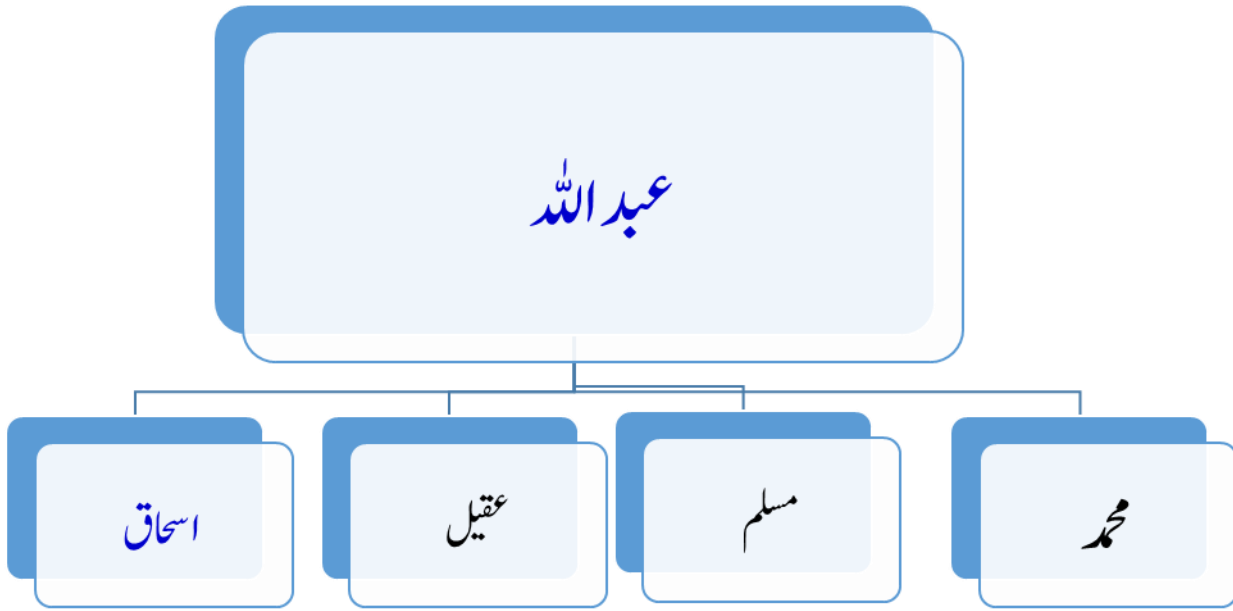
اسحاق بن عبداللہ بن محمد بن عقیلؓ

آپکے نام میں اختلاف ہے۔ ابن کثیر میں یہ بات آئی ہے کہ آپ نے حضرت نفس زکیہؓ کا ساتھ دیا۔ اسحٰق عقیلی کے نام پر تذکرہ ملتا ہے۔ بہت بہادر اور نڈر تھے۔ صفحہ اول کے ساتھیوں میں تھے، حضرت محمد نفس زکیہؓ کا قیام غلبہ ٔ حق کے لئے تھا۔ لیکن آپ کی یہ کاوش بھی واقعہ کربلا کی نظیر ہی بنی۔ کربلا میں بنو امیہ نے ظلم و ستم ڈھائے لیکن قیام نفس زکیہؓ میں بنو عباس نے اپنے دندان از آزمائے۔ جناب اسحاقؒ مختلف معرکوں کے بعد ہرات والی سائیڈ پر عراق، ایران اور ھندوستان سے ہوئے۔ تاریخ سے روپوش ہوگئے۔ لیکن۔ ابن کثیر کے مطابق شہید کردئے گئے۔

اس سے آگے افغانستان میں آپ کی اولاد امجداد کا فروغ کیسے ہوا؟ مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

میں نے اپنے والد صاحب کی خواہش پر اتنا کام سرانجام دیا ہے۔ اللہ کریم ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

قیام محمد نفس الزکیہ تاریخ کاٹرننگ پوائنٹ ہے۔ اس لئے آپ کا ذکر نہ کرنا بھی زیادتی ہوگی۔ اس لئے آپ کو شامل کیا جارہا ہے۔

ایک کلو دے دیتا ہوں کہ بالخصوص محمود غزنوی اور اسکے معرکوں مُں بھی بزرگوں کا حصہ رہا پھر ہمارے بزرگ حضرت شاہ جہانیاں جہاں گشت اور حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے منسلک ہوگئے۔ پھر ملتان، عبدالحکیم، جہانیاں اور پوٹھوہار کے علاقے میں دینی، علمی اور حکمت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

یہاں یہ بات واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ خاندانوں میں قابل قدر شخصیت جو کہ شہرہ آفاق شہرت کی حامل ہو کبھی کبھی ہی طلوع ہوتی ہے۔ اب وقت کی ضرورت جواب ہے اس وقت ایسی نہ تھی۔ ان وقت مبلغ زبانی ہوا کرتا ہر ایک کو باتیں زبانی یاد تھیں اور وہ اگلی نسل تک پہنائی جاتی تھی۔ لیکن حالات و واقعات بدلتے گئے اور کتاب اور کاپی کی اہمیت بڑھتی چلی گئی۔ اب چونکہ اس دور میں تو تاریخ خادان مرتب نہ ہوئی اس لئے بعد والوں کے لئے مشکل ہوئی۔ لیکن چونکہ شجرہ کا اہتمام ہوتا رہا اس لئے وہ نسل در نسل چلتا رہا۔ اب بھی یہ سلسلہ ان شاأللہ چلتا رہے گا۔ اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنی آنے والی نسل کو اپنی تاریخ سے آگاہ رکھیں۔

جو قوم اپنے بزرگوں اور ان کے کارناموں کو بھول جاتی ہے وہ حرف غلط کی طرح ناپید ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس سلسلہ کو آگے یوں بڑھائیں کی بزرگوں کے احوال قلم بند کر دیا کریں۔

یہاں قیام حضرت محمد نفس زکیہؓ جو کہ کربلائے ثانی ہے اور پھر جس میں ہمارے بزرگ وسیع تعداد میں شہید کر دئے گئے کا تذکرہ نہ کرنا ظلم سے کم نہ ہوگا اس لئے اس کو بیان کیا جارہا ہے۔

محمد النفس الزکیہ بن عبداللہ کامل بن حسن المثنیٰ بن حسن السبط بن علی ابن ابی طالبؓ

ولادت 100ھ

وفات 14رمضان، 145ھ (763ء)

نسب محمد النفس الزکیہ بن عبداللہ کامل بن حسن المثنیٰ بن حسن السبط بن علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان

محمد نفس الزکیہ عباسی دور کے ایک فاطمی سادات کے امام تھے۔ جنہوں نے المنصور کے خلاف علم قیام بلند کیا۔ تحریک عباسی کے دوران میں عباسیوں۔ فاطمیوں اور علویوں نے مل جل کر کام کیا۔ فاطمیوں کو یقین تھا کہ کامیابی کے بعد خلافت ان کے سپرد کر دی

جائے گی لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا اور عباسیوں نے کامیابی کے بعد اپنی خلافت کا اعلان کر کے سفاح کو پہلا خلیفہ نامزد کر دیا۔ اس پر فاطمیوں کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس وقت فاطمی سادات میں سے دو شخصیات نہایت اہم تھیں۔ اولاً حضرت امام جعفر صادقؓ جو حضرت امام حسینؑ کی اولاد میں سے چھٹے امام تھے اور اپنے زہد و اتقاء اور روحانی کمالات کی بدولت عوام میں بہت مقبول تھے وہ بڑے درویش صفت انسان تھے۔ انہوں نے خلافت کی کبھی تمنا نہیں کی تھی اور اپنے پیروکاروں کو بھی اس سے منع کرتے رہتے تھے۔ لیکن دوسری شخصیت امام محمد نفس الزکیہؓ کی تھی جو حضرت حسن کی چوتھی پشت میں سے تھے۔ وہ اپنی پاکبازی اور پرہیزگاری کی بدولت عوام میں بڑی قدر و منزلت اور مقبولیت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ امام جعفر صادقؓ کی خاموشی کے مقابلہ میں وہ خلافت کے لیے پرجوش تھے اور ابو جعفر منصور ان کی شخصیت اور عزائم کی بنا پر ان سے سخت خائف تھا اور انہیں اپنا مدمقابل سمجھتا تھا۔

اہل مدینہ کی بیعت

بنو امیہ کے خلافت کے آخری ایام میں جب عباسی دعوت کی کامیابی کے امکانات روشن نظر آنے لگے تو مدینہ منورہ میں بنو ہاشم کے سرکردہ لوگوں کا ایک اجتماع ہوا تھا جس میں السفاح اور ابو جعفر منصور دونوں شامل تھے۔ یہ اصول تسلیم کر لیا گیا تھا کہ کامیابی کی صورت میں امام محمد نفس الزکیہؓ خلیفہ ہوں گے اس موقع پر اہل مدینہ کے صائب الرائے لوگوں نے بھی اس بات کی تائید کر دی تھی۔ لیکن جونہی عباسی بامراد ہوئے انہوں نے اس فیصلے کو پس پشت ڈال کر عبد اللہ السفاح کو منصب خلافت پر فائز کر دیا۔ لہٰذا امام محمد نفس الزکیہؓ نے السفاح کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اہل مدینہ نے اپنے پرانے موقف پر قائم رہتے ہوئے امام محمد کی بیعت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ سفاح نے اس موقع پر حکمت عملی سے کام لیا اور امام محمد نفس الزکیہؓ پر اپنے احسانات جتا کر انہیں اپنے ارادے باز رکھنے کی درخواست کی چنانچہ امام محمدؓ نے سفاح کے عہد تک اس معاملہ میں قیام سے گریز کیا۔

گرفتاری کی کوششیں

منصور نے مسند خلافت پر فائز ہونے کے فوراً بعد حاکم مدینہ زیاد بن عبد اللہ کو تاکید کی کہ وہ نفس الزکیہؓ کی حرکات و سکنات کے

بارے میں اسے باخبر رکھے۔ زیاد نے اسے یقین دہانی کرائی کہ وہ بہت جلد انہیں گرفتار کرکے مرکز خلافت روانہ کردے گا لیکن وہ ایسا کرنے پر قادر نہ ہوسکا لہٰذا منصور نے اسے معزول کرکے قید میں ڈال دیا۔ نئے گورنر محمد بن خالد بھی انہیں قابو میں لانے میں ناکام رہا تو اس کی جگہ رباح بن منصور کو گورنر مدینہ مقرر کرکے اسے نفس الزکیہؒ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ رباح نے نفس الزکیہؒ کے والد محترم اوران کے تمام قریبی رشتہ داروں کو گرفتار کرکے بغداد روانہ کردیا۔ لیکن اپنی تمام کوششوں کے باوجود جب بھی نفس الزکیہؒ اوران کے بھائی ابراہیمؒ جو نفس الرضیہ کے لقب سے مشہور تھے گرفتار کرنے میں ناکام رہے تو اس نے ان کے قریبی رشتہ داروں کو قتل کرنا شروع کردیا جس میں ان کے چچا عباس بن حسن۔ ابراہیم بن حسن اور چچازاد بھائی محمد بن ابراہیم بھی شامل تھے۔ منصور کے جاسوس ان کی تلاش میں حیران و سرگردان پھرتے رہتے تھے لیکن وہ ان کی رہائش گاہ کا پتہ چلانے میں ناکام رہے۔ روپوشی ابو جعفر منصور ان کے بارے میں بڑا فکر مند تھا لہٰذا حج کی نیت کرکے مکہ مکرمہ پہنچا تاکہ اس دوران میں وہ خود ان کی تلاش کر سکے اس پر نفس الزکیہؒ اور ابراہیمؒ بصرہ میں جاکر روپوش ہوگئے منصور ان کے تعاقب میں بصرہ جا پہنچا لیکن دونوں بھائی وہاں سے نکل کر عدن چلے گئے منصور مایوس ہوکر بغداد واپس لوٹ گیا۔ اس دوران میں وہ عدن چھوڑ کر سندھ میں روپوش ہوگئے کچھ عرصہ بعد وہاں سے ہٹ کر کوفہ چلے گئے۔ دوسری بار منصور 757ء میں دوبارہ حج کے لیے مکہ معظّمہ آیا تو نفس الزکیہؒ اور ابراہیمؒ وہاں موجود تھے ان کے والد مکرم اور دیگر تیرہ ہاشمی جنہیں قید کرکے بغداد لے جایا جارہا تھا تو وہ اس وقت بھی درمیان موجود تھے لیکن منصور پھر بھی ان کا سراغ نہ لگاسکا۔ یہاں تک کہ دوران سفر دونوں بھائی بھیس بدل کر اپنے والد اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ آگے پیچھے چلتے رہے۔ انہوں نے اپنے والد مکرم سے خروج کی اجازت چاہی۔ لیکن انہوں نے کسی موزوں وقت تک خروج ملتوی رکھنے کی تاکید کی اس پر نفس الزکیہؒ مدینہ منورہ لوٹ گئے اور ابراہیمؒ کو عراق میں اپنی دعوت اشاعت کے لیے بھیج دیا

دونوں بھائیوں کی مستعدی اور باخبری کا یہ عالم تھا کہ ایک بار وہ بھیس بدل کر منصور کے دستر خوان پر اس کے ساتھ کھانا کھانے میں شریک ہوئے اور دوسری بار جب منصور بغداد کی تعمیر کے دروان اس کا معائنہ کرنے آیا تو دونوں بھائیوں نے وہاں موجود ہونے کے باوجود منصور اور ان کے جاسوسوں کو اس کا علم نہ ہونے دیا۔

اعلان خلافت

خلیفہ منصور نے جب ان کے قتل کی ٹھانی تو بالاخر نفس الزکیہ 762ء، 145ھ میں اپنے 250 جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ میں ظاہر ہو گئے۔ لوگوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ آپ نے ان کے ساتھ مشاورت کرکے باقاعدہ اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اس مقدس شہر کی کثیر تعداد نے ان کی بیعت کر لی۔ لیکن جب خود ان کے خاندان کے بعض نامور افراد نے ان کی بیعت نہ کی اور خاموش رہے تو لوگوں کو اس پر بڑی مایوسی ہوئی۔ عراق میں ان کے بھائی ابراہیمؒ نے عراق میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ امام محمدؒ نفس الزکیہ نے درالامان پر قبضہ کرکے گورنر مدینہ رباح کو گرفتار کر لیا اور اپنے حامی قیدیوں کو جیل توڑ کر رہا کرا لیا۔ مدینہ شریف کے بعد جلد ہی بقیہ حجاز اور یمن کے لوگوں نے آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔۔

قیام کی ابتدا

امام محمد نفس الزکیہؒ نے مدینہ میں اپنے خروج کا آغاز کر دیا لیکن بد قسمتی سے ابراہیمؒ عین وقت پر بیمار پڑ گئے جس کی وجہ سے عراق میں طے شدہ پروگرام کے مطابق قیام کا آغاز نہ ہو سکا۔ مدینہ منورہ کا انتظام سنبھالنے کے بعد انہوں نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار محمد بن حسن کو مکہ کی نظامت عطا کی۔ اہل مکہ نے بھی ان کی خلافت تسلیم کر لی۔ یمن میں قاسم بن اسحاق کو گورنر مقرر کیا گیا۔ حجاز کے علاوہ یمن اور شام میں بھی انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا۔

امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی حمایت

دنیائے اسلام کے دو یگانہ روزگار ہستیوں یعنی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے عراق میں ابو جعفر منصور کی بجائے امام محمد نفس الزکیہؒ

کی حمایت کا اعلان کرکے دنیائے اسلام میں ایک تلاطم برپا کر دیا اس سے محمد نفس الزکیہؒ کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔

امام نفس الزکیہؒ اور منصور کے درمیان میں خط کتابت

ابو جعفر منصور کو جب نفس الزکیہؒ کے اعلان خلافت کا علم ہوا تو اس نے انہیں ڈرانے دھمکانے کے انداز میں لکھا کہ میرے اور تمہارے درمیان میں اللہ اور رسول کا عہد و میثاق ہے اور ذمہ ہے کہ اگر تم اپنے ارادے سے باز آ جاؤ تو تمہیں تمہارے خاندان اور تمہارے پیر کاروں کو جان و مال و اسباب کی امان دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ جو کوئی اور حاجت بھی تمہاری ہوگی وہ پوری کی جائے گی۔ جس شہر میں تم چاہوگے تمہیں قیام پزیر ہونے کی اجازت ہوگی اور تم اور تمہارے لوگوں سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اس سب کے لیے اگر تم عہد نامہ لکھوانا چاہتے ہو تو وہ بھی لکھا جا سکتا ہے۔ یہ خط جب امام نفس الزکیہؒ کے پاس پہنچا تو انہوں نے جواب میں تحریر کیا کہ ہم تمہارے لیے ایسی امان پیش کرتے ہیں جیسی تم نے ہمارے لیے پیش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہمارا یعنی بنو فاطمہؓ کا حق ہے۔ تم ہمارے سبب سے اس کے مدعی ہوئے اور ہمارے ہی گروہ والے بن کر حکومت حاصل کرنے کو نکلے اور اسی لیے کامیاب ہوئے۔ پھر بنو فاطمہؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے مزید لکھا کہ میں بہ اعتبار نسب بہترین ہاشمی ہوں۔ میرے باپ یعنی حضرت علیؓ بنی ہاشم کے مشاہیر میں سے ہیں مجھ میں کسی عجمی کی آمیزش نہیں اور نہ مجھ میں کسی لونڈی باندی کا اثر ہے۔ اگر تم میری اطاعت کروگے تو میں تم کو تمہاری جان و مال کی امان دیتا ہوں۔ میں عہد پورا کرنے والا ہوں تم نے مجھ سے پہلے بھی لوگوں

کو امان اور قول دیا تھا پس تم مجھے کونسی امان دیتے ہو آیا ابان بن ہیرہ کی یا امان اپنے چچا عبداللہ کی یا امان ابو مسلم خراسانی کی۔

اس خط کے جواب میں ابو جعفر منصور نے نفس الزکیہ کے لیے نہایت سخت اور نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہوئے آپ کے استحقاق خلافت کو رد کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ چنانچہ عباسی اور ہاشمی خاندان کا موازنہ کرتے ہوئے اس نے بنو عباس کو اعلیٰ و افضل قرار دیا اور دلائل سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی وارث ہم ہی ہیں کیونکہ وارث ہونے کے لیے عورتوں کی قرابت داری کوئی بنیاد ہی نہیں بلکہ حق مردوں کے لیے مخصوص ہے کیونکہ ان سے لوگوں کا نسب چلتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے چچا کو آپ کا قائم مقام بنایا اور انہیں قریب ترین ماں پر مقدم کیا۔ لہٰذا رسول اللہ کے وصال کے وقت چونکہ حضور صلعم کی کوئی اولاد نرینہ زندہ نہ تھی اور حضرت عباسؓ اس وقت زندہ تھے اس لیے ان کے صحیح وارث آپ کے چچا تھے نہ کہ آپ کی بیٹی کی اولاد۔ نیز ظہور اسلام سے قبل چاہ زمزم کی تولیت حضرت ابو عباس کے پاس تھی نہ کہ حضرت ابو طالب کے پاس اس لیے فاطمیوں کے مقابلہ میں خلافت پر عباسیوں کا حق فائق ہے۔

جنگ

اس خط کتابت کے بعد فریقین کے درمیان میں سوائے جنگ کے کوئی راہ کھلی نہ رہ گئی تھی۔ مدینہ منورہ پر چڑھائی سے بیشتر منصور نے کوفہ اور خراسان جانے والی تمام شاہراہوں کی ناکہ بندی کر دی کیونکہ اسے اس بات کا احساس تھا کہ اگر جنگ کی کوئی خبر ان علاقوں میں پہنچ گئی تو وہاں فوراً بغاوت ہونے کے امکانات ہیں۔ دوسری جانب اس نے اپنے بھتیجے عیسی بن موسی کو چار ہزار سوار اور دو ہزار پیدل فوج کی کمان دے کر مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ لیکن اسے یہ تاکید کر دی کہ گرفتاری کی صورت میں نفس الزکیہؓ کو قتل نہ کیا جائے اور اگر وہ روپوش ہو جائیں تو اہل مدینہ کی گرفتاریاں کرنا کیونکہ وہ ان کے احوال سے بخوبی واقف ہوں گے۔ آل فاطمہؓ میں سے جو تمہیں ملنے آئے اس کا نام پتہ لکھ دینا اور جو اطاعت نہ کرے اس کا مال و اسباب ضبط کر لینا۔ عیسی کی روانگی کے بعد محمد بن قحطبہ کی قیادت میں اس کے لیے مزید امدادی فوج بھی روانہ کر دی۔

نفس الزکیہؓ نے عباسی فوج کی آمد کی اطلاع پا کر مجلس مشاورت منعقد کی۔ ساتھیوں کے مشورہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی خندق کو دوبارہ صاف کیا۔ طے یہ پایا کہ جنگ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر لڑی جائے گی۔ عباسی جرنیل نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اہل مدینہ کو ہتھیار ڈال دینے کا مشورہ دیا جسے امام نفس ذکیہؓ نے رد کر دیا اور جواب میں پیغام بھجوایا کہ میں تم کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتا ہوں اور اس کے انتقام سے ڈراتا ہوں۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک اپنے دعوی سے دست بردار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے اللہ سے نہ مل جاؤں۔ تمہیں اس حالت سے بچنا چاہیے کہ خدا کی طرف بلانے والا شخص ہی تمہیں قتل کرے اور تم اسے قتل کرو گے تو اس کا وبال تم پر ہوگا۔

شہادت

جنگ کے شروع ہونے سے قبل نفس الزکیہؓ نے ایک بہت بڑے اجتماع میں اعلان کیا کہ جو کوئی ان سے الگ ہونا چاہتا ہے اسے اجازت ہے۔ یہ ان کی غلطی تھی جس کے نتیجے کے طور پر بہت سے لوگ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ارد گرد کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ یہ پہلا دھچکا تھا جو انہیں لگا۔ جو لوگ باقی رہ گئے وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ لیکن اس کے باوجود نفس الزکیہؓ اپنی باقی ماندہ فوج کو لے کر نکلے۔ عیسی بن موسی نے مبارزت طلب کی جس پر نفس الزکیہؓ کا سپہ سالار ابو قلمش عثمان الفاروقی آگے بڑھا اور اپنے مد مقابل عباسی کا کام تمام کر دیا۔ بعد ازیں عام مقابلہ شروع ہو گیا۔ نفس الزکیہؓ نے خوب داد شجاعت دی۔ عباسیوں کے بہت سے فوجی کام آئے لیکن بہ حیثیت مجموعی عباسیوں کا پلہ بھاری رہا۔

دوسرے دن جب جنگ کا آغاز ہوا تو نفس الزکیہؓ کے ساتھ صرف تین سو تیرہ جان نثار باقی رہ گئے۔ امام محمد نفس الزکیہؓ اس قلیل تعداد کے ساتھ جم کر لڑے لیکن اسی اثناء میں دشمن کے کچھ سپاہیوں نے خندق پھلانگ کر اور شہر کی حدود میں داخل ہو کر ایک اونچی جگہ پر عباسی علم لہرا دیا۔ اس پر نفس الزکیہؓ کے ہمراہی سراسیمہ ہو گئے۔ مگر امام محمد نفس الزکیہؓ بنفس نفیس میدان میں ڈٹے رہے لیکن بالآخر 14 رمضان المبارک 6 دسمبر سنہ 763ء، 145ھ کو بروز اتوار بعد از نماز عصر شہید ہو گئے۔ ان کے کٹے ہوئے سر کو لوگوں کو ڈرانے اور عبرت کے لیے شہر میں تشہیر کرائی گئی۔ عیسی نے ان کے شہید ساتھیوں کو مدینہ منورہ اور ثنیۃ الوداع کے مقام پر سولی پر لٹکائے رکھا۔ نفس الزکیہؓ کی ہمشیرہ کی درخواست پر ان کے سر جسد مبارک کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

امام محمد نفس ذکیہؓ نے جنہیں امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ جیسے صلحائے امت کی تائید حاصل تھی اپنی دعوت کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی بنیاد پر اٹھایا تھا۔ آپ کی رحلت کے بعد اہل مدینہ اور عالم اسلام کو ان جیسے نیک نام اور پاکیزہ سیرت انسان کی خدمات پھر میسر نہ آسکیں۔

ابراہیم نفس الرضیہ کی شہادت

دونوں بھائیوں کے درمیان میں طے یہ پا چکا تھا جس دن نفس الزکیہؓ مدینہ منورہ میں علم جہاد بلند کریں گے اسی دن ابراہیمؒ بصرہ میں قیام کا اعلان کر دیں گے۔ لیکن عین موقع پر ابراہیمؒ چیچک جیسے مہلک عارضہ میں مبتلا ہو گئے۔ لہٰذا وہ بروقت جنگ کا آغاز نہ کر سکے۔ بہر حال انہوں نے صحت یاب ہو کر بصرہ سے اہواز تک کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ بصرہ میں مکمل قبضہ کے بعد فاتح لشکر نے صوبہ فارس کے عباسی گورنر اسماعیل بن علی عباسی اور اس کے بھائی عبد الصمد کو شکست دے کر فارس پر اپنا کنٹرول مکمل کر لیا۔ شام ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ کوفی بھی ابراہیمؒ نفس رضیہ کے منتظر تھے لیکن تقدیر نے بنی بات بگاڑ دی۔ امام محمد نفس الزکیہؓ کی شہادت کی خبر ابراہیمؒ تک پہنچی تو انہوں نے عید گاہ کے میدان میں ایک عام اجتماع میں اس کا اعلان کر دیا۔ جس سے ان کی صفوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور شکست خوردہ عباسی فوج میں ایک ولولہ تازہ پیدا ہو گیا۔ ابراہیمؒ نے اپنی فوج کی ہمت بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی اور بصرہ میں اپنے بیٹے حسن کو قائم مقام کر کے خود ایک لاکھ فوج کے ساتھ کوفہ کی راہ لی۔ دوسری جانب عیسی بن موسی اپنی فتح مندانہ فوج کے ساتھ بغداد واپس لوٹ آیا۔ چنانچہ منصور نے فوراً اسے بصرہ کے محاذ پر بھیج دیا اور اپنے بیٹے مہدی کو فارس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ کوفہ سے سو میل دور عیسی بن موسی اور ابراہیمؒ کی افواج کے درمیان میں خونریز جنگ ہوئی عباسی مقدمۃ الجیش شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ لیکن عباسیوں کی خوش قسمتی کہ عین اس عالم میں منصور کے چچا زاد بھائیوں جعفر اور محمد کی قیادت میں تازہ دم عباسی

فوج آ پہنچی جس کے فوراً بعد علویوں کے عقب پر حملہ کر دیا گیا۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور واپس پلٹ کر ہاشمیوں کی فوج پر اچانک حملہ کر دیا۔ اب ابراہیمؓ عباسی فوج کے نرغے میں آ گئے۔ صرف چار سو جان نثار ان کے گرد جمے رہے باقی فوج سراسیمگی کی حالت میں بھاگ نکلی۔ اس دوران میں اتفاقاً ایک تیر جناب ابراہیمؓ نفس رضیہ کے گلے میں آ کر لگا۔ ساتھیوں نے انہیں گھوڑے سے اتار لیا لیکن عباسی فوج کے ایک شخص حمید بن قحطبہ نے بڑھ کر ابراہیمؓ کا سر کاٹ کر عیسیٰ بن موسیٰ کو پیش کر دیا۔ یہ سانحہ 25 ذوالقعدہ 145ھ، 763ء 14 فروری کو پیش آیا۔ آپ کی شہادت نے عباسی مخالفین کا خاتمہ کر دیا اور عباسی خلافت کو مستحکم سے مستحکم تر بنا دیا۔

تاریخ ابن کثیر میں اسحاق عقیلیؒ بھی آپکے سالار تھے جب تمام معاملات گمبھیر ہو گئے تو چار و ناچار وہ مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے سندھ، ہرات کی طرف کوچ کر گئے اور پھر تاریخ میں گم ہو گئے۔

حوالہ جات

البخاری: التاریخ الکبیر، 139/1
ابن اثیر: الکامل میں التاریخ، ج5/24
اردو دائرہ المعارف
ابن سعد: الطبقات، 535/7

ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ، 314/10
الذہبی: تاریخ، 964/3، المیزان، 155/4، 210/6، الکاشف، 138/4
احمد بن حنبل: المسند، تحقیق الشیخ شعیب الأرنؤوط۔

دین اسلام پر اس سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں ہو گا کہ اہل بیت اطہار کی محبت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی بے ادبی کی جائے۔ اسلام کے اندر اس چیز کی کوئی گنجائش نہیں، بے شک اہل بیت اطہار رضی اللہ عنھم کی محبت عین ایمان ہے۔ جس شخص کے دل میں اہل بیت پاک رضی اللہ عنھم کی محبت نہیں وہ مسلمان نہیں۔ وہ اسلام سے خارج اور جہنم کا ایندھن ہے۔ دل کے اہل بیت پاک رضی اللہ عنھم کی محبت سے خالی ہونے کا مطلب دل کا اسلام، ایمان، قرآن اور نسبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خالی ہونا ہے۔ جس طرح اہل بیت اطہار رضی اللہ عنھم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ایمان میں یہ درجہ ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے ایمان میں یہی درجہ ہے لہٰذا جو شخص صحابہ کرام بشمول خلفائے

راشدین رضی اللہ عنھم کی طرف کسی قسم کی ناپاکی منسوب کرتا ہے خواہ وہ اہل بیت پاک رضی اللہ عنھم کی محبت کے نام پر کرے یا کسی اور حوالے سے وہ شخص بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ وہ صحابہ کرام، خلفائے راشدین یا ازواج مطہرات کا ہی منکر نہیں وہ منکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

اہل بیت کون ہیں؟

بیت عربی زبان میں گھر کو کہتے ہیں۔ گھر تین قسم کا ہوتا ہے۔

1. بیت نسب
2. بیت مسکن یا بیت سکنٰی
3. بیت ولادت۔

اسی اعتبار سے گھر والوں کے بھی تین طبقے ہیں۔

1. اہل بیت نسب
2. اہل بیت سکنٰی
3. اہل بیت ولادت

*اہل بیت نسب سے مراد انسان کے وہ رشتہ دار ہیں جو نسب میں آتے ہیں یعنی وہ رشتہ دار جو باپ اور دادا کی وجہ سے ہوتے ہیں مثلاً چچا، تایا، پھوپھی وغیرہ نسب کے رشتے ہیں۔

*اہل بیت مسکن سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو گھر کے اندر آباد ہوتے ہیں یعنی شوہر کی بیوی۔

*اہل بیت ولادت سے مراد وہ نسل ہے جو گھر میں پیدا ہوئی ہے۔ اس میں بیٹے، بیٹیاں اور آگے ان کی اولاد شامل ہے۔ جب مطلق اہل بیت کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد مذکورہ تینوں طبقات ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ اہل ایمان ہوں۔ ان میں سے کسی ایک طبقے کو خارج کر دینے سے اہل بیت کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا (الاحزاب، 33:33)

”اے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے“

یعنی اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے دامن، سیرت، کردار اور اعمال کے ظاہر و باطن کو ہر نجس اور ناپاکی سے اس طرح پاک فرمادے کہ تم طہارت اور پاکیزگی کا قابل تقلید نمونہ بن جاؤ اور قیامت تک طہارت اور پاکیزگی

تم سے جنم لیتی رہے۔

جب انسان متعصب ہو جاتا ہے تو پھر اسے اپنے مطلب کی چیز کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ جب دین تعصب کی نظر ہو جاتا ہے تو ہر کوئی اپنے مطلب کی بات نکالنے لگتا ہے۔ وہ دو طبقے جو حب صحابہ اور حب اہل بیت رضی اللہ عنھم کے نام پر افراط و تفریط کا شکار ہوئے ان میں سے ایک طبقے نے مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے اس میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کو نکال دیا۔ گویا انہوں نے اہل بیت میں سے اہل بیت مسکن کو نکال دیا۔ جب اہل بیت میں سے بیویاں ہی نکل جائیں تو پھر اولاد کا گھر سے کیا تعلق رہا؟ بہر حال انہوں نے ازواج مطہرات کو نکال کر کہا کہ اہل بیت سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا، حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔

بے شک مذکورہ چاروں ہستیاں اہل بیت میں شامل ہیں اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چادر تطہیر میں چھپایا اور ان کے اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا انکار فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار ہے مگر سمجھانا یہ مقصود ہے کہ ایک طبقے نے کچھ اہل بیت مراد لئے اور باقی چھوڑ دیئے۔ اس کے رد عمل کے طور پر دوسرے طبقے نے کہا کہ اہل بیت سے مراد صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدہ دو عالم حضرت فاطمہ الزہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنھما اہل بیت میں شامل ہی نہیں۔ دونوں طبقوں نے قرآن پاک کو گویا سکول کا رجسٹر داخل خارج سمجھ لیا ہے کہ جسے چاہا داخل کر دیا اور جسے چاہا خارج کر دیا۔ من مانی تاویلیں کر کے امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور نہ صرف امت بلکہ نسبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی متنازعہ بنا دیا۔

ارے نادانو! جو گھر والا ہے وہ تو ہر گھر والے کو پیارا ہے اور وہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے پھر جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبی تعلق والا ہے، آپ کے گھر میں ہے یا آپ کی نسل پاک میں سے ہے اور اہل ایمان ہے۔ اسے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہل بیت اور ہر ایک کو پیارا ہونا چاہیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبی تعلق ہونا، آپ کے گھر میں ہونا یا آپ کی اولاد پاک میں سے ہونا تو ایک طرف حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر صرف خدمت کرتے تھے اور سودا سلف لا کر دیتے تھے انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت میں شامل فرمایا ہے حالانکہ نہ تو ان کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبی تعلق تھا نہ وہ اہل بیت مسکن میں سے تھے اور نہ ہی وہ آپ کی اولاد پاک میں سے تھے، بیت کی تینوں نسبتیں مفقود تھیں لہٰذا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت کے ہاتھ بڑھاتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی اہل بیت میں شامل فرمالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔ (مستدرک امام حاکم 3: 691 رقم 6539) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے اہل بیت میں سے کسی ایک طبقے کو

خارج نہیں کیا تو ہم کسی ایک طبقے کو خارج کرکے کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انصاف کر رہے ہیں؟ یقیناً یہ انصاف نہیں بلکہ محض جہالت اور تعصب ہے۔

قابل غور نکتہ

یہ بات قابل غور ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی کوئی کام رد عمل کے طور پر شروع ہوگا اس میں اعتدال و توازن نہیں ہوگا۔ اس میں افراط و تفریط اور انتہا پسندی ہوگی۔ وہ کام اعتدال اور میانہ روی کے اس تصور سے ہٹ کر ہوگا جس کا اسلام نے درس دیا ہے۔ اسلام کی اصل تعلیم اعتدال اور میانہ روی ہے۔ امت مسلمہ کو امت وسط بھی دراصل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ باری تعالیٰ نے امت مصطفوی کو وہ وقار اور کردار عطا کیا ہے جو توسط و اعتدال پر مبنی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

راہ اعتدال کو چھوڑ کر افراط و تفریط کا راستہ اپنانے والوں کے لئے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا درج ذیل فرمان ایک تازیانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مشابہت ہے۔ ان سے یہود نے بغض کیا یہاں تک کہ ان کی والدہ ماجدہ پر زنا کی تہمت لگائی اور نصاریٰ ان کی محبت میں ایسے حد سے گزرے کہ ان کی خدائی کے معتقد ہوگئے۔ ہوشیار! میرے حق میں بھی دو گروہ ہلاک ہوں گے۔
''ایک زیادہ محبت کرنے والا جو مجھے میرے مرتبے سے بڑھائے گا اور حد سے تجاوز کرے گا۔ دوسرا بغض رکھنے والا جو عداوت میں مجھ پر بہتان باندھے گا،، (مسند احمد بن حنبل 2: 167، رقم 1376) خود شیعہ مذہب کے نزدیک معتبر کتاب ''نہج البلاغہ،، میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔ ''میرے معاملہ میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت کرنے والا، حد سے بڑھانے والا۔ وہ محبت اس کو غیر حق کی طرف لے جائے گی۔ دوسرا بغض رکھنے والا حد سے کم کرنے والا، وہ بغض اس کو خلاف حق کی طرف لے جائے گا اور سب سے بہتر حال میرے معاملہ میں میانہ رو جماعت کا ہے پس اس میانہ رو جماعت کو اپنے لئے ضروری سمجھو اور (بڑی جماعت) سواد اعظم کے ساتھ وابستہ رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ اسی جماعت پر ہے اور خبردار! اس جماعت سے الگ نہ ہونا کیونکہ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا وہ اسی طرح شیطان کا شکار ہوگا جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیئے کا شکار ہوتی ہے،،۔ (ترجمہ و شرح نہج البلاغہ جلد اول، 383)

بغض اہل بیت رضی اللہ عنھم اور بغض صحابہ رضی اللہ عنہ کا منطقی نتیجہ

آج کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حب علی رضی اللہ عنہ میں افراط کی وجہ سے راہ اعتدال کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ بغض علی رضی اللہ عنہ کی بناء پر راہ اعتدال پر نہیں رہے۔ پہلا گروہ ایسا ہے جو سارا سال اپنے مذہبی اجتماع فقط سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل

بیت رضی اللہ عنھم کے حوالے سے کرتا ہے۔ اس گروہ نے نہ تو کبھی سیر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے کوئی اجتماع کیا ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ذکر کے حوالے سے، اہل بیت کے علاوہ انہوں نے ہر ایک سے اپنا تعلق قطع کرلیا ہے اور دوسرا گروہ ایسا ہے جو سارا سال مدح صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے نام پر اجلاس اور اجتماع کرتا ہے۔ اس گروہ کی کیفیت یہ ہے کہ محرم الحرام کے مہینے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن بھی کبھی اہل بیت اور شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر اجتماع نہیں کرتا۔ جس طرح پہلے گروہ نے اہل بیت پاک اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسلام کے باقی تمام موضوعات چھوڑ دیئے ہیں اسی طرح دوسرے گروہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے موضوع کے علاوہ باقی تمام موضوعات سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ دونوں طرف رد عمل (Reaction) ہو رہا ہے اور اعتدال کی راہ چھوٹی جارہی ہے۔

اہل بیت رضی اللہ عنھم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا باہمی تعلق

راہ اعتدال سے ہٹ جانے والے دونوں گروہوں کے لئے دنگا فساد کی فضا ختم کرنے اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنھم اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی آپس میں کوئی لڑائی نہ تھی بلکہ یہ سب ایک دوسرے سے محبت کرنے والے، پیار کرنے والے اور ایک دوسرے پر جانیں قربان کرنے والے لوگ تھے۔

امام محمد باقر اور احترام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

شیعہ مذہب کی معتبر کتاب ''کشف الغمہ فی معرفۃ الآئمۃ،، میں عروہ بن عبداللہ سے مروی ایک واقعہ مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر سے سوال کیا کہ تلواروں کے دستے پر چاندی چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار کے دستے پر چاندی چڑھائی تھی۔

عروہ بن عبداللہ نے بھی شاید یہ رائے قائم کرلی تھی کہ اہل بیت رضی اللہ عنھم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں مخالفت ہے چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ آپ بھی صدیق کہتے ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر امام محمد باقر رضی اللہ عنہ جلال میں آکر کھڑے ہوگئے، قبلہ رخ منہ کرلیا اور فرمایا نعم الصدیق، نعم الصدیق، نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ قولا فی الدنیا ولا فی الآخرۃ۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الآئمۃ، 2 : 359) ''ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں اور جو انہیں صدیق نہ کہے گا اس کی بات کو اللہ دنیا میں بھی جھوٹا کردے گا اور آخرت میں بھی،،۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عظمت وشان علی رضی اللہ عنہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ جب میرے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اکٹھے بیٹھے ہوتے تو میں دیکھتی کہ میرے والد اکثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ تکتے رہتے، ان کی نگاہ ہر وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر رہتی، ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ ابا جان! جب آپ خود اتنے بلند مرتبہ ہیں تو پھر

آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے کو کیوں دیکھتے رہتے ہیں؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہ! میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ ہر وقت تکتا رہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی عزت کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: النظر الی وجہ علی عبادۃ۔ "(حضرت) علی رضی اللہ عنہ کے چہرے کو (فقط) دیکھنا (بھی) عبادت ہے،،۔ انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (المستدرک الحاکم، کنزالعمال 11 : 601) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر علی عبادۃ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ کا ذکر عبادت ہے،،۔ بے شک صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنھم کے درمیان بے حد قلبی محبت موجود تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حُبِّ علی رضی اللہ عنہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غدیر خم میں قیام پذیر ہوئے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دو مرتبہ فرمایا۔ "تم نہیں جانتے ہو کہ میں ہر مومن کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ عزیز و پیارا اور بہتر ہوں؟،، سب نے کہا "ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،،۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ "اے اللہ! جس کا میں دوست ہوں علی (رضی اللہ عنہ) بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! اس سے محبت رکھ جو علی (رضی اللہ عنہ) سے محبت رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھے،،۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا۔ ھنیئا یا ابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولی کل مومن و مومنۃ (مشکوۃ المصابیح بحوالہ احمد، 565) "اے ابن ابی طالب! تم صبح و شام خوش رہو اور تمہیں ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت کا مولیٰ ہونا مبارک ہو،،۔ کتب سیر و تاریخ میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں آپ کے پاس دو دیہاتی لڑتے ہوئے آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر دیا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ ہمارے درمیان کیا فیصلے کرے گا؟ فوثب علیہ العمر واخذ بتلبیبہ و قال ویحک ماتدری من ھذا؟ ھذا مولاک و مولی کل مومن من لم یکن مولاہ فلیس مومن۔ (الصواعق المحرقہ، 179)

"پس یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کا گریبان پکڑ کر فرمایا "جانتا ہے یہ کون ہیں؟ یہ تیرے اور ہر مومن کے مولیٰ ہیں اور جس کے یہ مولیٰ نہیں ہیں وہ مومن نہیں ہے،،

سید نا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور احترام حسنین کریمین رضی اللہ عنہ

سید نا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب ایران فتح ہوا تو ایران کے آخری بادشاہ یزد گرد کی بیٹی حضرت شہر بانو جنگی قیدی بن کر مال غنیمت میں آئیں جب مال غنیمت تقسیم ہونے لگا تو اہل مدینہ اور اسلامی لشکر سوچنے لگا کہ دیکھتے ہیں ایران کے بادشاہ یزد گرد کی بیٹی شہر بانو کس خوش نصیب کے حصے میں آتی ہے۔ جب مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے شہر بانو کی باری آئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ یزد گرد کی بیٹی شہزادی ہے اسے میں جس کی زوجیت میں دوں گا وہ بھی شہزادہ ہی ہوگا۔ لوگ سوچنے لگے کہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں شہزادہ کون ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے حسین رضی اللہ عنہ ! ہمارے ہاں شہزادہ تو ہی ہے اور حضرت شہر بانو رضی اللہ عنہ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دیدیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی کیونکہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نہیں بلکہ آپ کے اہل بیت پاک بھی دل وجان سے عزیز اور محبوب تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے دروازے پر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے ہوئے حاضر ہونے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ اتفاق سے ان کو حاضر ہونے کی اجازت نہ ملی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ یہ خیال کرکے کہ جب انہوں نے اپنے بیٹے کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی تو مجھے کب اجازت دیں گے، واپس آگئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس خیال سے واپس چلے گئے ہیں تو آپ فوراً حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے آپ کے تشریف لانے کی اطلاع نہ تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں اس خیال سے واپس آگیا کہ جب آپ نے اپنے بیٹے کو اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے؟،، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انت احق بالاذن منہ وھل ابنت الشعر فی الراس بعد اللہ الا انتم۔ (الصواعق المحرقہ، 179) ”تم اس سے زیادہ اجازت کے مستحق ہو اور یہ بال سر پر اللہ تعالیٰ کے بعد کس نے اگائے سوائے تمہارے (یعنی تمہاری بدولت ہی راہ راست پائی اور تمہاری برکت سے اس مرتبے کو پہنچا،، ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اذا جئت فلا تستاذن۔ (الصواعق المحرقہ، 179) ”آپ جب تشریف لایا کریں تو بغیر اجازت کے آجایا کریں،،۔

مذکورہ تمام واقعات سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت پاک کے درمیان کسی قسم کی عداوت یا رنجش نہیں تھی بلکہ ان کے درمیان باہم محبت والفت کا رشتہ تھا۔ بے شک تمام صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کا ادب واحترام اور محبت و مودت عین ایمان ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنا بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی ہے خواہ کوئی ہاتھ چھوڑ کر نماز

پڑھے یا ہاتھ باندھ کر رفع یدین کرے یا نہ کرے، یہ اپنا اپنا مسلک ہے اس سے ایمان پر زد نہیں آتی البتہ اسلام کی حد کو کبھی توڑنے کی کوشش نہ کیجئے، یہ حد صحابہ کرام اور اہل بیت پاک کے ادب و احترام کی حد ہے۔

جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی طرف کفر منسوب کرتا ہے یا گالی دیتا ہے وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کفر منسوب کرنا یا گالی دینا چاہے ظاہراً یا باطناً ہو، اشارے یا کنایہ سے ہو، بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ہو، کیونکہ ایسے شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ بالواسطہ طور پر اپنی اس گستاخی و زبان درازی کا نشانہ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنا رہا ہے جو یقیناً کفر ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعریف تو عمر بھر کرتا رہے، عظمت صحابہ رضی اللہ عنہ کے نعرے لگاتا رہے مگر اپنے دل میں اہل بیت رضی اللہ عنھم کی محبت نہ رکھے، اس کے دل میں اہل بیت رضی اللہ عنھم کے بارے میں بغض ہو اور اہل بیت رضی اللہ عنھم اطہار کا ذکر سن کر اس کے دل میں گھٹن آئے اس کا بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

آیئے شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ سے دوسرا سبق امن کا حاصل کریں۔ ہر کسی کو یاد حسین رضی اللہ عنہ اپنے اپنے طریقے سے منانے کی اجازت ہونی چاہیۓ۔ ہر ایک کو عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی یاد منانے کا حق حاصل ہونا چاہیۓ کہ پاک سرزمین ہے ہی اس لئے کہ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی عظمت کے ترانے گونجیں، اہل بیت اطہار رضی اللہ عنھم کی عظمت و محبت کے ترانے گائے جائیں۔ جس سرزمین پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی بے ادبی اور گستاخی ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو گالی دی جائے یا اہل بیت رضی اللہ عنھم پر طعن زنی ہو، الزام تراشی اور گستاخی ہو پھر وہاں مسلمان زندہ بھی رہیں تو وہ مسلمان بے حمیت ہیں۔

مسلمانوں کی سرزمین پر نہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے خلاف زبان کھلنی چاہیۓ اور نہ ہی اہل بیت پاک رضی اللہ عنھم کے خلاف بے ادبی کی زبان کھولنے کی

اجازت ہونی چاہیۓ۔ کسی دوسرے کے مسلک پر تنقید نہ کی جائے، نہ کسی کو گالی دو اور نہ بے ادبی کرو، ادب و احترام سے چلو، قرآن وسنت کی رو سے اپنے اپنے مسلک کے دائرے میں چلتے رہو، اپنے مسلک کی حقانیت پر خوب دلائل دو اور مسلک کی تعریف کرو مگر دوسرے کو نہ برا بھلا کہو، نہ گالی دو اور نہ تحقیر کرو۔ یہ اصولی بات ہے حتیٰ کہ قرآن پاک میں یہ ہے کہ کافروں کے بتوں کو بھی گالی نہ دو کہ کہیں وہ تمہارے سچے خدا کو گالی نہ دینے لگیں۔ اپنے مسلک اور عقیدے پر چلا جائے اور دوسرے پر طعن نہ کیا جائے۔

سادات پر صدقہ کیوں نہیں؟

سادات کون ہیں اور ان پر زکوۃ کیوں ناجائز ہے ؟؟؟

زکوۃ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لئے حلال نہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مراد ہیں: آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر، آلِ عباس اور آلِ حارث بن عبد المطلب۔ پس جو شخص ان پانچ بزرگوں کی نسل سے ہو اس کو زکوۃ نہیں

دی جاسکتی، اگر وہ غریب اور ضرورت مند ہو تو دُوسرے فنڈ سے ان کی خدمت کرنی چاہیئے۔ زکوۃ، لوگوں کے مال کا میل ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو اس سے ملوّث کرنا مناسب نہ تھا، وہ اگر ضرورت مند ہوں تو پاک مال سے ان کی مدد کی جائے، نیز اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو زکوۃ دینے کا حکم ہوتا تو ایک ناواقف کو وسوسہ ہو سکتا تھا کہ یہ خوبصورت نظام اپنی اولاد ہی کے لئے تو... معاذاللہ... جاری نہیں فرماگئے؟ نیز اس کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے، اور وہ یہ کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو زکوۃ دینا جائز ہوتا تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی بناپر انہی کو ترجیح دیتے، غیر سیّد کو زکوۃ دینے پر ان کا دِل مطمئن نہ ہوتا، اس سے دُوسرے فقراء کو شکایت پیدا ہوتی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لئے زکوۃ اور صدقہ حلال نہیں، کیونکہ یہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو اللہ تعالیٰ نے اس کثافت سے پاک رکھا ہے۔ سیّد اگر غریب ہوں تو ان کی خدمت میں عزّت و احترام سے ہدیہ پیش کرنا چاہیئے۔ حکومت کو بھی چاہیئے کہ سیّدوں کی کفالت غیر صدقاتی فنڈ سے کرے

سادات کبھی ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ سادات کی مسکنت امت کا امتحان ہے روز محشر رسول خدا کے سامنے کیسے جائیں گے اگر سادات کی خبر گیری نہ کی جانتے ہوئے بھی؟؟

پاکستان میں سادات کی بے عزتی و بے توقیری مذہبی طبقہ خود کرتا ہے۔ حکمران کبھی دینی احترامات کو ملحوظ نہیں رکھتے اسلئے ہر مسلمان کا ذاتی فرض ہے کہ وہ سادات کا احترام کرے اور کروائے,

حضرت ابراہیم بن اسماعیل بن ابی اسحاق قرشیؒ

آپ ہاشمی ہیں عموماً زبیر بن عوام کی مسجد کے امام کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ایک حکمران کے پاس شہادت دینے کے لئے آئے تو اس نے آپ کی شہادت قبول نہ کی رات ہوئی تو حاکم نے خواب دیکھا کہ اس کے گھر کی اونچی دیوار ایک شخص کے لئے ہٹادی گئی ہے اور وہ اس سے گذر کر اس کے پاس آ

پہنچا ہے حاکم نے اس سے پوچھا تو کون ہے ؟ اس نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا یاک فرد ہوں حاکم نے پوچھا تو کیسے اندر داخل ہوا ؟ اس نے جواب دیا مجھے یہاں پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا، بھلا یہ تو بتایئے کہ تم نے ایک صاحب شرافت کی شہادت کیوں قبول نہ کی ؟ جب کہ وہ اللہ کریم کے ہاں عادل ہے جب وہ کل تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرنا اور غور سے اس کی بات سننا کیونکہ اس کی گفتگو پر حکمت ہوتی ہے۔ حاکم نے جواب دیا ان کی بات غور سے سنوں گا اور اس پر عمل کروں گا پھر وہ آنے والا جہاں سے آیا تھا وہاں ہی چلا گیا۔ بقول مناوی اآپ کا وصال ۴۸۶ھ میں ہوا۔ مشہور قبرستان ساریہ کے مشرقی حصے میں شہر قرافہ میں مدفون ہوئے، آپ کی قبر قبولیت دعا کے لئے مشہور ہے۔ (جامع کرامات اولیاء جلد اول ۵۵۵ص

جیسا کہ اصول میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ شجرہ میں اگر طرفین پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو شجرہ ثابتہ ہوتا ہے۔ آئیں اب ہمیں اپنے شجرہ کے آخری طرف کو ملاحظہ کریں

سمبڑیال کی تاریخ مین ایک بڑی ہی عظیم روحانی شخصیت کا اسم مبارک زین العابدینؒ ہے۔آپ کے نام سے ہی پورا قبرستان موسوم ہے۔آپ مغل دور حکومت میں جہانگیر کے دور حکومت میں ابقید حیات تھے۔علاقے میں اس وقت ہندوؤں کی بڑی تعداد تھی۔آپ بڑے جلالی بزرگ تھے عموماجمال کا پہلو بھی غالب رہتا۔بڑے مستجاب الدعوات تھے۔بادشاہ کے عمائدین آپ کے حلقہ میں شامل تھے۔اس دور میں سوہدرہ کو ایک مرکزی مقام حاصل تھا۔جب بادشاہ اس علاقہ میں آتا تو آپ کے ہاں دعا کے لئے حاضری ہوتی۔ آپ کے پاس اپنے بھی آتے اور غیر بھی۔ایک ہڑو قوم تھی جو کہ مغل تھے وہ آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو انہوں نے آپ کا دربار بنانا چاہا لیکن عمارت نہیں بنتی تھے۔آپ کو اس طرح پسند نہیں تھا۔اور اتنا نمایاں ہونا نہیں چاہتے تھے قبر تھی اور پختہ تھی۔

وہاں کے مجاور جن کا نام عطائ محمد تھا جو کہ بڑے بزرگ تھے اور ان کی عمر بھی کافی تھی انہوں نے راقم محمد طاہر ہاشمی کو خود بتایا تھا کہ جب آپ کا مقبرہ نہیں بنتا تھا اور جب کوئی کوشش کرتا تو وہ عمارت گر جاتی تھی۔پھر ایک بزرگ جو آپ کے ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان سے درخواست کی گئی کہ آپ سے اجازت لے دیں۔انہوں نے رات وہاں قیام کیا اور دعا کی صبح فرمانے لگے کہ کام شروع کرو چنانچہ کام شروع کردیا گیا یہ کام اس وقت ہوا جب سیمنٹ پائیدار کی بوری 2 روپے یا اڑھائی روپے کی آتی تھی۔یہ بات پہلے مزار شریف کے بارے مین ہے اب تو اس جگہ سے کوئی 8 یا 10 فٹ اونچا نیا دربار بنا ہے۔تو پھر خیر خیریت سے مزار شریف بن گیا۔

ہمارے علاقہ کی ایک بڑی جانی پہچانی شخصیت جناب محمد صدیق صاحب جو سٹیل کے برتنوں کا کارخانہ چلاتے ہیں نے بتایا تھا کہ ہم حضرت کے مرید ہیں اور ہمارے دادا جان اور والد صاحب نے وہاں کام کیا ہے۔اپنے والد کا بتایا کہ ان کے ساتھ ایک اور مستری بھی کام کر رہا تھا مارشل لا کا زمانہ تھا اس کے پاس ایک پستول تھا کہ اچانک کسی نے مخبری کردی وہ اس وقت دربار شریف پر کام کر رہے تھے۔جب اس نے پولیس دیکھی تو کانپنے لگا میرے والد صاحب نے پوچھا معاملہ کیا ہے اس نے بتایا کہ میرے پاس پستول ہے تلاشی میں وہ باریاب ہو جائے گا تو بڑی سزا ہو جائے گی۔والد صاحب کہنے لگے وہ مجھے دو آج حضرت کی کرامت کا پتا چلے گا۔اگر بچ گئے تو ٹھیک ورنہ ہم ان کا دربار نہیں بنائیں گے۔انہوں نے وہ پستول لیکر قریب ہی ایک جگہ چھپا دیا۔اب پولیس آئی انہوں نے پوچھ گچھ کی اور تلاشی لی پر کوئی ہتھیار برآمد نہ ہوا۔تلاش کرتے کرتے وہ عین اس جگہ پر پہنچے اور تلاش کی ادھر والد صاحب نے قبلہ زین العابدینؒ سے استمداد کی کہ حضور آج نظر کریں۔پولیس پارٹی نے خوب تلاش کیا کہنے لگے کہ ہاں یہاں ہی دبایا تھا۔میں نے ساتھی کو کہا کہ سچ بولو اس نے کہا ہاں جی۔انہوں نے کہا اب کدھر ہے۔وہ کہنے لگا یہاں ہی ہے تلاش بسیار کے بعد بھی نہ ملا پھر ڈانٹ پلا کر

کہ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو واپس چلے گئے۔ جب ہم کام سے واپس جانے لگے تو اس نے کہا تم نے میرا ہتھیار گم کر دیا ہے۔ میں نے کہا ادھر آؤ اسے وہاں سے اٹھا کر دے دیا۔ کہنے لگا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ولی سنتے نہیں اور مر کر مٹی ہو گئے ہیں آج پتا لگا کہ وہ زندہ بھی ہیں اور مدد بھی کرتے ہیں۔ اس نے کہا آج سے میں بھی انکا مرید ہوں۔ ہمارے سارے بزرگ انہیں کے ارد گرد مدفون ہیں۔

نقل تحریم چچا محمد نواز صاحب قریشی

ایک عرصہ سے میری خواہش تھی کہ اپنے خاندان کے حالات لکھوں تاکہ آنے والی نسلیں اپنے خاندان کے متعلق جان جا سکیں کہ ہمارے آباواجداد کون تھے انکے مشاغل کیا تھے؟ اور معاشرے میں انکی حیثیت کیا تھی؟ بندہ نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس کا ماخذ کچھ خاندانی روایات ہیں۔ جو سینہ بسینہ چلی آرہی ہیں۔ جن کا ذکر بزرگوں کی زبان سے سنا ہے۔ علاوہ ازیں میرے عزیزوں کی تحویل میں پرانے قلمی کاغذات ہیں۔ جن سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ یہ قلمی نسخے فارسی زبان میں شکستہ خط میں تحریر ہیں۔ جن کا پڑھنا اور سمجھنا مشکل کام ہے بوسیدہ اور پرانے ہونے کی وجہ سے اکثر الفاظ مٹ گئے ہیں۔ مکمل طور پر پڑھی نہیں جا سکتیں۔ یہاں ان کا صرف مفہوم ہی لکھا جاتا ہے۔ میں نے اس خاندانی ورثہ کا بڑی سنجیدگی سے مطالعہ کیا ہے۔ اور خاندانی حالات قلمبند کئے تاکہ میرے عزیز خاندانی تاریخ سے روشناس ہو سکیں۔ میں ان احباب کا ممنون ہوں جنہوں نے پرانے کاغذات میرے حوالے کئے تاکہ میں انکو پڑھ کر تاریخی مواد احاطہ تحریر میں لاسکوں۔

ہمارا خاندان ہاشمی قریشی ہے۔ اس حقیقت کی تصدیق ہمارے دو بزرگوں نے کی ہے۔

ہمارے خاندان کے ایک بزرگ علی اکبر ولد غلام نبیؒ ہوئے ہیں۔ آپ نہایت بزرگ خدار سیدہ درویش تھے۔ بندہ نے انہیں دیکھا ہوا ہے۔ آپ اکثر گلے میں قمیص نہ پہنتے تھے۔ صرف ایک چادر اوڑھتے تھے۔ آپ نے کتاب معراج نامہ لکھی ہے۔ ان کا وصال 1940 میں ہوا تھا۔ کتاب نظم کی شکل میں ہے۔ 1908 میں شائع ہوئی تھی۔ راقم کتاب نے معراج نامہ اپنے والد صاحب غلام نبی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ اس کتاب کے آخر میں جناب علی اکبر صاحب نے اپنا خاندانی نسب نامہ فارسی اشعار میں لکھا ہوا ہے۔ جو کہ شجرہ نسب محمد مسلم بن عقیل سے ملا کر عبد المناف تک ہے۔ اسے کسی دوسری جگہ کتاب دیکھ کر نقل کروں گا کتاب میرے بھائیوں کے پاس ہے اور اسکے علاوہ ڈاکٹر اللہ رکھا صاحب مرحوم نے تحریر چھوڑی ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے۔ کہ ہمارے بزرگ اعلیٰ شیخ سلیمان صاحب کا سلسلہ نسب حضرت محمد (مسلم) بن عقیلؓ ابی طالب سے ملتا ہے۔

خاندان ہاشم عرب شریف میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔ یہی خاندان کعبۃ اللہ کا محافظ رہا ہے۔ جناب سید الانبیأ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد تو اور بھی اس خاندان کو اللہ کریم نے عزت و توقیر سے نوازا۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱۲۹) ترجمہ : ہمارے رب ! اور ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب پاکیزہ فرمادے۔ بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (بقرۃ)

انہی میں مبعوث ہوئے۔ یہ بشارت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی۔ جو کہ اللہ جل شانہ نے پوری کر دی۔ ({رَبَّنَا وَابْعَثْ: اے ہمارے رب ! اور بھیج۔} حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی یہ دُعا سیدِ انبیاء صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے لیے تھی۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کی عظیم خدمت بجالانے اور توبہ و استغفار کرنے کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے یہ دعا کی کہ یارب ! عَزَّوَجَلَّ، اپنے حبیب، نبی آخر الزماں صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو ہماری نسل میں ظاہر فرما اور یہ شرف ہمیں عنایت فرما۔ یہ دعا قبول ہوئی اور ان دونوں بزرگوں کی نسل میں حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی تشریف آوری ہوئی۔ امام بغوی نے ایک حدیث روایت کی کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا حالانکہ حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا خمیر تیار ہو رہا تھا، میں تمہیں اپنے ابتدائے حال کی خبر دوں، میں دعائے ابراہیم ہوں، بشارت عیسیٰ ہوں، اپنی والدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھی اور ان کے لیے ایک بلند نور ظاہر ہوا جس سے ملک شام کے ایوان اور محلات ان کے لیے روشن ہو گئے۔ (شرح السنۃ، کتاب الفضائل، باب فضائل سید الاولین والآخرین محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ۷/۱۳، الحدیث : ۳۵۲۰)

اس حدیث میں دعائے ابراہیم سے یہی دعا مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آخر زمانہ میں حضور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو مبعوث فرمایا۔ (خازن، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۲۹، ۱/۹۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ

تفسیر صراط الجنان)

ہاشمی خاندان کو شرف ملا۔ چونکہ اسلام ہر طرف پھیلنے لگا تھا۔ خصوصاً سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ پاک میں اسلام نے بہت ترقی کی اور بہت فتوحات ہوئیں۔ اسی فتوحات کے سلسلہ میں ہمارے بزرگ مجاہدین کی صف میں یا بصورت دیگر تبلیغ اسلام کی صورت میں بزرگ محمود غزنوی کے عہد حکومت میں سرزمین ہندوستان میں تشریف لائے۔ واللہ وعلم !

چونکہ محمود غزنویؒ نے ہندوستان پر 1001ء میں پہلا حملہ کیا تھا۔اسی طرح اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے جو 1025ء تک برابر جاری رہے۔اس وقت عرب شریف پر خاندان بنو عباس حکمران تھے۔ہندوستان پر راجہ جے پال اور انند پال حکومت کرتے تھے۔ ہمارے بزرگوں

کی ہندوستان آنے کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی کہ یہاں کس غرض وغایت یا کس مقصد کے واسطے تشریف لائے واللہ اعلم!
وہ تلاش معاش یا تبلیغ دین کی خاطر یا سپہ سالاری میں تشریف لائے۔اکثر ہمارے بزرگوں کا رجحان علمی مشاغل اور دینی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنا رہا ہے۔ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔علم طب اور خوشنویس اکثر رہے ہیں۔پرانی کتابیں ظاہر کرتی ہیں کہ انکے خطوط بہت اچھے تھے۔چنانچہ ہمارے خاندان کے کئی بزرگ شہزادوں کے لئے اتالیق (استاد) مقرر ہوئے تھے۔دینی اور تدریسی خدمات کی خاطر حاکم وقت نے ہمارے اسلاف کو بہت سی زمینیں بطور ہدیہ دی ہوئی تھیں۔بہت سی زمین گجرات سیالکوٹ اور ہرات میں دی تھیں اور وظیفے کے طور پر بھی حاکم وقت نے مقرر کئے ہوئے تھے۔اس سلسلہ میں شاہی فرمان ہمارے خاندان کے پاس ہیں۔یہ فرمان عالمگیر غازی۔امین جان اور 1146ھ میں ایک فرمان احمد شاہ درانی والئے کابل کا ہے۔اس طرح شاہ جہاں کا فرمان بحق شیخ شہاب الدین قدس سرہ العزیز جو ہمارے روحانی پیشوا تھے۔19 رجب 1041ھ کا تحریر کردہ ہے۔
شیخ سلیمان ہمارے بزرگ اعلیٰ جو سمبڑیال میں سکونت پذیر ہوئے تھے ان کے کچھ حالات بزرگوں کی روایت کے مطابق تحریر ہیں۔
یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا کہ ہمارے خاندان کی بقا اور اسکا پھیلنا پھولنا حضرت شیخ سید شہاب الدینؒ کا مرہون منت ہے۔بزرگوں نے روایت کیا ہے کہ ہمارے بزرگ اعلیٰ حضرت شیخ سلیمانؒ بہت بوڑھے ہوگئے تھے اور انکے گھر اولاد کوئی نہ ہوئی تو آپ نے اپنے والد گرامی حضرت شیخ پیر زین العابدین قدس سرہ العزیز کی طرف رجوع کیا حضرت ملتجی دعا ہوئے کہ خدا مجھے اولاد دے۔حضرت شیخ زین العابدینؒ نے فرمایا کہ آپ ایسی دعا کے لئے میرے پوتے شیخ شہاب الدین (جن کا مزار مبارک سمبڑیال قلعہ پر ہے ان کا مزار شاہ جہاں نے بنوایا تھا) کے پاس جائیں۔چنانچہ حضرت سلیمانؒ شیخ شہاب الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے طالب ہوئے۔چنانچہ پیرسالی میں انکی دعا کی برکت سے حضرت سلیمانؒ کی دو اولادیں ہوئیں۔
یہ کوئی ناممکن کام نہیں اللہ کریم اپنے ولیوں کی برکت سے نوازتے ہیں۔چنانچہ قرآن حکیم میں اس طرح کا پورا واقعہ موجو ہے۔
سورۃ الانبیاء میں ارشاد فرمایا:

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ

اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔(89)

حضرت زکریا (علیہ السلام) بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو اکیلا خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی دعا کو قبول فرمایا اس لیے یونس (علیہ السلام) کے بعد حضرت زکریا (علیہ السلام) اور ان کے لخت جگر حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام جب بڑی ہوئیں تو انہیں حضرت زکریا (علیہ السلام) کی کفالت میں دیا گیا۔ اس زمانے کے مذہبی رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف لوگ تارک الدّنیا ہو کر مسجد اقصیٰ میں تعلیم وتربیت اور ذکر واذکار میں مصروف رہتے تھے۔ ان میں وہ عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو دنیا کے معاملات سے الگ کر لیا ہوتا تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام انہی ذاکرات میں شامل ہو کر اپنے حجرے میں محو عبادت رہا کرتی تھیں۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام ان کے خالو حضرت زکریا (علیہ السلام) کے سپرد تھا۔ ایک دن زکریا (علیہ السلام) ان کے ہاں حجرے میں تشریف لائے تو ان کے پاس غیر موسمی عمدہ پھل دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ بیٹی مریم یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بلا حساب رزق سے نوازتا ہے۔ یہ سنتے اور اللہ کی قدرت دیکھتے ہی حضرت زکریا (علیہ السلام) کے رونگٹے کھڑے ہوئے اور وجود تھر تھرانے لگا اور بے ساختہ ہاتھ "اللہ" کے حضور اٹھے اور فریاد کرنے لگے کہ اے میرے رب! مجھے بھی اپنی جناب سے نیکوکار اولاد نصیب فرما یقیناً تو دعا سننے والا ہے زکریا (علیہ السلام) ابھی اسی حجرے میں نماز کی حالت میں کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کا نزول ہوا اور انہوں نے آپ کو یہ نوید سنائی کہ اے زکریا! خوش ہو جایئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا عطا فرمائیں گے جس کا نام یحییٰ ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی تصدیق کرے گا اور سردار ہو گا۔ نہایت ہی پاک باز، اپنے آپ کی حفاظت کرنے والا اور انبیاء میں سے ہو گا۔ بیٹے کی خوشخبری سناتے ہوئے ملائکہ نے یہ بھی کہا اس کا نام یحییٰ ہو گا اور اس سے پہلے اس نام کا کوئی شخص نہیں ہوا۔ تو زکریا (علیہ السلام) حیرت زدہ ہو کر اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ بارِ الٰہ! مجھے کس طرح بیٹا نصیب ہو گا جب کہ میں بوڑھا اور میری بیوی جسمانی طور پر بچہ جننے کے لائق نہیں؟ ملائکہ نے خوشخبری سنائی تو تعجب کا اظہار فرمانے لگے مگر تعجب کا اظہار ملائکہ سے کرنے کے بجائے براہ راست اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ اولاد دینے والا تو وہی ہے اور یہ خوشخبری بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ فرشتہ تو محض پیغام رساں ہے۔ زکریا (علیہ السلام) کے تعجب کے جواب میں ارشاد ہوا کہ میرے بندے! اللہ اپنے کام کو خود ہی جانتا ہے اور وہ اسی طرح ہی کرتا ہے جس طرح اس کی منشا ہوا کرتی ہے۔ پھر عرض کرنے لگے: اے رب! میرے لیے بیٹے کی کوئی واضح نشانی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارے کے علاوہ کلام نہیں کر سکو گے۔ ان ایام میں خاص طور پر صبح وشام اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ سیدنا یحییٰ (علیہ السلام) کا ذکر گرامی: حضرت یحییٰ (علیہ السلام) حضرت زکریا (علیہ السلام) کے صاحبزادے اور ان کی پیغمبرانہ دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔ جس عمر میں اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اس عمر میں حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ (علیہ السلام) عطا کئے گئے اور نام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجویز ہوا۔ جو اس سے پہلے کسی شخص کا نام نہ تھا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ کریم نے یہ ایک مثال بنادی دنیا کے لئے کہ ولی جس جگہ رہتا ہے وہ برکات کی حامل ہو جاتی ہے۔ وہاں سید نا زکریاؑ کی دعا کرنا اللہ کریم نے نبی کی سنت بنادی ہے۔ کیونکہ حضرت سیدہ مریمؑ ولیہ تھیں نبیہ نہیں تھیں۔ کیونکہ کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ نبی صرف مرد ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ !

دو بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام شیخ جان محمدؒ اور دوسرے لڑکے کا نام شہ قلیؒ رکھا۔ شاہ قلی کا بیٹا شیخ عبد النبیؒ (یہ بزرگ شاہ جہاں کے اتالیق تھے جنہوں نے اسے ابتدائی دینی تعلیم دی تھی۔) تھاشاہ قلیؒ کا یہ لخت جگر سمبڑیال چھوڑ کر کسی دوسری جگہ آباد ہو گیا تھا مزید معلومات نہیں ملیں۔ (راقم محمد طاہر ہاشمی نے ایک آپا جی سے راولپنڈی میں ملاقات کی تھی جب عزیزم شفقت رسول کی پاسنگ آؤٹ پریڈ ہوئی تو کرنل ولایت جو حبیب پور کے تھے اور اس وقت راولپنڈی میں مقیم تھے۔ انکے گھر وہ محترمہ تشریف لائیں تھیں جو کہ ایک کرنل کی بیوی تھیں اور کینٹ کے سکول میں ہیڈ مسٹرس تھیں ہاشمی قریشی خاندان کی بہت نیک و پارسہ خاتون تھیں اور حضرت شاہ قلیؒ کی اولاد سے تھیں انہوں نے بتایا تھا کہ ہزارہ کے علاقہ اور راولپنڈی کے قرب وجوار میں انکی اولاد ہے۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ ہم محمد بن عقیل کی اولاد ہیں اور حضرت مسلم بن عقیل بطور ریفرنس استعمال ہوا ہے۔ واللہ اعلم !)

دوسرے بیٹے شیخ جان محمدؒ سے ہمارا سلسلہ نسب چلتا ہے۔ سنا ہے کہ جب شیخ جان محمد پیدا ہوئے تو صغر سنی کے عالم میں ہی تھے کہ والدین کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ شیخ جان محمد کی ولادت شیخ شہاب الدینؒ کی روحانی برکات سے ہوئی تھی۔ اس لئے شیخ شہاب الدینؒ نے بچے کی پرورش قبول کی۔

یہاں ایک بات بڑی اہم ہے:

نسب کا دار ومدار شہرت پر ہوتا ہے۔ شجرہ نسب کی ضرورت نہیں۔ شجرہ نسب تو جعلی بھی بن جاتا ہے۔ آپ اپنے والد صاحب کی بات پر اعتبار کریں۔ ''سید'' یا ''شاہ'' کوئی ذات نہیں ہے۔ (مفتی عبد القیوم ہزاروی) کوئی بات حد شہرت کو پہنچ جائے تو اسکا ابطال ممکن نہیں ماننے والوں کے لئے تو دلیل ہے اور نہ ماننے والوں کا علاج نہیں۔ اور اگر شجرہ ہو تو سونے پر سہاگہ

تو بزرگ فرماتے ہیں کہ حضرت پیدائشی ولی تھے۔ آپ اپنا انگوٹھا شیخ جان محمدؒ کے منہ میں دے دیا کرتے تھے اور وہ چوستے رہتے تھے اسی طرح انکی پرورش اللہ کے حکم سے ہوتی رہی۔ یہ بات اس پورے محلّہ میں حد تواتر کو پہنچی ہوئی تھے۔ (راقم محمد طاہر ہاشمی اور برادر محترم محمد عارف ہاشمی نے کم و بیش سات سال اس محلّہ میں دینی خدمات سرانجام دی ہیں تو آپکی کرامات کا تذکرہ بہت سے افراد سے سنا ہے۔) شیخ شہاب الدینؒ عرف نیکوکارہ نے انہیں اپنا متبنّیٰ اور فرزند لطفی بنالیا تھا۔ حضرت شیخ جان محمد نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ شیخ شہاب الدین کی رفاقت میں صرف کیا۔ رنج وراحت میں انکے ہمراہ شریک رہے۔ سیر وسیاحت میں بھی شریک رہے ان خدمات کے صلے میں

جانشینی

حضرت موصوف نے انہیں اپنا خلیفہ بنالیا تھا اور وصیت کی کہ انکی زندگی کے بعد شیخ جان محمدؒ کی اولاد نذر و نیاز کی وارث ہو گی اور ساتھ یہ بھی تاکید کی شیخ جان محمدؒ کی اولاد مریدین کو اور عقید تمندوں کو نماز روزہ اور دیگر مذہبی امور کی ترغیب و تربیت دینے کی پابند ہو گی۔ نیز بعد از وفات جاروب کشی بھی ان پر لازم ہو گی۔ ہمارے خاندان کی بقا اور وسعت شیخ شہاب الدین قدس سرہ العزیز عرف نیکو کارہ کی مرہون منت ہے۔ اس لئے جب تک شیخ شہاب الدینؒ کی زندگی پر روشنی نہ ڈالی جائے تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔
پرانے کاغذات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ 1004ھ میں بقید حیات تھے۔ یہ مغل بادشاہ اکبر اعظم کا زمانہ تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدینؒ کے والد بزرگوار کا نام حاجی حضرت شیخ پیر محمد نیکو کارہؒ تھا۔ اور دادا کا نام شیخ زین العابدینؒ تھا نیکو کارہ انکی کنیت تھی۔ شیخ پیر محمد عرف نیکو کارہ کا روضہ سمبڑیال میں نہیں ہے۔ یہاں سے نقل مکانی کرکے ملتان کی طرف چلے گئے تھے۔ غالباً شیخوان شریف ریاست بہاولپور میں انکا مزار ہے۔ شیخ زین العابدین قدس سرہ العزیز کا روضہ سمبڑیال میں ہے۔ شمال کی جانب قبرستان میں حضرت کا مزار مبارک ہے۔ اور انکے نزدیک ہمارے بزرگ چچا صاحب محمد عظیم والد بزرگ حکیم برادر محمد سعید و عبدالمجید صاحبان کی قبر ہے جو بلکل نزدیک ہے۔ اور ماسٹر محمد سعید و عبدالمجید صاحب کے دادا جان کی قبریں حبیب پور میں ہیں جو سمبڑیال کا قریبی گاؤں ہے۔ حضرت شیخ کا یہاں تشریف لانا معلوم نہیں ہو سکا غالباً عرب سے تشریف لانے کے بعد ایران سے اوچھ شریف تشریف لائے آپکا تعلق مخدوم جہانیاں جہان گشت سے تھا۔ آپ سادات کرام سے تعلق رکھتے ہیں۔

کرامات کا ظہور

چونکہ آپ پیدائشی ولی تھے۔ آپ سے عجیب کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں۔ ان دنوں سمبڑیال میں بزرگوں کے فرمودات کے مطابق ایک قوم ہڑو تھی۔ قوم ہڑو سمبڑیال میں زمینوں کے مالک تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب کی آزمائش لینا شروع کر دی۔ سنا ہے کہ انہوں نے بلی کا گوشت حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کو اس کا علم ہو گیا آپ نے بلی کو زندہ کر دیا اسی طرح گھڑیوں کو کہا مر جاؤ وہ مر گئیں آپ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ سانپوں کا چابک بنانا اور دیوار پر بیٹھ کر اس کو کہا چل میری گھوڑی وہ چل پڑی آپکی مشہور کرامتیں ہیں جو نسل در نسل اس محلے کے لوگوں کی زبانوں پر عام تھیں۔
آپ نے اس ہڑو قوم کے حق میں بددعا کی کہ تم لوگ سمبڑیال میں نہیں رہ سکتے۔ لاچار وہ زمینوں کو چھوڑ کر یہاں سے چلے گئے۔ جو رہ گئے ان کے حالت ناگفتہ رہی۔

آپؒ جوانی میں ہی بعارضہ چیچک اس دار فانی سے تشریف لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! ۔آپ کا روضہ شاہی حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ آپ کی خدمت گذاری کے واسطے دو لونڈیاں بادشاہ وقت نے دی تھیں۔ جنکے نام انور خاتون اور حنیفہ خاتون تھے۔ ان کے مرقد بھی روضہ کے باہر ہیں اور ایک قبر جو پیروں کے نیچے ہے وہ حضرت شیخ جان محمدؒ کی ہے۔ آپکی کرامات کا ظہور وفات کے بعد بھی ہوتا رہا ہے۔ آپ کی وفات کے سو سال بعد روضہ کی وراثت میں جھگڑا ہوا۔ تنازہ کے معاملہ میں قفل کا کھل جانا یہ آپ کی کرامت کا نتیجہ تھے۔ ہمارے خاندان کے اکثر افراد اس نظریہ کے حامل ہیں کہ آپ کے مزار مبارک پر چالیس دن حاضری دینے سے حاجات پوری ہو جاتی ہیں۔ یہ قرب ولی کی تاثیر ہے۔ اسی طرح بعض احباب کا خیال ہے کہ خاندان کی خوشحالی روضہ پر حاضری دینے میں ہے۔ آپکے ارا تمندوں کا سلسلہ کافی وسیع تھا۔ آپکے عقید تمندوں مندوں میں شاہان وقت کے نمائندے بھی شامل تھے۔

حضرت شیخ جان محمد کے حق میں حضور شیخ نے چند تحریریں چھوڑی ہیں۔ متن انکا فارسی زبان میں ہے۔

ترجمہ اقرار نامہ وصیت حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہ العزیز

حضرت مخدوم جہانیاں عقل و صحت کی درستی کی حالت میں یہ اقرار نامہ جو شرعی لحاظ سے صحیح اور معتبر ہے منکہ شیخ شہاب الدین ولد پیر محمد عرف نیکو کارہ جو خاکپائے خاندان سہروردیہ اور خادم خلفائے راشدین اور زمین و زمان کے دائرے کا قطب ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں اس بات کا کہ ہمارے یار و وفادار اور فرزند نیکو کار شیخ جان محمد اس دنیا کے خیر خواہ کے متبنّیٰ اور فرزند لطفی ہیں۔ شروع سے اب تک یہ راست گو میرے رنج و غم و راحت کے شریک اور سیر و سیاحت کے رفیق رہے ہیں۔ اس بنا پر بغیر کسی جبر بلکہ اپنی مرضی اور خوشی سے فرزند مذکور کو اور اس کی آل واولاد کو میں نے اجازت دی ہے کہ مجھ خاکسار کی موجودگی اور عدم موجودگی، زندگی اور موت کے بعد سلسلہ مریدین اور عقید تمندوں کی جماعت کو نماز و روزہ و ذکر و اذکار اور دیگر اوراد کی تعلیم و ترغیب میں مشغول رکھیں خاص طور پر اس خاندان کے طریقے کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے جاری رکھنے کے لئے سرگرم رہیں۔ اس خاکسار کی وفات کے بعد درگاہ کی جاروب کشی کی خدمت وغیرہ اپنے ذمہ لازم اور ضروری جانیں۔ ان خاندان کے تمام محبان اور خادم فرزند مذکور کو مستقل خلیفہ اور خاکسار کا قائم مقام جانیں۔ اور اس کی فرمان برداری کو فرض طریقت سمجھیں۔ دینی اور دنیاوی امور میں کسی قسم

کی خلاف ورزی نہ کریں۔ اور نذر نیاز کا جو قدیم طریقہ ہے بلا شرکت غیر ان کے لئے مسلم سمجھیں کہ یہ بڑے اجر و ثواب کا موجب ہوگا۔ دوسرے جو کوئی وراثت یا خلافت میں فرزند مذکور یا اسکی آل و اولاد کے ساتھ شرکت کا دعویٰ کرے گا۔ اللہ کے نزدیک نا قابل قبول اور شرعاً مردود ہوگا۔ اس بنا پر یہ چند کلمات بطور تملیک اور ہبہ نامہ اور خلافت نامہ لکھ دیئے ہیں تاکہ خلیفہ مذکور اور اسکی آل اولاد کے لئے سند رہے۔

قط کان ذالک فی التاریخ ۵ زی الحج 1003ھ مقدس

گواہ شدگان

فقیر جعفر خادم حضرت شاہ   وریا خیاط   صادق چیمہ   حکیم وڑائچ   اللہ بخش نجار   گلام مصطفٰے

مہر علی خواجہ شیخ عبد الغنی

ہندو گواہان جن کے نام ہندی زبان میں درج ہیں

یہاں ایک بات جاننا از بس ضروری ہے کہ کوئی اپنے بارے کیسے جان سکتا ہے کہ وہ وقت کا قطب ہے؟

روز آفرینش سے اللہ کریم جل مجدہ الکریم نے ایک سنت رکھ دی ہے کہ ہر روز نئی معلومات اور علم کا ظہور ہوتا ہے۔ سیدنا آدمؑ سے لیکر آج تک کیا ایک ہی طرح کے حکم احکام، علم و فہم و حکمت رہی ہے؟ جوب یقیناً یہی ہوگا نہیں۔ کیوں کیونکہ ہر گھڑی تنوع ہوتا جارہا ہے اور خالق ارض و سمأ کے انوار کی نئی جلوہ گری ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر دور مین ایک یا زیادہ انبیأ علیہم التسلیمات کو مبعوث کرنا پڑا اور ان میں سے 313 رسولان گرامی قدر علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور شریعت میں تنوع پیدا کیا۔ ماشأاللہ

سید المرسلین ﷺ کے بعد چونکہ کوئی نبی نہیں آنا اس لئے اس میں نئی جہتیں پیدا فرمادیں۔ مختلف علوم و فنون منصۂ شہود پر آئیں ان کے لئے نئی اصلاحات آئیں۔ قرآن و سنت کو ہی دیکھ لیجئے تمام اصلاحات نئی ہیں جو کہ قرآن و سنت میں نہیں انکی اصل ہو سکتی ہے پر کیا وہ تمام تعریفیں ایسے ہی ہیں جیسے آجکل مروج ہیں جوب ہے نہیں؟ وقت کے مطابق انکا ظہور ہوا۔ بلکل اسی طرح علم تصوف میں بھی ہوا۔ جہاں اس نے باقائدہ ایک الگ صنف کی حیثیت اختیار کی اس کی ضروریات اور اصطلاحات میں تبدیلی آگئی۔

مجھے کیسے علم ہوا کہ میں ایم۔اے پاس ہوں؟ بھئی یونیورسٹی نے مجھے سند دی اس میں تمام تفصیلات لکھ دیں امتحان لئے۔ مراحل طے ہوئے پھر ایک درجہ فکس ہوا اس پر انتخاب ہوا۔ اسی طرح شیخ الجامعیہ، ہیڈ ماسٹر، پرنسپل، شیخ الاسلام، شیخ طریقت، شیخ المشائخ یہ سب عہدے اور مقامات ہیں ان کے لئے لیاقت اور قوانین کے مطابق امتحانات ہیں پھر نتائج اور آخر میں تقرری ہے۔ جس کے بعد انکو اپنے مراتب کا علم ہو جاتا ہے۔

اللہ کی قدرت کے بے شمار نظام ہیں انسانی عقل سے ماورأ جیسے فرشتوں کا نظام، ملائکہ مقربین کا نظام، کراماً کاتبین کا نظام وغیرہ اسی طرح کا ایک نظام اللہ کے خاص بندوں جنہیں اولیأ اللہ کہتے ہیں کا ہے۔ چنانچہ سورہ الکہف 18 نمبر میں آیت 65 میں ارشاد فرمایا

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو واں پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا کیا تھا۔

جمہور کے قول کے مطابق اس بندے سے مراد حضرت خضر (علیہ السلام) ہیں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے جیسا کہ ہم پہلے صحیح بخاری کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 74، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 4707، سنن الترمذی رقم الحدیث 3149 صحیح مسلم رقم الحدیث 2380 بعض غیر معتبر لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جس سے ملنے گئے تھے وہ خضر نہیں تھے کوئی اور عالم تھے اور بعض لوگوں نے کہا وہ ایک عبادت گزار بندے تھے اور صحیح یہی ہے کہ وہ حضرت خضر تھے۔ مجاہد نے کہا ان کو خضر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ارد گرد کی چیزیں سر سبز ہو جاتی تھیں۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کو خضر اس لئے کہتے ہیں کہ جب وہ سفید پوستین (جانور کی کھال کی قمیص، چغہ) پر نماز پڑھتے تو اس کے نیچے سے سبزہ اگنے لگتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: 3151، مسند احمد ج 2 ص 312، المسند الجامع رقم الحدیث: 14715 علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے اس حدیث میں سفید پوستین سے مراد روئے زمین ہے۔

اب یہ وہ نظام ہے جس پر نص قرآن ہے یہاں اتنی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی۔

سوال یہ کہ قطب کو کیسے پتا لگا؟ مختصر جواب یہ ہے حضور سیدی غوث الثقلینؓ ارشاد فرماتے ہیں۔

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰى صِرْتُ قُطْبًا

وَنِلْتُ السّعْدَ مِنْ مَّوْلَى الْمَوَالِ

'میں علم پڑھتے پڑھتے قطب ھوگیا اور میں نے خداوند تعالیٰ کی مدد سے سعادت کو پالیا۔'

فَمَنْ فِيْ اَوْلِيَآءِ اللّٰهِ مِثْلِيْ

وَمَنْ فِي الْعِلْمِ وَالتَّصَرُّفِ حَالِ

یہ ایک مثال ہے۔ یہ علم مخفی جب کوئی طے کرلیتا ہے تو اس کو بھی سند مل جاتی ہے۔ اور اسے احوال کا علم ہو جاتا ہے۔
'تو اولیاء اللہ میں سے کون میری مثل ھے ؟ اور کون میرے علم اور تصرف میں میرے حال کو پہنچا ھے۔' یہ بھی تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔

قطب کی حقیقت

تصوف کی کتابوں میں قطب کا ذکر کسی نہ کسی رنگ میں ضرور آ جاتا ہے۔ اس اصطلاح اور اس منصب کی وضاحت کر دینا مناسب ہے۔

" اجابۃ الغوث " علامہ شامیؒ، جلد دوم صفحہ 265:

فَالْاَقْطَابُ جَمْعُ قُطْبٍ.... وَهُوَ فِي اِصْطِلَاحِهِمُ الْخَلِيْفَةُ الْبَاطِنُ وَهُوَ سَيِّدُ اَهْلِ زَمَانِهِ، سُمِّيَ قُطْبًا لِجَمْعِهِ لِجَمِيْعِ الْمَقَامَاتِ وَالْاَحْوَالِ وَدَوَرَانِهَا عَلَيْهِ، مَأْخُوْذٌ مِنْ قُطْبِ الرَّحٰى الْحَدِيْدَةِ الَّتِيْ تَدُوْرُ عَلَيْهَا ...... اَلْقُطْبُ فِي اِصْطِلَاحِ الْقَوْمِ اَكْمَلُ اِنْسَانٍ مُتَمَكِّنٌ فِي مَقَامِ الْفَرْدِيَّةِ تَدُوْرُ عَلَيْهِ اَحْوَالُ الْخَلْقِ

اقطاب قطب کی جمع ہے.... اور صوفیا کی اصطلاح میں قطب باطنی خلیفہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کا سردار ہوتا ہے۔ اسے قطب اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ تمام احوال و منازل سلوک طے کر چکا ہوتا ہے۔ مخلوق کے تمام مقامات واحوال اس پر گردش کرتے ہیں۔ یہ لفظ لوہے کی اس سلاخ (کلّی) سے ماخوذ ہے جو چکی کے درمیان ہوتی ہے جس کے گرد چکی کا پاٹ چکر کاٹتا ہے۔........ قطب صوفیا کی اصطلاح میں کامل و اکمل انسان ہوتا ہے جسے مقام فردیت حاصل ہوتا ہے۔ مخلوق کے احوال اس پر گردش کرتے ہیں۔
ان اللہ کے بندوں کو علم ہوتا ہے کہ انہیں کس مقام پر فائز کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم اس پر پوری کتاب تصنیف ہو سکتی ہے۔ بہرحال

نوٹ سن عیسوی کے مطابق 1583ء کا سال تھا اکبر اعظم مغلیہ
تقریباً ایک سو سال گذرنے کے بعد مدعیوں نے دعویٰ مزار کی حفاظت کا اور دیگر زمین جو کہ تھی اس پر آکر دعویٰ کیا کہ ہم عزیز رشتہ دار حضرت شہاب الدینؒ کے ہیں۔ اس دعویٰ کی تحریر فارسی میں اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے تاکہ پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو جائے

ترجمہ: حضرت مخدوم جہانیاں

ہم شیخ کبیر و شیخ دولت اور شیخ عبد الطیف عرف نیکوکارہ اس وجہ سے صحیح معتبر شرعی اقرار کرتے ہیں کہ جب غفران پناہ قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین حضرت شیخ شہاب الدین نیکوکارہ خلفائے قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین جو دائرہ زمین و زمان کے قطب ہیں

اپنی زندگی اور موت کے بعد خدمت اور نذر و نیاز اور جاروب کشی اور چراغ جلانے کی خدمت مقبرہ میں اور دیگر متعلقہ امور جو شیخ جان محمد اور ر اسکی اولاد کو متبنّیٰ اور فرزند لطفی اور خادم اور خلیفہ مستقل اور قائم مقام سمجھتے ہوئے۔ خود حضرت شاہ صاحب نے عطا کیا اور بخشا ہے ہم جو کہ شیخ شہاب الدین قدس سرہ کی وفات کے سو سال بعد دعویٰ فرزندی کرکے محمد فاضل بن شیخ جان محمد و گل محمد و شیر محمد بن شیخ ادریس محمد بن شیخ جان محمد مرحومین کے پاس سمبڑیال گئے۔ اور دعویٰ وراثت اور بزرگوں کی نذر و نیاز کا دعویٰ کیا اور جھگڑا اور قبضہ برپا کیا۔ تمام مریدوں اور خادموں نے جو دریا چناب کے آر پار رہتے ہیں۔ اس ہنگامے اور مقدمے کا اظہار کیا۔ چوہدری دھرم چند و چوہدری محمد پناہ کے پاس جاکر مقدمے کا اظہار کیا۔ چوہدریوں نے جواب میں کہا کہ طرفین کو مولوی صاحب محمد حنیف اور مولوی محمد حسن اور میاں عبد الرشید اور قاضی وجیہ الدین وغیرہ اور دیگر عالمان و فاضلان جو کہ سیالکوٹ میں ہیں انکے پاس روانہ کریں۔

جب ہم نے چوہدریوں کے فرمانے کے مطابق مولوی صاحبان اور قاضی صاحب کے پاس جاکر اس مقدمہ کو پیش کیا۔ مولوی صاحبان اور قاضی صاحب اور دیگر فضلأ نے نص و کتاب و حدیث رسول ﷺ کے مطابق طرفین کو فرمایا کہ قبروں کی نذر و نیاز بطور خیرات کے ہے جو ورثہ وراثت نہیں بلکہ ارادت ہے جس کے ساتھ مجموعی طور پر خادموں عقید تمندوں اور ملازموں محبوں کی ارادت ہو۔ نذر و نیاز اسکے حوالے کریں۔ جب ہم مریدوں کے حال سے آگاہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ ظاہری اور باطنی رغبت محمد فاضل و گل محمد اور شیر محمد مذکورین سے رکھتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے پیر نے اپنی بیعت کا حق خود حضرت شیخ جان محمد اور اسکی اولاد جو کہ حضرت کے فرزند اور خلیفہ ہیں تفویض کر دیا ہے۔ ہم جو کہ قلیل یا کثیر فائدہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس مقدمہ کو پھر چوہدریوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ چوہدریان موصوفان نے کہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ خود حضرت شاہ شہاب الدین کرینگے اس شرط پر مزار شریف کے دروازے میں قفل لگا دیا جائے اور متنازعین میں سے ایک ایک فرد قفل کے نیچے دامن پھیلائے جس کے دامن میں قفل گر پڑے مزار کی وراثت اور جو اسکے متعلقات ہیں حاصل کرے۔

پہلی باری ہماری مقرر ہوئی مذکورہ شرط کے مطابق ہم میں سے ہر ایک نے اپنا دامن تالا کے نیچے پھیلا دیا۔ لیکن مقصد کی چابی ہم میں سے کسی کے ہاتھ نہ آئی۔ اب باری دوسرے فریق کی تھی جو کہ محمد فاضل و گل محمد اور شیر محمد کی تھی تو انہوں نے اپنا دامن مراد پھولوں سے بھر لیا۔ آہنی قفل رب العالمین کی مہربانی اور حضرت شاہ صاحب کی تائید غیبی سے ان کے دامن میں گر پڑا۔ ہم نے یقین سے جانا کہ یہ چیز صرف انکی عنائت سے ہے اور ہمارا جوش و خروش کرنا بے فائدہ ہے۔ اس لئے گردونواح کے تمام ہندو و مسلمان جو اس واقع کے عینی گاہ ہیں ان کے سامنے اپنی رضا و رغبت سے دست برداری کا یہ دعویٰ لکھ دیا ہے کہ یہ چیز ہماری قسمت میں نہیں ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی خواہ ہمارے لڑکوں کی اولاد ہو یا دختر زادے ہوں اگر ان کے ساتھ یا ان کی اولاد کے ساتھ دعویٰ کریں تو

شریعت عظمیٰ اور ملت بیضا اور جمیع فقراٗ کے بموجب جھوٹے اور دروغ گو ہوں گے۔ لہٰذا یہ چند حروف بطور لادعویٰ کے لکھ دئے ہیں تاکہ آئندہ کے لئے حجت پیدا نہ ہو۔

تحریر کی تاریخ 4 جمدی الثانی 1115ھ

گواہ شدگان

چوہدری دھرم چند　چوہدری محمد پناہ　سورت سنگھ　کرم چند　پہر چند　ابراہیم　سید نور محمد　رام سنگھ

محمد جعفر　عبداللہ وڑائچ

دستخط شیخ کبیر　شیخ دولت　شیخ عبدالطیف　عرف نیکوکارہ

ساکنان بہرامکے گھمن　مدعیان

نوٹ یہ مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا دور تھا　۱۲۹۵ھ

بادشاہ وقت اور دیگر امراٗ اور رؤسا شیخ شہاب الدین اور انکے خلیفہ شیخ جان محمد اور اسکی اولاد سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ حکمران وقت نے اپنی عقیدت کی بناپر ہمارے بزرگوں کے ذریعہ معاش کے لئے اراضی اور وظائف مقرر کئے۔ شہنشاہ عالمگیر غازی نے دو لونڈیاں حنیفہ خاتون اور انور خاتون عطافرمائیں تھیں اور ان کے اخراجات کے لئے چالیس بھگہ زمین پرگنہ سیالکوٹ سے دی تھی۔ اسی طرح احمد شاہ درانی عالئے کابل نے بھی زمین اور رقوم دی تھیں۔ اس سلسلہ میں دو عدد شاہی فرمان کی نقول درج کی تھیں۔ فرمان کی اصل تحریر واضح طور پر پڑھی نہیں جاتی کیونکہ کاغذ پرانا اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے الفاظ مٹ گئے ہیں۔ ان کی جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔

عدالت عالیہ

مہر بادشاہ عالمگیر
غازی
امین جان مراد

ع

جملہ شہنشاہی جاگیر داران و گروریان پرگنہ سیالکوٹ

مضاف بصوبہ پنجاب باعلان

بکوجب بلا دانست و مرقوم ہفتدہم ربیع الثانی ۴۶ سنہ جلوس والا بتاریخ ہژدہم شہر رمضان

سنہ

مکرر اراضی مقدس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چہل بیگہ زمین افتادہ قابل زراعت خارج جمیع از پرگنہ مذکور از

خریف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ذریعہ مدد معاش مسمات حنیفہ خاتون۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وگیرہ حسب۔۔۔۔ مقرر گشتہ تا بدانست

واقعہ عمل نمودہ

اراضی مستور را ہیچوں محدود نمودہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بصرف اینہا کرا طلب مطمئن و۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ معیشت نمودہ در

قالت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مونطیت نمودہ دانستہ حسب المسطور بعمل آمد بست و ہفتم شہر رمضان سنہ جلوس والا

اسی طرح کے کئی خطے اراضی کے بادشاہان وقت سے بطور معاش ملے۔ لیکن ہمارے بزرگوں نے صرف خدا اور رسول ﷺ کے دین کی خاطر زمینداری کو ترک کر دیا اور وہ زمین دوسرے لوگوں نے اپنے تصرف و قبضہ میں کر لیں۔ یہ بزرگ صرف خدا جل شانہ اور اسکے رسول مقبول ﷺ کے دین کی خاطر ان چیزوں کو ہیچ تصور کرتے تھے اور بالکل ادھر توجہ نہ دیتے تھے۔ واللہ واعلم !

ڈاکٹر اللہ رکھا صاحبؒ

جناب ڈاکٹر اللہ رکھا صاحب مرحوم ہمارے خاندان کے اہم رکن تھے۔آپ بہت خوبیوں کے مالک تھے۔آپ طبیب، خوش نویس، ادیب اور ہومیوپیتھک ڈاکٹر تھے۔آپ دنیوی معاملات میں بہت دوررس نگاہ رکھتے تھے۔اکثر احباب ان کے قیمتی مشورہ کے خواہاں رہتے تھے۔آپ 1974ء میں حج بیت اللہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔لیکن قضائے الٰہی سے فراغت حج کے بعد مکہ شریف میں انتقال فرماگئے۔داکٹر صاحب نے بھی اپنے اس خاندان کے متعلق کافی تحریر چھوڑی ہے۔جو تحریر چھوڑی اس میں جو باتیں پہلے جناب محمد نواز قریشی صاحب نے بیان کی ہیں تکرار کی غرض سے کچھ باتیں چھوڑ دی ہیں اور جو انہوں نے بیان نہیں کیں وہ بیان کی جاتی ہیں۔

باقی تحریر میں انکے تقریباًوہی باتیں ہیں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں البتہ انہوں نے یہ لکھا کہ مزار مبارک کے فیصلہ سے پہلے چوہدری صاحبان نے ارد گرد کے دیہات اور علاقہ مذکورہ میں منادی کراوئی کہ مزار شیخ شہاب الدین نیکو کارہ کا فیصلہ ہو رہاہے۔اس لئے تمام لوگ بلا مذہب وملت اس فیصلہ کو دیکھنے میں شامل ہوں۔چنانچہ لوگ مقررہ وقت پر پہنچے اور کثیر تعداد میں لوگوں نے وہ منظر دیکھا۔

مزید برآں یہ فرماتے ہیں کہ یہ کاغذ جس کی تحریر اس وقت سے جب انہوں نے تحریر لکھی سے تقریباً تین سو سال کے قریب پرانا ہے۔انکے پاس اصل موجود ہے۔فرماتے تھے کہ جو صاحب اپنی آنکھوں سے وہ نوشت دیکھنا چاہے وہ دیکھ سکتا ہے۔یہ تحریر جمادی الاول 1115 ھ کی اب تک (اس وقت) موجود ہے۔اسکے حاشیہ پر تمام مدعیان اور گواہان اہل اسلام واہل ہنود کے دستخط اور نشان انگوٹھے موجود ہیں۔

نوٹ؛اس وقت سمبڑیال میں چوہدری دو طرح کے تھے مسلمان اور ہندو

مزار مبارک کی بہت سی زمین تھی۔ایک شاہی فرمان جو کہ احمد شاہ درانی والئے کابل کی طرف سے تحریر ہے۔اس میں بہت زمین اور پرگنہ گجرات کا معاملہ بطور نذر و وظیفہ دیا گیا تھا۔ایسے ہی اور شاہی فرمان تھے۔بہت عرصہ تک ہمارا خاندان اپنی روحانی برکات سے مشہور رہااور تمام وظائف حاصل ہوتے رہے مگر بعد میں ہمارے اباؤاجداد نے مذکورہ جائیداد پر قبضہ نہ رکھااور وہ تمام زمین دوسرے برسر اقتدار لوگوں نے حاصل کرلی۔ہمارے خاندان کا اصل مشغلہ علم دین اور طب وکتابت تھی۔جو اب تک خاندان میں موجود ہے۔جو فرمان مغلیہ خاندان کی طرف سے جاری کئے گئے تھے۔ان میں ایک شاہ جہاں بادشاہ بحق شاہ شہاب الدین نیکوکارہ

1041 ھ کا اصلی قلمی اور دوسرا فرمان بادشاہ عالمگیر غازی امین جان کی طرف سے 27 رمضان 1146ھ اصلی موجود ہے۔ باقی بہت سے شاہی کاغذات گم ہوگئے ہیں۔

چونکہ ہمارے بزرگ اپنی ذاتی مزدوری سے اپنا گذارہ کرتے تھے اور شاہی عطیات سے کوئی فائدہ نہ حاصل کیا۔ بلکہ بہت سی جاگیریں چھوڑیں اور دنیوی لالچ اور حرص و ہوا کے بندے نہ بنے۔ اپنی کمائی پر گزر اوقات کی ورنہ اب تک ہمارے مریدوں کی خاص تعداد یہاں موجود ہے مگر ہمیں ان سے کوئی لالچ نہیں بلکہ بے غرض محبت ہے۔ اب بھی ہم آپ کا عرس مبارک وہاں جاکر اپنی ذاتی کمائی سے ہی کرتے ہیں۔

ہماری اولاد سرسبز اور باوقار زندگی گذر رہی ہے۔ جیسا کہ میرے والد مکرم و معظم مرحوم و مغفور یونانی طبیب تھے اور کاتب تھے۔ انہیں تاریخی واقعات سے دلچسپی تھی۔

انہوں نے الشیخ شہاب الدین قدس سرہ العزیز کی شان میں پنجابی کلام کیا ہے۔

حضرت شاہ شہاب الدین داساڈے اتے سایہ
جنہاں نے دین دنی کے قرب حضوروں پایا
چالی دن جو وقت فجر دے اس روضہ تے جائے
جو مراد منگے سوئی رب تھیں اوہو پاوے

نوٹ؛ ہمارے خاندان میں سے میاں محکم دین صاحب کی اولاد نرینہ کوئی نہیں تھی اس لئے انہوں نے اپنا ایک لڑکا اپنایا ہوا تھا جو ان کے سسرال میں سے تھا۔ ان کا نام حکیم اروڑا (کرم الہیٰ) تھا جو اپنے وقت کے بہت بلند پایا شاہی طبیب تھے ان کی اولاد بھی ہمارے خاندان سے متعلق ہے۔ ان کے لڑکے حکیم حسن دین بھی زبردست طبیب تھے۔ اور انکے لڑکے عبدالمجید صاحب بھی طبیب ہیں۔ ان کی اولاد ماشاًاللہ بہت تعلیم یافتہ ہے۔

نور الحق (عرف میاں روڈا)

محمد نواز قریشی صاحب کی مطابق

جناب نور الحق صاحب کے نام میں اختلاف ہے۔ کیونکہ جناب محمد نواز (مرحوم) کے پاس ایک عدالتی کاغذ کی نقل موجود ہے۔ جس میں نور الحق صاحب کی ولدیت عبداللہ ولف فضل دین لکھی ہوئی ہے۔ جناب میاں نور الحق 1853ء میں بقید حیات تھے۔ آپکی رہائش مزار شاہ شہاب الدینؒ کے مشرق کی طرف تھی۔ پرانے مزار میں ایک کھجور کا درخت تھا جو جنوب مشرق کی جانب تھا اس طرف آپکی رہائش تھی عندالوقت تحریر محمد نواز یہ مکان مقبول احمد کے تصرف میں تھا۔ جگہ تھوڑی ہونے کی وجہ سے ارد گرد کے مکان انہوں نے خرید لئے اور اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دئے تاکہ وہ اپنے علیحدہ مکان بنالیں۔

جناب الہیٰ بخش صاحب کو مزار کے مغرب کی طرف جگہ ملی تھی۔ جناب حافظ نور محمد کو اصلی جدی مکان دیا گیا۔

جناب عبداللہ صاحب کو مسجد کی مغرب جگہ دی گئی۔ جناب محمد بخش کو مسجد کے سامنے کی جولاہوں سے خرید کر دی گئی۔

جناب الہیٰ بخش صاحب کو مکان کی تعمیر کرنے کی جگہ پسند نہ آئی۔ لہٰذا آپ نے اپنے حصہ کی زمین فروخت کر دی اور موضع حبیب پور جو کہ بیلہ میں نزدیک ہی تقریباً 6 سات میل کے فاصلہ پر ہے تشریف لے گئے اور وہاں دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جب نور الحق بہت بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے اپنے لڑکوں کو اکٹھا کیا اور کہا میری پیر سالی میں اچھی طرح دیکھ بھال کرنا اگر چاروں صاحبزادوں سے کسی نے والدین کی خدمت میں چشم پوشی کی تو وہ وراثت سے محروم ہو جائیگا۔ چنانچہ ان کے چاروں لڑکوں نے اقرار نامہ تحریر کر دیا۔

حضرت میاں نور الحق صاحبؒ دینی خدمات دیتے تھے۔ مریدوں کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ ان کی نذر و نیاز ہی ذریعہ معاش تھا۔ شیخ شہاب الدینؒ کے روضہ سے بہت سے مرید اور معتقد تھے۔ جو نذر و نیاز پیش کرتے تھے۔ چنانچہ اس آمدنی کے حصول کے سلسلہ میں بعض دفعہ آپس کی شکایات بھی پیدا ہو جاتی تھیں چنانچہ اس ضمن میں میاں فیض بخشؒ کی نوشت حسب ذیل ہے:

منکہ میاں فیض بخشؒ نوشتہ کو دمید ہم اگر کسے را مریداں بموجب رضا مندی خویش وارادت خاص نذر و نیاز باہر کسیکے از مجاوران حضرت شاہ شہاب الدینؒ مرحوم جیوبدہد، ہیچ کس رابدیگر غرض نیست لہٰذا بطریق سند خود نوشتہ دادم

تحریر فی التاریخ 6 ہاڑہ ب 1902 1845ء

العبد

فیض بخش

آنچہ در متن است نیست دارم العبد جعفر کان، حیات خان

جناب میاں نور الحق صاحبؒ نے کافی لمبی عمر پائی تھی جب آپ بہت بوڑھے ہو گئے تو آپ نے اپنے بیٹوں پر اپنی دیکھ بھال لازم کر دی۔ چنانچہ اس سلسلہ مین ایک تحریر موجود ہے۔جو 1853ء میں لکھی گئی تھی۔

پرانے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے 1869ء میں اس دار الفنا سے دار لبقا کی طرف سفر رحلت اختیار کیا۔آپ کو شیخ زین العابدین سے خاص عقیدت تھی۔آپ ان کے مزار پر جا کر دعا گو ہوتے تھے اور عبادت کیا کرتے تھے۔

جب آپ کا انتقال ہوا تو ان کو مزار کے مشرقی پہلو میں دفن کیا گیا۔ شیخ زین العابدین صاحب قدس سرہ العزیز کا روضہ سمبڑیال کے شمال کی طرف ہے قبرستان بہت بڑا ہے اس میں کئی دفعہ مٹی ڈالی گئی آپ کی قبر کی مرمت نہ ہو سکی اور یہ زمین کے ساتھ ہی پیوست ہو گئی جب مزار زین العابدین کی مرمت کی گئی تو احاطہ کو ہموار کیا گیا تو قبر کا نشان بھی نہ رہا اب وہاں ہموار صحن ہے۔اس صحن مین کافی قبور ہیں جو ہمارے ہی خاندان کی تھیں جو معدوم ہو گئی ہیں اور مزار کے احاطہ میں ہیں۔

شجرہ جناب نورالحقؒ
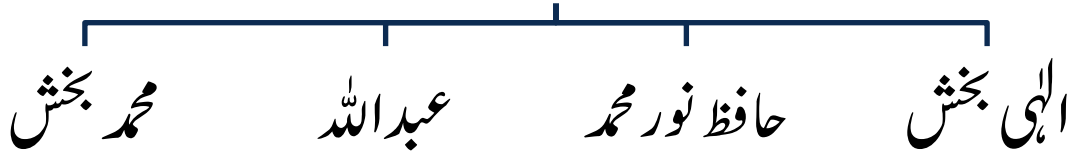
جناب الٰہی بخشؒ

جناب الٰہی بخشؒ صاحب نے اپنے حصہ کی زمین فروخت کر دی کیونکہ وہ ان کے لئے ناکافی تھی۔ آپ حبیب پور چلے گئے وہاں آپ دینی تعلیم دیتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ حبیب پور کے چوہدری صاحبان جو کہ حضرت شیخؒ کے عقید تمند تھے انہوں نے آپ کو حبیب پور میں مدعو کیا تھا کہ وہاں دینی خدمات سرانجام دیں۔ واللہ اعلم!

آپ کے چار فرزند تھے

الٰہی بخش

غلام نبی | محمد علی | کرم الٰہی | فضل الٰہی
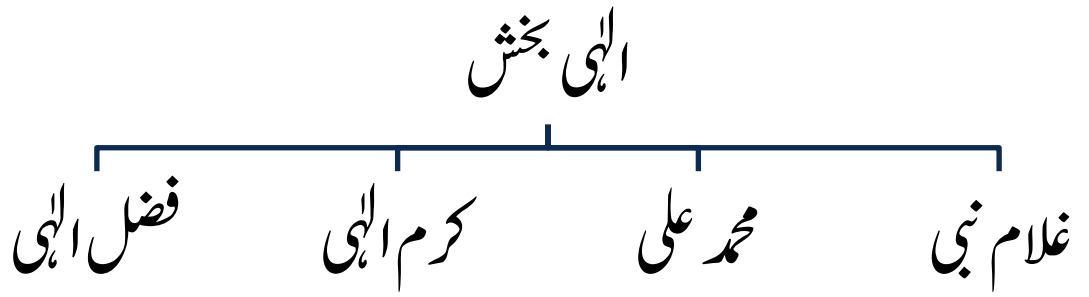
1۔غلام نبیؒ
2۔ محمد علیؒ
3۔ کرم الٰہی
4۔ فضل الٰہیؒ
اور آپکی ایک بیٹی تھی جن کا نام زینب بی بیؒ تھا۔

شجرہ غلام نبیؒ
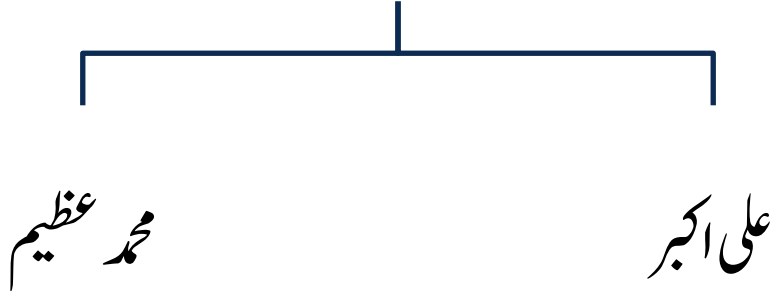
محمد نواز صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے غلام نبی صاحب کو دیکھا ہوا ہے۔
آپ فارسی پر خصوصاً عبور رکھتے تھے اور نہایت دیندار اور پابند شریعت تھے۔آپ دراز قد تھے اور بٹالہ والوں کے مرید ہو گئے تھے اس طرح آپ کی بیعت سلسلہ عالیہ قادریہ زاہدیہ میں تھی۔
جب کہ حضرت شیخ شہاب الدینؒ کا سلسلہ سہروردیہ تھا اور سلسلہ نقشبندیہ میں بھی فیض یافتہ اور صاحب ارشاد تھے۔
جناب غلام نبیؒ کو جناب سید الاولیأ حضرت محبوب سبحانی الشیخ سید عبد القادر الجیلانی قدس سرہ العزیز سے خصوصی تعلق تھا۔آپ ہر گیارہویں شریف کا اہتمام بڑے اہتمام سے فرماتے تھے اور ختم پاک کافی لمبا پڑھتے تھے۔آپ کا انتقال 1941ء میں ہوا تھا۔آپکی قبر حبیب پور میں ہے۔قبر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ قبلہ کی طرف جھکی ہوئی ہے۔

علی اکبرؒ (المعروف کھنڈی والی سرکار)

جناب علی اکبر صاحب بہت خدا یاد بزرگ تھے۔ اکثر وہ اپنے اوپر ایک چادر رکھتے تھے اور نہایت سادہ زندگی گذارتے رہے۔ جو کچھ ملتا خدا کی راہ میں تقسیم کر دیتے۔ ان کی شادی چندر کے میں ہوئی تھی جن کا نام زینب بب تھا جو کہ محمد علیؒ صاحب کی صاحب زادی تھیں۔

جناب علی اکبرؒ کو حضور الشیخ سید عبد القادر الجیلانیؓ قدس سرہ العزیز سے عشق تھا اور اکثر ختم شریف غوثیہ یا قادریہ بڑے ذوق و شوق سے ادا فرماتے تھے۔ آپ ورد و وظائف کے بڑے پابند تھے۔ معراج نامہ کتاب آپ نے تصنیف فرمائی اور ظہور اکبر بھی چھپوائی۔ آپ کو فارسی اور عربی کا کافی علم تھا۔ آپ کی قبر بھی اپنے والد گرامی کے بلکل ساتھ ہے۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ بیلہ میں آپ کے کافی مرید تھے۔ آپ احرام کی سی شکل میں رہتے تھے۔ یعنی تہبند اور ایک ان سلی چادر پہنتے تھے۔ درود شریف کبریت احمر جو سیدنا حضرت الشیخ سید عبد القادر جیلانیؓ نے تصنیف کیا ہے۔ بڑھی کیفیات میں پڑھتے تھے۔ معراج نامہ 1908ء میں چھپوایا تھا اور اپنے والد گرامی قدر کے نام سے شائع کروایا۔ لیکن اس کے بعد اس کی دوبارہ اشاعت کسی نے نہیں کروائی۔ حالانکہ صدقہ جاریہ کے طور پر یہ کام کروایا جانا چاہئیے تھا۔ اس معراج نامہ کے آخر میں شجرہ نسب بیان کیا ہے جو اشعار کی شکل میں ہے۔ وہ محمدؒ (ریفرنس مسلم بن عقیلؓ) سے ملتا ہے۔ اس شجرہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا خاندان ہاشمی نسب کا حامل ہے۔

شجرہ لکھ کر انہوں نے خاندان پر بڑا احسان کیا ہے۔ کیونکہ باقی ان کے کسی بھائی نے اس طرف دھیان نہین دیا۔ حالانکہ تمام کے تمام صاحب علم تھے۔ آپکی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی البتہ ایک بیٹی تھیں جن کا نام کلثوم بی بی تھا

وہ بڑی عالمہ تھین انکی شادی جناب عنائت اللہؒ صاحب قادر آباد گوجرہ منڈی مین ہوئی تھی۔ گاؤں کی بچیوں کو دینی تعلیم دیتی رہیں۔

محمد عظیمؒ

آپؒ ایک عظیم بزرگ تھے۔ شب زندہ دار ذکر و فکر میں مصروف رہنے والے بزرگ تھے۔ آپ بھی سلسلہ عالیہ قادریہ زاہدیہ میں بیعت تھے۔ اپنے والد گرامی قدر کی بے انتہا خدمت کی اس کے ساتھ ساتھ اپنے بھائی علی اکبرؒ صاحب کی تابع فرمانی ایسے کی گویا ایک مرید اپنے شیخ کی کرتا ہے۔ بہترین خوش نویس تھے۔ جو کتب یا تحریرات علی اکبرؒ کی ہیں وہ زیادہ تر آپ کی قلم سے ہی نکلی ہیں۔ ایک بہترین استاد تھے۔ بچون کو مسجد میں ساری زندگی قرآن پاک کی تعلیم دی یہ آپکا فن تھا یا کرامت کہ جو بچہ کہیں سے قرآن پاک نہیں پڑھ سکتا تھا وہ آپ کی تلمیذ میں قرآن پاک پڑھنے لگ جاتا تھا۔ انتہائی عبادت گذار تھے رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گذرتا۔ رات کے آخری وقت مسجد میں تشریف لے جاتے اور ذکر و اذکار کرتے۔

حبیب پور کے لوگ آپ کا بے انتہا احترام کرتے تھے۔آپ کا طریقہ تبلیغ تقریر نہیں بلکہ نظرافکارانہ تھا۔جو بات فرماتے دل مین اتر جاتی۔ وفات سے چند سال پہلے آپ نے سمبڑیال سکونت اختیار کرلی تھی۔ سمبڑیال میں چند سال زندہ رہے۔ بہت ضعیف ہو گئے تھے اور بڑے کمزور تھے۔آپکا وصال غالباًیکم محرم 1979ء ہے۔آپ کی قبر حضرت زین العابدینؒ کی قبر کی پائینتی جانب 8،10 قدم جانب جنوب تھی قبر کچی تھی اور سرہانے ایک چھوٹا سا شیشم کا درخت تھا۔اب قبر معدوم ہے۔ کیونکہ قبرستان میں کوئی پانچ پانچ فٹ نئی مٹی ڈال دی گئی ہے۔

آپ اکثر مثنوی مولانا رومؒ پڑھتے تھے۔آپ کی آواز آخر وقت تک صحیح اور تندرست رہی۔بڑی رعب اور دبدبہ والی آواز تھی۔ (راقم کے والد بزرگوار نور احمد ہاشمیؒ صاحب فرماتے تھے بندہ نے ایک دفعہ ان کے سرہانے ہما پرندہ دیکھا تھا۔) ہر وقت یادالٰہی میں مشغول رہتے۔ کسی بزرگ نے آپ کو کہا تھا کہ اللہ اللہ کرنے سے دین ودنیا سنور جاتی ہے۔آپ ولی کامل تھے۔اکثر پند ونصیحت ہی فرماتے تھے۔آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں بڑی مسعودہ ہاشمی جن کی شادی نور احمد ہاشمی صاحب سے ہوئی تھی۔بڑی پرہزگار، صابرہ شاکرہ خاتون تھیں۔اور دوسری فاطمہ بی بی جن کی شادی جناب اختر علی صاحب سے گوجرانوالہ میں ہوئی۔آپ بھی بڑی خوش کن طبیعت کی حامل تھیں۔بڑی صبر والی اور نیک و پارسا خاتون تھیں۔

شجرہ محمد عظیمؒ
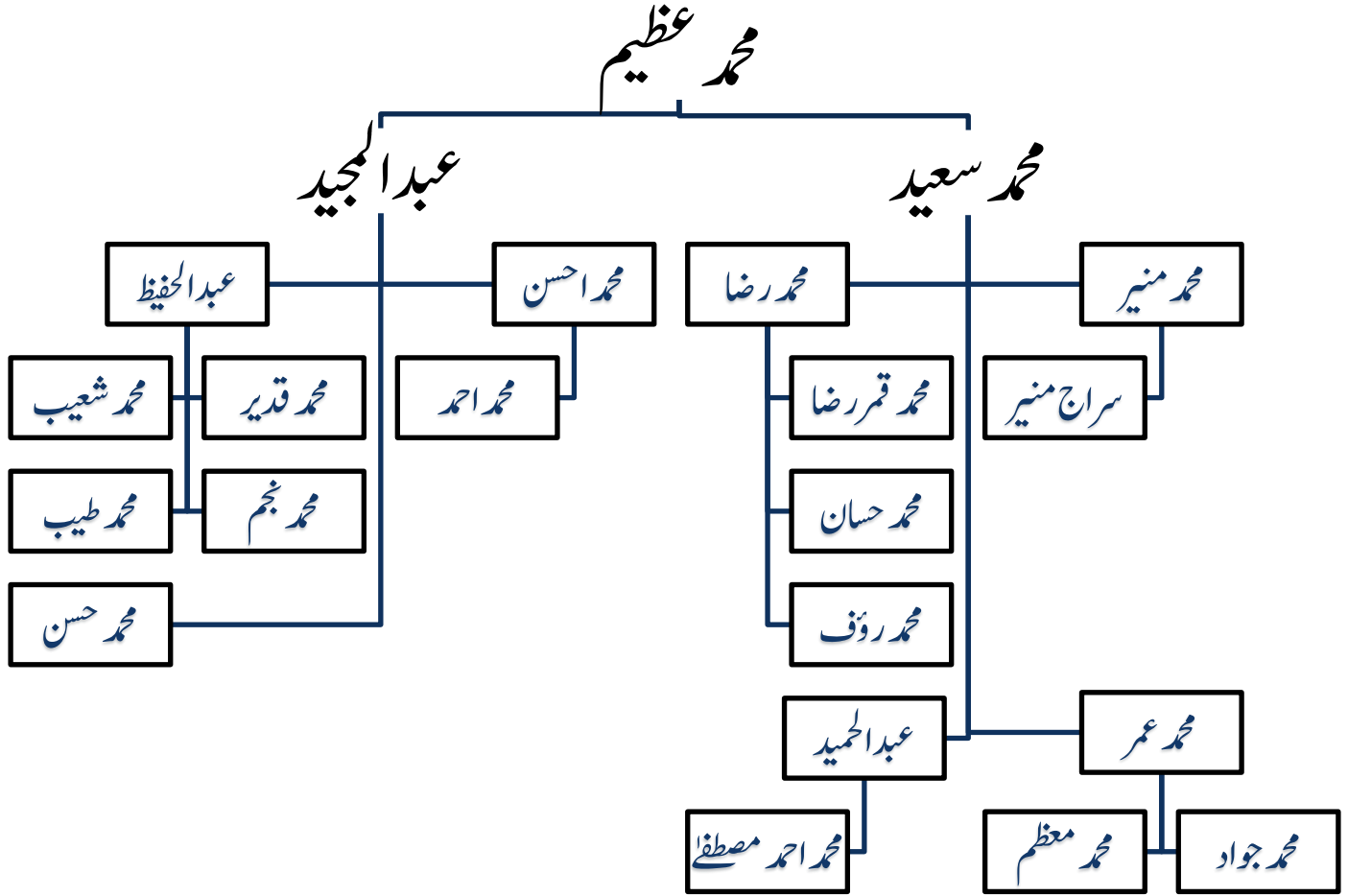
ان کی زندگی میں ہی ان کے دونوں صاحبزادے برسر روزگار ہو گئے تھے۔ دونوں ہی گورنمنٹ سکول ٹیچر تھے۔ نہایت ہی لائق اور بڑے محنتی اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ عمائدین علاقہ میں شمار ہوتے ہیں۔

جناب محمد سعید صاحب کی صاحبزادےِ؛ محمد منیر، محمد رضا، عبدالحمید، محمد عمر

اور ایک ہی صاحبزادی ہے جس کا نام عزرا بی بی ہے

جناب عبدالمجید صاحب کے صاحبزادے؛ محمد حسن، محمد احسن، عبدالحفیظ جبکہ بیٹیوں کے نام۔ میمونہ بی بی، آمنہ بی بی، عائشہ بی بی، اور حمیرہ بی بی

محمد سعیدؒ

جناب محمد سعید صاحب ـــــہ میں پیدا ہوئے۔آپ بڑے زیرک اور کمزور وجود کے بزرگ تھے۔انتہائی نیک اور پارسا تھے۔جوانی تک ااپ کا خط بہترین تھا۔عموماً سفید لباس زیب تن کرتے۔آپ نے میٹرک گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول سمبڑیال سے انتہائی امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور سکول میں پہلی پوزیشن لی۔مدتوں تک آپ کا ریکارڈ رہا۔اس کے بعد آپ نے گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں ڈاخلہ لے لیا۔وہاں آپ حبیب پور سے اپنے برادر عزیز جناب عبدالمجید صاحب کے ہمراہ سائیکل پر ہی جاتے تھے۔کچھ عرصہ گوجرانوالہ میں اپنی خالہ کے گھر قیام کیا۔ادھر سے آپ کو علم طب کا شوق ہوا تو پھر گورنمنٹ سے باقائدہ رجسٹرڈ پریکٹیشنر کے طور پر کوالیفائی کیا۔

،دتوں پہلے چک واں، پھر کچھ عرسی،ماجرہ بعد ازاں حبیب پورا اپنی پریکٹس کرتے رہے۔ماشأاللہ پریکٹس اچھی تھی اور اللہ کریم نے آپ کے ہاتھ میں شفا بھی رکھی تھی اس لئے دور دور سے لوگ آپ کے پاس علاج کے لئے آتے تھے۔علاوہ ازیں آپ نے ایس وی کا امتحان بھی پاس کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ گورنمنٹ ایس وی ٹیچر بھی تعینات ہو گئے تھے جو مختلف سکولز میں فرائض سرانجام دینے کع بعد جب سمبڑیال منتقل ہو گئے تو گورنمنٹ عوامی ہائی سکول میں ہی فرائض سرانجام دیتے رہے۔یہاں ہی سے آپ نے ریٹائر منٹ لی تھی۔اردو کے بہترین استاد تھے۔انکا طریقہ تدریس ڈیڈیکٹیو میتھڈ تھا۔اس کے علاوہ اسلامیات بھی پڑھائی۔

آپ کو جوانی میں ہی ایک تکلیف ہو گئی تھی جس کو ایفائی زیما کہتے ہیں۔اس میں انہوں نے بڑی ہمت اور جوانمردی سے زندگی گذاری اور کسی کو خبر بھی نہ ہونے دی۔اور انتہائی صبر سے وقت گذارا۔آپ کاموش طبع بزرگ تھے کسرت سے ذکر اور فکر آپ کا طرہ امتیاز تھا۔بہت عرصہ تک آپ نے امامت کے فرائض سرانجام دئے جو فی سبیل اللہ ہوا کرتے تھے۔حضور پیر سید طاہر علاؤالدین القادری البغدادی قدس سرہ العزیز کے دست حق پر بیعت کی۔اور ادارہ منہاج القرآن کی رفاقت اختیار کی۔ادارہ سے عشق تھا۔آخر میں بہت نحیف ہو گئے تھے۔بچوں نے بڑی خدمت کی باالخصوص محمد عمر اور اسکی فیملی نے۔آپ نے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی دو صاحب زادے ماشأاللہ ڈاکٹر بنے جناب محمد منیر ہاشمی نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل سے ایم بی بی ایس کیا اور جناب محمد رضا نے راولپنڈی میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا۔جبکہ جناب عبدالحمید صاحب نے ایم اے ایجوکیشن کیا اور جناب محمد عمر صاحب نے ایم اے انگلش ملتان سے کیا۔دراصل بقول شاعر

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل
کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا

اللہ کریم ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور کروٹ کروٹ سکون دے آمین۔انکی قبر پر اپنی رحمتوں کی برسات فرمائے۔آمین !

محمد بخشؒ

جناب نور الحقؒ صاحب کے دوسرے بیٹے تھے۔انکی شادی گھڑتل میں ہوئی تھی۔ یہ خاتون میں میراں بخش اور امیر علی اور غلام قادر کی ہمشیرہ تھیں۔ان کے بطن سے احمد دین پیدا ہوئے۔ یہ انتقال کر گئیں توانکے بعد جناب محمد بخش صاحب نے دوسری شادی دھونکل میں کی۔اس شادی کے بعد محمد شریف انکے گھر پیدا ہوئے۔اور ایک لڑکی بھی ہوئی جس کی شادی امیر علی ساکن گھڑتل سے ہوئی۔ جناب محمد بخش صاحب نے علیحدہ مکان تعمیر کرایا جو مسجد شیخ شہاب الدینؒ کے سامنے ہے۔اور آجکل اس میں فاطمہ بی بی بنت احمد دین رہتی ہے۔ جناب محمد بخش نے زندگی کا زیادہ وقت ایک گاؤں کالا کپور والی میں گذرا تھا۔ یہ چھوٹا سا گاؤں سمبڑیال سے چند میل کے فاصلہ شمال مشرق کی طرف واقع ہے۔ وہاں آپ ایک مسجد میں دینی خدمات دیتے رہے۔آپ ایک متقی بزرگ تھے ارد گرد و نواح کے لوگ آپکے روحانی فیض سے مستفید ہوتے رہے۔ وہاں کے ساکنان کا خیال ہے کہ جناب محمد بخش کی روحانی برکت سے سانپ کے کاٹنے سے نہیں مرتا۔آپ نے فوت ہونے سے پہلے خواہش ظاہر کی کہ آپ کو حضرت زین العابدینؒ کے مزار کے اندر دفن کیا جائے۔ چنانچہ آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو روضہ کے مغربی جانب پہلو میں دفن کیا گیا۔

بزرگوں سے سنا کہ آپ کا قد بڑا تھا جس چارپائی پر آپ کی میت رکھی ہوئی تھی وہ کافی بڑی تھی لیکن زین العابدینؒ کے مزار کا دروازہ بہت چھوٹا تھا۔ لیکن خدا کی قدرت سے چارپائی بمع میت چھوٹے دروازہ سے گذر گئی۔ لیکن دفن کرنے کے بعد چارپائی دروازہ سے نہ گذر سکی۔ خانقاہ کے اندر آپکی قبر بھی مٹ چکی ہے جو مزار کے فرش کے نیچے آ گئی ہے۔

یہ کوئی انہونی بات نہیں اللہ کے بندوں پر اللہ کا کرم کچھ عجیب رنگ سے ہی ہوتا ہے۔ یہاں مجھے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی تدفین کا منظر یاد آگیا۔ اللہ اللہ وہ واقعہ کچھ یوں ہے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق ہی رکھا گیا اور یہ واقعہ سچا ہے، اس کا ذکر درج ذیل کتب میں موجود ہے:

السیرۃ الحلبیۃ، 3:493

الخصائص الکبریٰ، للسیوطی، 2:492

تاریخ دمشق الکبیر، ابن عساکر، 30:436

مندرجہ بالا کتب میں واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے مجھے اپنے سرہانے بٹھایا اور فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ جب میں فوت ہو جاؤں تو

مجھے اس ہاتھ سے غسل دینا جس ہاتھ سے تم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا تھا، اور مجھے خوشبو لگانا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اقدس کے پاس پہنچا کر تدفین کے لیے اجازت طلب کرنا، اگر دیکھو کہ دروازہ کھول دیا گیا ہے تو مجھے وہاں دفن کر دینا، ورنہ واپس لا کر عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا، تاوقت کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کو غسل اور کفن دیا گیا اور میں نے سب سے پہلے روضہ رسول کے دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر آپ سے داخلے کی اجازت مانگ رہے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ روضہ اقدس کا دروازہ کھول دیا گیا اور آواز آئی حبیب کو اس کے حبیب کے ہاں داخل کر دو، بے شک حبیب ملاقاتِ حبیب کے لیے مشتاق ہے۔

یہ واقعہ سند ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے۔

نوٹ؛ پہلے دروازہ 2 فٹ اور اونچا اڑھائی فٹ کا ہوگا لیکن اب نئی عمارت میں دروازہ بڑا کر دیا گیا ہے۔

شجرہ محمد بخشؒ
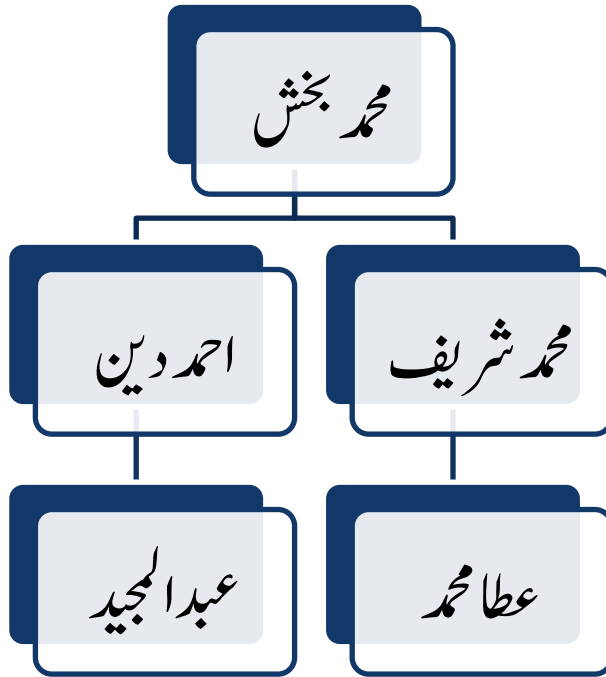
حافظ عطا محمد صاحب نابینا تھے لیکن بچپن میں ہی اپنی خالہ کے گھر پروان چڑھے والدین بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔ان کی خالہ کالا شاہ کاکو شریف کی مشہور گدی غالباً سرور صاحب تھے۔ان کے گھر تھیں۔حافظ صاحب اگرچہ نابینا تھے پر اپنی روزی روٹی محنت مزدوری سے کمایا کرتے تھے۔دریا اور نہروں گہرے پانیوں سے مچھلی پکڑ کر فروخت کیا کرتے تھے۔ہم نے بھی کئی دفعہ ان سے خریدی تھی اور انکی خدمت امی جان ضرور کر دیا کرتی تھیں۔وہ سمبڑیال میں میاں محمد فاضل صاحب کے گھر محلّہ کمہاراں میں رہتے تھے۔جب آپ کا انتقال ہوا تو وڈا باغ سمبڑیال میں ان کی قبر بنائی گئی تھے۔سرفراز صاحب جو کہ الائیڈ بنک کے مینجر تھے ان کا پورا خاندان ان کا رشتہ دار تھا۔والدہ کی طرف سے۔

باقی جناب محمد بخشؒ کے خاندان کا علم نہیں کدھر ہے؟

عبد اللہؒ

جناب نور الحقؒ کے تیسرے بیٹے تھے۔بزرگوں سے سنا ہے کہ آپ بارعب و جیع آدمی تھے۔آپ موضع کڑیانوالی ضلع گجرات میں قانون گو تھے تقریباً ساری زندگی گجرات ہی میں رہے۔ گجرات میں دو مکان بنائے اور ایک مکان سمبڑیال میں بنوایا۔جو انکے چھوٹے بھائی حافظ نور احمدؒ کی زیر نگرانی مکمل ہوا۔یہ چچا محمد نواز صاحب کے دادا ہیں۔چچا محمد نواز صاحب اپنے وقت میں سائنس ٹیچر تھے۔اور اس وقت آپ نے بی ایس سی بی ایڈ کیا ہوا تھا۔راقم نے انکے ساتھ کچھ وقت گذارا ہے۔ان کے ایک صاحبزادے آئی جی جیل خانہ جات تھے۔ان کا نام حفیظ احمد تھا دوسرے بیٹے اعجاز احمد صاحب انجینئر ہیں اور اپنی ساری فیملی کے ساتھ امریکہ میں ہیں۔جبکہ تیسرے بیٹے افتخار احمد ایڈوکیٹ ہیں سمبڑیال میں کریسنٹ سکول کے مالک ہیں۔

انہوں نے سمبڑیال میں 1880ء میں 22 ایکڑ زمین بھی خریدی۔آپ نے حالات کے مطابق تین شادیاں کیں اور 1882ء میں وفات پا گئے۔آپکی بیٹیاں بھی تھیں ان کے نام زینب اور فاطمہ تھے۔پر آسائش زندگی گذاری

شجرہ عبداللہ
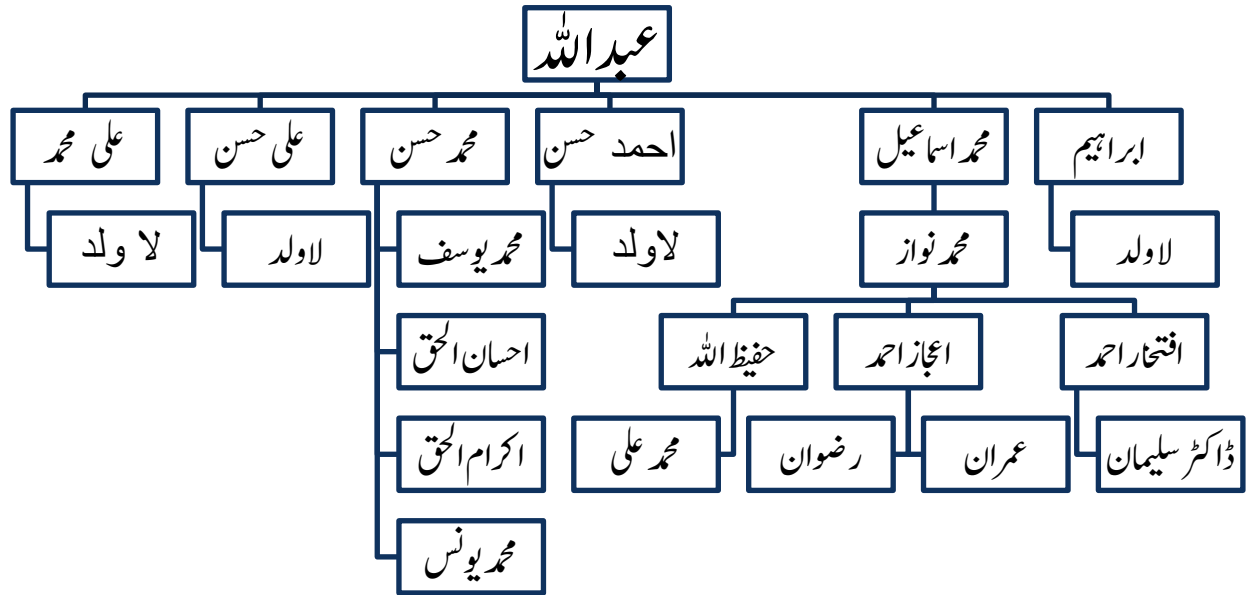
حافظ نور احمد صاحب

جناب نور الحق صاحبؒ کے چوتھے بیٹے تھے۔آپ قرآن کریم کے حافظ تھے۔ محکمہ مال میں پٹواری تھے۔انکے دولڑکے عبدالحکیم اور محمد سعید تھے۔ عبدالحکیم بھی پٹواری تھے۔ عبدالحکیم صاحب کے بھی تین بیٹے تھے۔غلام قادر، مقبول احمد اور محمد شفیع۔ مقبول احمد بقید حیات ہیں۔ محمد شفیع اور غلام قادر فوت ہو چکے ہیں۔ حافظ صاحب کے چھوٹے لڑکے محمد سعید تھے۔ محمد سعید محکمہ تعلیم میں ملازم تھے ۔انہوں نے کتاب یوسف نامہ لکھا تھا۔اسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک ! سنا ہے کہ بعد میں انکے نظریات درست ہوگئے تھے۔اس کی قبر زین العابدینؒ کے مزار کے مشرقی جانب ہے۔اس کا لڑکا محمد اقبال ماڈل ٹاؤن لاہور میں رہتا ہے۔اسکی اولاد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔لڑکوں میں اکثر ڈاکٹر ہیں۔

شجرہ نور احمد پٹواری
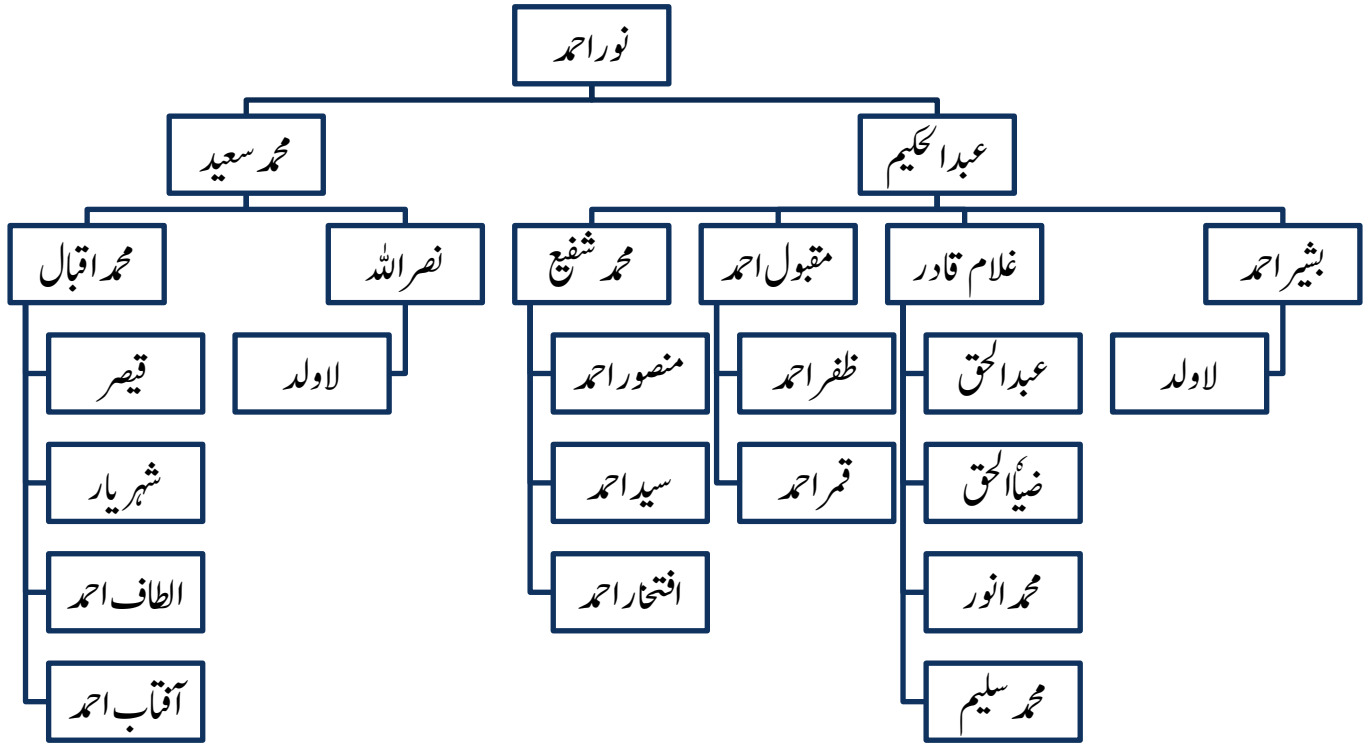
سنا ہے کہ شہریار صاحب نے ایک کینسر ہسپتال بنایا ہے جہاں فری علاج کی سہولت دی جاتی ہے۔ یہ رائیونڈ میں ہے۔ بہت بڑا ہسپتال ہے۔ بہترین انسانی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔

جناب محمد علیؒ

جناب الٰہی بخش صاحب کے دوسرے بیٹے ہیں۔ اور جناب غلام نبی صاحب کے بھائی ہیں سنا ہے کہ آپ لائل پور موجودہ فیصل آباد میں گوجرہ کے نزدیک چک نمبر 415 چندرکے میں مقیم ہوگئے تھے۔آپ نہایت دیندار اور پابند شریعت تھے۔ ہمارے بہن بھائیوں سے شاید ہی کسی نے زیارت کی ہو۔ان کی قبر چندرکے کے قبرستان میں کچی رہی ہے۔نور احمد ہاشمی صاحب فرماتے ہیں کہ بچپن میں بندہ نے اپنی دادی صاحبہ اور دادا جان کی قبریں دیکھی تھیں جو کہ کچی تھیں۔آپ چندرکے میں دینی تعلیم دیتے تھے۔ان کی اولاد پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔انکے نام درج ذیل ہیں۔احمد دین، غلام رسول، محبوب عالم، الٰہی بخش، غلام قادر اور بیٹیاں زینب بی بی، رابعہ بی بی اور حسین بی بی

ان مین سے ایک لڑکی کی شادی جناب علی اکبرؒ کھنڈی والی سرکار سے ہوئی تھی جن کا نام زینب بی بی تھا۔ان کی صرف ایک لڑکی بقید حیات رہی جن کا نام کلثوم بی بی تھا جن کی شادی جناب عنائت اللہ صاحب سے ہوئی۔

حسین بی بی کی شادی جناب محمد اعظمؒ صاحب سے ہوئی جن سے حکیم ضیاًالحق، مقبول بی بی اور صفیہ بی بی تھے۔ایک بیٹا جوانی میں انتقال کرگیا تھا جن کا نام رُیاض تھا۔

شجرہ محمد علیؒ

احمد دینؒ

احمد دین

غلام محی الدین

غلام یٰسین

محمد سرور

محمد ارشد

محمد انور

محمد مدثر سعدی

محمد اویس مصطفیٰ

محمد جواد مرتضیٰ

محمد حسن

محمد ہارون

نور محمد

محمد نجم مصطفیٰ

محمد عبداللہ مجتبیٰ
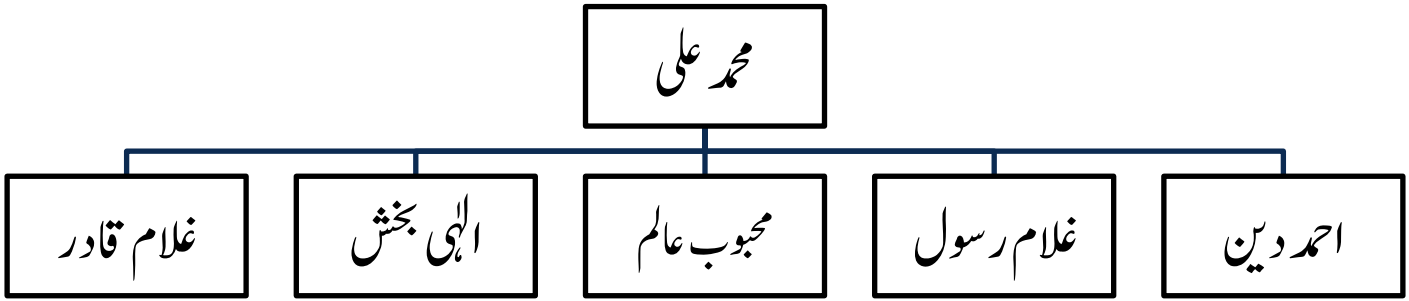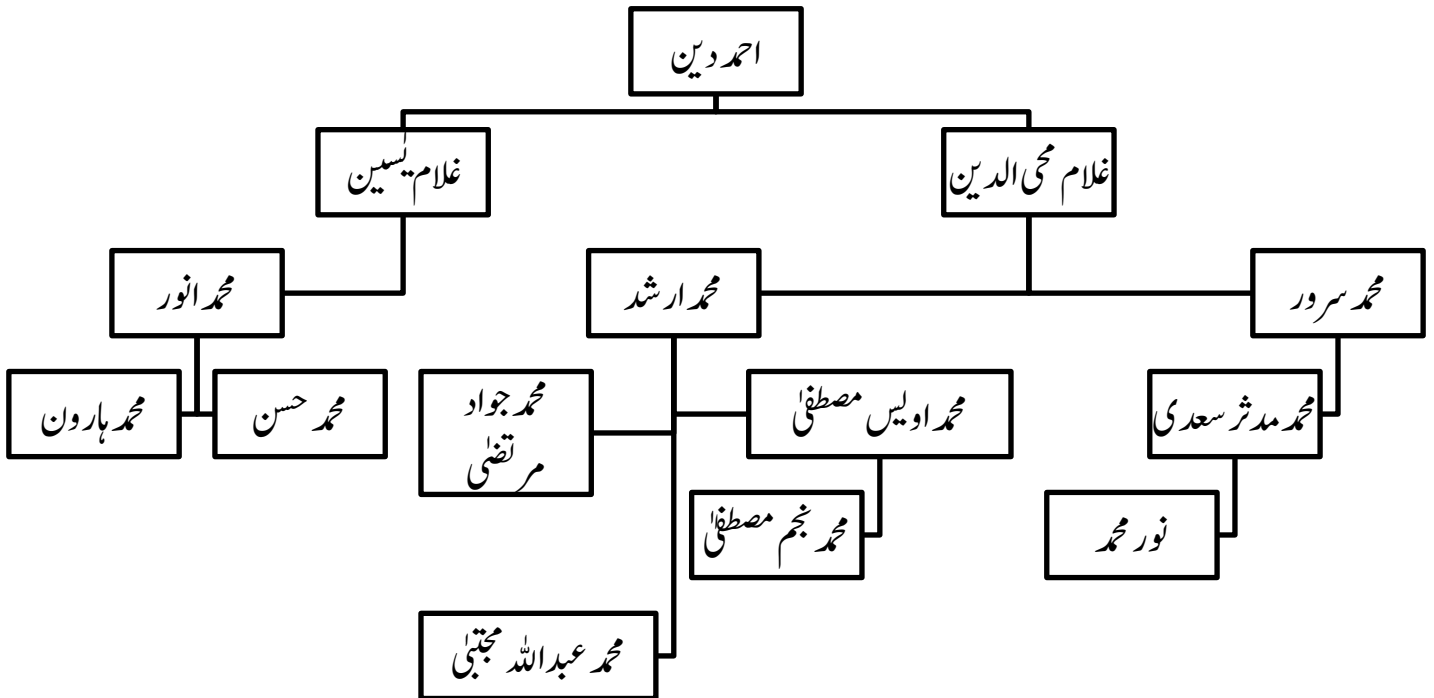
جناب احمد دینؒ ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔علاقہ میں آپ کی ایک خاص شناخت تھی۔ معززین علاقہ میں شمار ہوتے تھے۔آپ کی دینی خدمات انتہائی قابل قدر تھیں۔ موضع 18 جی ڈی ضلع اوکاڑہ میں آپ نے سکونت اختیار کرلی تھی۔ یہ علاقہ سیالکوٹ سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل تھا۔
آپؒ عبادت گذار تھے۔ دینی تعلیم کے حامل تھے اور طب سے اچھی خاصی شناسائی رکھتے تھے۔آپ کے ہاں دو لڑکے تولد ہوئے۔

غلام محی الدینؒ

ایک کا نام غلام محی الدینؒ صاحب تھا۔ جناب غلام محی الدینؒ جب جوان ہوئے تو انگریز فوج میں شامل ہو گئے تھے اور جنگ عظیم دوئم میں شامل ہوئے پر جب انگریزوں نے انتہائی ظلم و بربریت کا بازار گرم کر دیا تو آپ برما کے محاذ سے فوج سے نکل گئے۔ یہ دور بڑا کسمپرسی سے گذرا۔ جنگلات سے گذرے انتہائی مشکل دور سے گذرے۔اس کے بعد سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی پارٹی مجلس احرار میں شامل ہو گئے۔ نظریات میں فرق توپڑا ہوگا۔ لیکن بعد ازاں قبلہ سیدی و مرشدی فقیر نور محمد صاحبؒ کی خدمت میں پیش ہو گئے اور ان کے دست حق پر بیعت ہوئے۔ قبلہ حضرت صاحب کی آپ پر بڑی شفقت رہی۔ انکے دو بیٹے ہیں ایک محمد سرور جس کی شادی حاجی غلام یٰسین صاحب کی بیٹی منور بی بی سے ہوئی، جس سے ایک بیٹا محمد مدثر سعدی ہے۔
دوسرے بیٹے کا نام محمد ارشد ہے انکے تین بیٹے ہیں محمد اویس مصطفیٰ، محمد جواد مرتضیٰ اور تیسرے بیٹے کا نام محمد عبداللہ مجتبیٰ ہے۔
جناب غلام محی الدینؒ کے چھ بیٹیاں بھی ہوئیں انکے نام۔ سلمہ بی بی، رشیدہ بی بی، تسنیم بی بی، ساجدہ بی بی، خوشنودہ بی بی، محمودہ بی بی اور رشدہ بی بی بی
جن کی شادیاں سلمہ بی بی کی محمد اسلم، رشیدہ بی بی کی فیض حضور، تسنیم بی بی کی محمد ریاض، ساجدہ بی بی کی اور خوشنودہ بی بی کی شادی پروفیسر ڈاکٹر محمد خالد صاحب سے ہوئی جو کہ جناب محترم عنائت اللہ صاحب کے بیٹے ہیں۔
محمودہ بی بی کی محمد انور اور رشدہ بی بی کی محمد سلیم سے ہوئی۔

حاجی غلام یٰسینؒ

حاجی صاحبؒ نے ایک سے زائد حج کئے تھے۔ بہت متانت و وقار والی شخصیت تھی۔ انتہائی نیک اور بر گزیدہ بزرگ تھے۔
شب زندہ دار تھے رات اڑھائی بجے اٹھ جاتے تھے نماز تہجد با قائدگی سے ادا کرے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ اور اسے معانی کے ساتھ پڑھتے۔ آپ اویسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک بہترین طبیب اور حکیم تھے گورنمنٹ کے رجسٹرڈ پریکٹیشنر تھے۔
آپ کی حکمت کا شہرہ ارد گرد کے دیہاتوں تک پھیلا ہوا تھا۔ دور دور سے لوگ علاج کے لئے آپ کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے کہ حاجی کے ہاتھ میں قدرت نے شفار کھی ہے۔ گاؤں 18 جی ڈی ضلع اوکاڑا میں ایک مقدر شخصیت تھے۔ اکثر جھگڑوں میں منصفی کا کردار آپ کے ہاتھوں سرانجام پاتا۔ آپ کی زندگی تک گاؤں میں ایک ہی مسجد تھی۔ بہت بڑی مسجد تھی۔ اس میں آپ ہی خطیب اور امام تھے۔ اگرچہ گاؤں والوں نے مسجد کی دیکھ بھال کے لئے ایک بزرگ باباجی جمعہ رکھے ہوئے تھے اس کے علاوہ حافظ عبدالرشید صاحب بھی تھے جو بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ لیکن لوگ آپ کے گاؤں میں رہنے تک آپ کی اقتدا میں ہی نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔
آپ صاحب ثروت تھے کافی بڑی جائیداد کے حامل تھے۔ ککری والا میں ایک اچھا خاصہ باغ تھا۔ گاؤں میں بھی زمین تھی اس کے علاوہ اوکاڑا شہر میں فیصل آباد روڈ پر بسم اللہ پٹرول پمپ کے سامنے کافی دکانیں مین روڈ پر تھیں۔
آپ مستجاب الدعوات تھے۔ بہت دھیمے لہجے میں گفتگو کرتے تھے۔ اور طبیعت کے انتہائی نرم مزاج تھے۔ گاؤں میں کئی لوگوں کا کھانا آپ کے گھر سے جاتا تھا۔ آپ کی دو شادیاں ہوئیں تھیں۔ پہلی زوجہ نور بی بی تھیں جو پورے گاؤں کی قرآن پاک اور دینی تعلیم کی استاد تھیں۔ جو محبوب عالمؒ کی بیٹی تھیں۔ کافی عرصہ تک ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو پھر آپ نے دوسری شادی کی جو غلام رسولؒ کی بیٹی تھیں جن کا نام بلقیس بی بیؒ تھا۔ ان سے منور بی بی، تنویر بی بی، مریم بی بی اور راشدہ بی بی تھیں۔ اسی دوران نور بی بیؒ سے بھی ایک بیٹی عصمت بی بی ہوئی اور بعد ازاں ایک بیٹا محمد انور ہوا۔

غلام رسولؒ

محمد علیؒ کے دوسرے بیٹے کا نام غلام رسولؒ صاحب تھا۔ جناب غلام رسولؒ ایک نہائت نیک اور دین دار آدمی تھے۔ آپ نے دینی تعلیم گوجرہ کے نزدیک چک 417 سیووال میں حاصل کی۔ آپ نے گرانمایہ زندگی گذاری۔ آپ حکیم بھی تھے۔ آپ حکمت کا کام چل پھر کر کرتے تھے اور اعلیٰ طبیب تھے۔ ان کی اولاد چھ لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔

لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ ثنأاللہ، عنائت اللہ، حبیب اللہ، محمد نواز، محمد اسحٰق، محمد الیاس صاحبان۔ اور لڑکیوں کے نام انور بی بی، اقبال بی بی، بشیراں بی بی، بلقیس بی بی۔ غلام رسولؒ کی بیوی کا نام سکینہ بی بی تھا۔ یہ بھی نہایت پارسا تھیں۔ ساری عمر دینی تعلیم دینے میں صرف کردی۔ ان کی قبر سیووال چک 417 ج۔ب کے قبرستان میں موجود ہے۔ جناب حکیم غلام رسول ساحب کے بڑے
صاحبزادے جن کا نام حکیم ثنأاللہ تھا وہ پٹواری نہر تھے۔ انہوں نے پٹوار کا علم بہاولنگر میں سیکھا تھا۔ عمر کا کافی حصہ پٹوار میں گذارا پھر آپ گوجرہ آگئے کچھ وقت گوجرہ میں آکر باقی وقت میاں چنوں کے گردونواح میں گذارا۔ آخر میں پٹوار انہوں نے چھوڑ کر حکمت کی دکان بنالی جو کہ بوریوالہ روڈ پر واقع تھی۔ بعد ازاں ان کے صاحبزادے محمد اسلم صاحب چلاتے رہے۔ انکا کاروبار اچھا تھا اس لئے انہوں نے کچھ زمین بھی خرید لی۔

غلام رسولؒ کے دوسرے بیٹے عنائت اللہ صاحب تھے۔ جو کہ ڈسپنسر اور حکیم بھی تھے۔ عالم بھی تھے خوب وضع قطع کے بزرگ تھے وجیہ تھے لمبا قد سر پر پگڑی۔ گاؤں کی مسجد کے خطیب وامام تھے۔ گاؤں کے مقتدر شخصیت تھی۔ پنچائت میں آپ کی بات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ انہوں نے اپنی دینی تعلیم اپنے چچا جناب غلام قادرؒ سے حاصل کی۔ کچھ وقت سیوال اور کچھ وقت چک 350 لاہوریانوالہ میں گذارا۔ چک 354 قادر آباد کے لوگ آپ کے پاس آئے اور انہیں چک 354 قادر آباد آنے کی دعوت دی۔ قادر آباد کے لوگ کافی خوشحال تھے۔ آپ واعظ بھی اچھے تھے اور زیرک بھی لوگوں میں مقبول ہوئے۔ کاروبار اچھا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین بھی دے دی۔ انکی ملکیت میں ایک بہت اچھا کنو کا باغ ہے۔ ان کے گھر جناب علی اکبرؒ کی صاحبزادی کلثوم بی بی تھی۔

شجرہ غلام رسولؒ
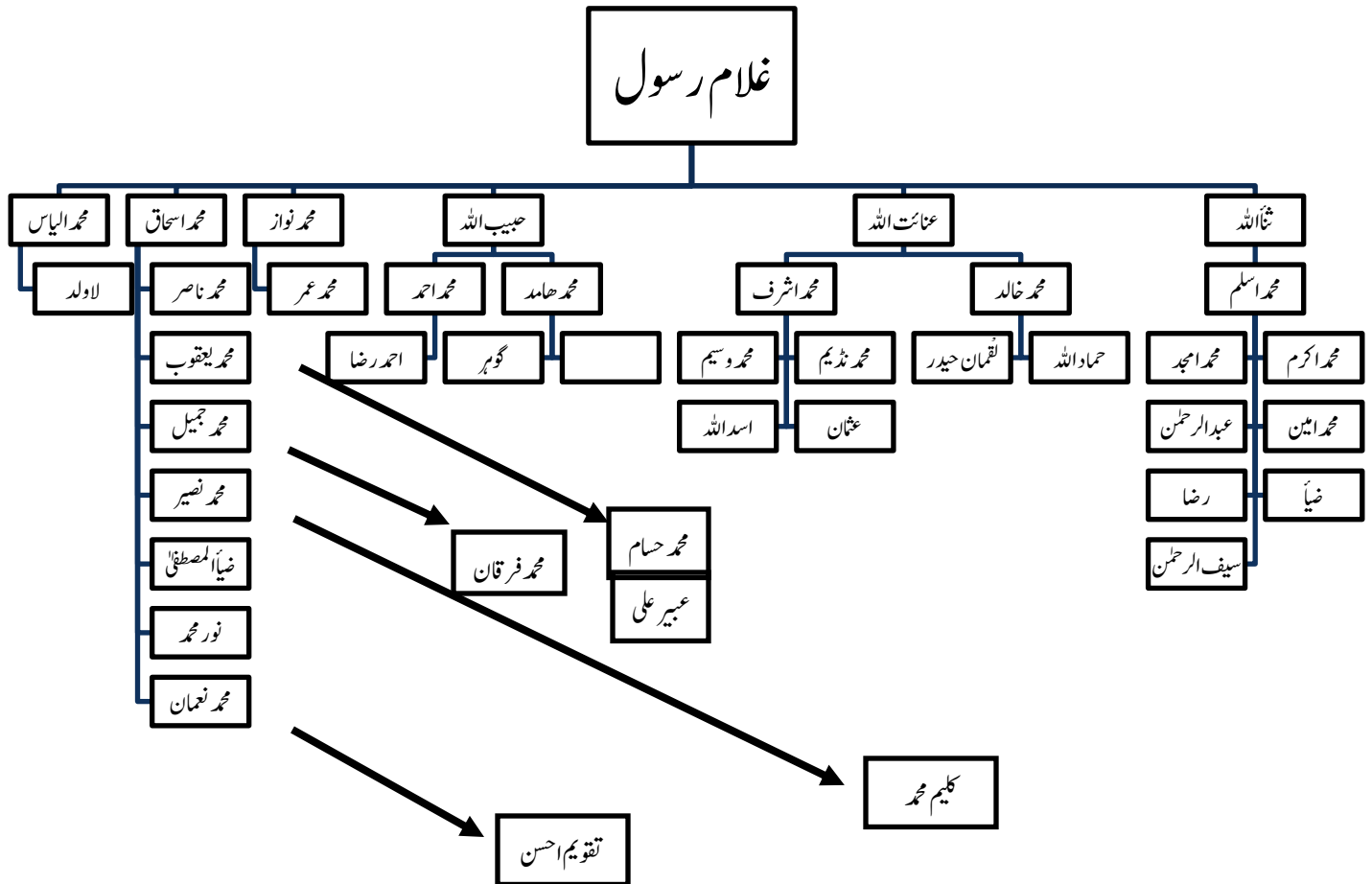
محبوب عالمؒ

جناب محمد علیؒ کے تیسرے صاحب زادے محبوب عالم صاحب تھے۔آپ نے کچھ دینی تعلیم حاصل کی بعد میں ترک کر دی ایک استاد کے پاس دینی تعلیم کے واسطے تشریف لے گئے جو کہ بہت ہی جید عالم تھے۔جب انہوں نے گلستان اور بوستان پڑھانی شروع کی تو ولد بزرگوارم نے فرمایا کہ مجھ سے یہ گردانیں یاد نہیں ہوتیں۔مجھے ایسا سبق پڑھائیں جو سیدھا منزل تک پہنچائے۔کیونکہ بندہ تو حلال روزی کما کر اپنے بیوی بچوں کو کھلائے گا۔استاد حیران و ششدر۔چنانچہ قبلہ والد محترم نے تعلیم ترک کر دی اور زمینداری کا کام سنبھال لیا۔آپ نے ساری زندگی اسی شغف میں گذاری۔جانوروں کی دیکھ بھال انہیں پسند تھی کہ کبھی بھی جانوروں کو باسی چارہ نہیں ڈالا۔

آپ باطنی طور پر اویسی سلسلہ میں بیعت سے مشرف تھے۔ساری زندگی نہایت صبر و تحمل سے گذاری اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔آپ فرماتے تھے کہ وقت ایک جیسا نہیں رہتا وقت بدلتا رہتا ہے۔اکثر فرماتے کہ میری باتیں عدن کے گوہر نایاب ہیں۔ اکثر خاموش رہتے تھے۔آپ فرماتے علم اتنا ہی اچھا ہوتا ہے جس پر عمل ہو۔عمل کے بغیر علم کسی کام کا نہیں۔اپنے بھائیوں میں اور لوگوں میں بہت ہی مقبول تھے۔استاد صاحب نے فرمایا تھا کہ تم محبوب عالم ہو۔اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب کرے گا۔

آپ نے کبھی کسی بھائی کی بات کو رد نہیں چھوٹے بڑوں سب سے نہایت ادب سے پیش آتے تھے۔آپ نے ساری زندگی تہجد کی نماز فوت نہیں ہونے دی۔روزے خواہ کتنی گرمی کے ہوں آپ نے کبھی قضا نہ ہونے دیے۔آپ نے اپنی زندگی نہایت سادگی میں بسر کی۔آپ نے چند سال اپنے بھائیوں کے ہمراہ گذارے بعد میں بھائی کے کہنے کے مطابق بہاولپور میں چک 97 نہر فتح میں گذارا۔ لیکن ایک دفعہ آپ کو پیشاب کی اشد تکلیف ہو گئی جو کہ اپریشن تک نوبت پہنچ گئی اور مجبوراً ملتان میں اپریشن کروانا پڑا۔اللہ کریم نے پورے چار ماہ کے بعد صحت دی۔آپ نے اسی حالت میں فرمایا تھا۔نور احمد زمین کو فروخت کر دے اور اپنے بھائیوں کے نزدیک رہو۔دکھ سکھ میں بھائی ہی ساتھ دیتے ہیں۔والد بزرگوارم کی تیمارداری میں عزیز برادر محمد اسحاقؒ نے پورا ساتھ دیا۔آپ محمد اسحاق سے بہت خوش تھے۔آپکی زندگی میں بندہ جب بھی حضرت سلطان العارفینؒ حضرت سلطان باہوؒ کے مزار پر حاضری دینے جاتا تو آپ فرماتے بھئی تم کو سلطان صاحب بلا لیتے ہیں مجھے نہیں بلاتے۔درحقیقت وہاں بھیجنے میں ان کا اپنا مدعا ہوتا تھا۔

چونکہ بندہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کیسے راز و نیاز ہیں؟ان کی زندگی میں بندہ جتنی دفعہ بھی حضرت سلطان صاحبؒ کی خدمت میں گیا کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں آیا۔

ہر دفعہ نئے نئے انکشافات دیکھے آپ میرے وہاں جانے کی خاص اجازت طلب فرماتے تھے۔

جس دن آپ کا وصال ہوا اسے سے ایک دو روز قبل بندہ نے دیکھا کہ آپ بغداد شریف والی طرف سے پرواز کرتے تشریف لائے۔ صبح پوچھ لیا کہ آپ رات کو کہاں تشریف لے گئے تھے آپ نے بات ٹال دی اور کہا کہ میں یہاں ہی رہا ہوں۔ اسی طرح وفات سے پہلے رات آپ نے سابقہ زندگی کے خلاف عبادت میں گذاری جب صبح صادق کا وقت ہوا تو آپ چار پائی پر لیٹ گئے کہ دوسروں کو علم نہ ہو۔ آپ بلکل تندرست تھے صرف پانچ روز پہلے اپنے بڑے بھائی جناب حاجی احمد دینؒ سے مل کر گئے تھے پھر دوبارہ ملنے کے متعلق کہہ آئے تھے کہ ان شاأللہ جلدی بھائی صاحب ملاقات ہو گی۔

آپ کی وفات کی رات بندہ نے جناب سیدنا خضر علیہ السلام کی زیارت کیا شرف حاصل کیا، آپ نے نصیت فرمائی اور کہا کہ ہر ایک نے اس دار فانی سے چلے جانا لہٰذا صبر کرنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت دنیا سے اٹھائی جا رہی ہے۔

خواب کے بارے شرعی نوعیت کو سمجھتے ہیں۔

خواب کی شرعی حیثیت:

یہ بات ذہن نشین کرلی جائے کامطلقاً خواب کا انکار کر دینا کہ سرے سے خواب یا رویائے صالحہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا یا یہ گمان کرنا کہ خواب محض جھوٹ اور من گھڑت ہے، ایسا رویہ جہالت اور لا علمی ہے، کیونکہ خواب کے وجود اور تصور کا صراحتاً انکار کر دینا کفر ہے۔ اس لئے کہ خواب کا وجود قرآن کریم سے ثابت ہے اور خود سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَO لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَياةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ.

یونس، 10: 63، 64

(وہ) ایسے لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (ہمیشہ) تقویٰ شعار رہےO ان کے لئے دنیا کی زندگی میں (بھی عزت و مقبولیت کی) بشارت ہے اور آخرت میں (بھی مغفرت و شفاعت کی/ یا دنیا میں بھی نیک خوابوں کی صورت میں پاکیزہ روحانی مشاہدات ہیں اور آخرت میں بھی حُسنِ مطلق کے جلوے اور دیدار)۔

قرآن مجید کی تمام تفاسیر میں ہے کہ بشارت سے مراد وہ نیک خواب ہیں جو اللہ رب العزت ایمان والوں کو عطا کرتا ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ طبری سے لے کر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تک تمام مفسرین نے پوری تصریحات کے ساتھ اس امر کی تائید کی ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں، امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تفسیر طبری میں، قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی تفسیر مظہری میں، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں اور تمام آئمہ تفسیر نے صراحت کے ساتھ یہ بات درج کی ہے کہ اس قرآنی آیت کے تحت درج ''بشریٰ'' سے مراد وہ نیک خواب ہیں جو ایمان والے دیکھتے ہیں۔ سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ.

یوسف، 12:6

اسی طرح تمہارا رب تمہیں (بزرگی کے لئے) منتخب فرمالے گا اور تمہیں باتوں کے انجام تک پہنچنا (یعنی خوابوں کی تعبیر کا علم) سکھائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہت سے کمالات اور معجزات عطا فرمائے، ان میں خوابوں کی تعبیر کا علم اور فن بطور خاص عطا فرمایا۔ اس کا ذکر سورہ یوسف میں مذکور ہے۔ مثلاً بادشاہ مصر اور قیدیوں کے خواب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بیان ہوئے۔ آپ نے ان کی تعبیر بیان فرمائی اور اس تعبیر کے مطابق آئندہ واقعات رونما ہوئے۔ قرآن مجید دوٹوک انداز میں خوابوں کے وجود کی صداقت کا بیان کر رہا ہے کہ تعبیر کا فن اللہ پاک نے اپنے نبی کو عطا کیا۔ خواب کے وجود کا انکار کہ یہ محض وہم ہے، یہ من گھڑت چیز ہے، یہ باطل ہے اور رویائے صالحہ کا کوئی وجود نہیں، خود قرآن مجید کی آیت کا انکار ہے۔ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے تعبیر الرویا کے باب میں ایک حدیث پاک نقل کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من لم يومن بالرويا الصالحه لم يومن باالله ولا باليوم الآخرة.

نابلسی، تعطیر الانام فی تعبیر المنام: 3

جو شخص نیک خوابوں پر ایمان نہیں رکھتا وہ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ جو دنیائے اہل سنت کے امام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقائد میں درج کیا ہے کہ خواب کا مطلقاً انکار کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

حدیث نبوی میں رویا صالحہ کا ذکر صراحتاً موجود ہے، بلکہ حدیث مبارکہ کی کتابوں میں خوابوں کے حوالے سے عنوانات، ابواب اور فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم جن کا دنیا میں کسی مسلک کا کوئی عالم انکار نہیں کر سکتا ان میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لم يبق من النبوة الا المبشرات

بخاری، الصحیح، کتاب التعبیر، باب المبشرات، 6:2564، رقم: 6589

اب نبوت باقی نہیں رہی (ہاں اس کا فیض) مبشرات کی صورت میں باقی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا "وماالمبشرات ؟" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبشرات سے کیا مراد ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "الرویاالصالحہ" (مبشرات سے مراد نیک خواب ہیں)۔ گویا اب قیامت تک کوئی نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا جو کرے گا وہ کافر و مرتد ہو گا۔ نبوت فیضان مبشرات کی صورت میں قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

دوسرے مقام پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی قال فشق ذلك على الناس فقال لكن المبشرات.

ترمذی، السنن، کتاب الرؤیا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ذہبت النبوۃ وبقیت المبشرات، 4: 533، رقم: 2272

میرے بعد نبوت ورسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، اب کوئی رسول آسکتا ہے نہ کوئی نبی لیکن میرے بعد مبشرات اور بشارتیں ہوں گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ مبشرات کیا ہیں؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ نیک خواب جو اہل ایمان کو آتے ہیں۔"

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایها الناس لم یبق من مبشرات النبوة الا الرویا الصالحه یراها المسلم او تری له.

ابن ماجہ، السنن، کتاب تعبیر الرویا، باب الرویا الصالحہ یراہا المسلم اوتری لہ، 3: 1283، رقم: 3899

اے لوگو! مبشرات نبوت میں ماسوائے نیک خوابوں کے جو کسی مومن کو دکھائی دیتے ہیں کچھ بھی باقی نہیں رہا، گویا اب نبوت من کل الوجود ختم کر دی گئی ہے۔ نبوت کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں لیکن ایک چیز جو اللہ نے میری امت کے لیے بطور نعمت باقی رکھی ہے وہ اہل ایمان کو دکھائے جانے والے نیک خواب و مبشرات ہیں۔

صحیح بخاری میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الرویا الصالحه من الله

بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ ابلیس وجنودہ، 2: 1198، رقم: 3118

نیک خواب اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نیک خواب و مبشرات کو مسلمانوں کی ہدایت کا ایک ذریعہ وسبب بنایا ہے، اللہ رب العزت نے اپنے نیک و مقرب بندوں پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتیوں کی ہدایت کے لیے خوابوں اور بشارات کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ پہلے ہدایت انبیاء پر وحی کی صورت میں فرشتے لاتے تھے، اللہ کا وہ کلام کامل واکمل اور قطعی و حتمی ہدایت ہوتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق

اب خوابوں اور بشارات کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رحمۃاللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اصدق الرویا بالاسحار

ترمذی، السنن، کتاب الرویا عن رسول اللہ، باب قولہ لھم البشری فی الحیاۃ الدنیا، 4 : 534، رقم : 2274

وہ خواب جو سحری کے وقت رات کے پچھلے پہر آتے ہیں وہ دیگر خوابوں کے مقابلے میں زیادہ سچے ہوتے ہیں۔
صحیح مسلم میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

فان رای رویا حسنۃ فلیبشر

مسلم، الصحیح، کتاب الرویا، : 1772، رقم : 2261

جو کوئی اچھا، نیک خواب دیکھے تو اس پر خوش ہو۔
سنن ابن ماجہ میں تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
تم میں سے کوئی اگر اچھا اور پسندیدہ خواب دیکھے تو جس سے مناسب سمجھے بیان کرے۔ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی برا خواب دیکھے وہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔
سنن ابی داؤد میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثم لیتعوذ من شرہ

ابو داود، السنن، کتاب الادب، باب ماجاء فی الرویا، 4 : 305، رقم : 5021

(جو کوئی برا خواب دیکھے) تو اس کے شر سے اللہ کے حضور پناہ مانگے۔
سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خواب دیکھتا ہوں تو ڈر جاتا ہوں، کیا کروں؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کچھ کلمات بتائے کہ اگر برا خواب دیکھو اور ڈرو تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو، اللہ پاک اس کے شر اور خوف سے تمہیں پناہ دے گا۔
اگر خواب کا کوئی وجود نہ ہوتا اور اس کے اچھے برے اثرات مرتب نہ ہوتے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برے خواب کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین نہ فرماتے۔
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب کے آداب بیان کیے اور خواب کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

الرویا ثلاث فالرویا الحسنۃ بشری من اللہ عزوجل والرویا یحدث بھا الرجل نفسہ والرویا تحزین من الشیطن.

حاکم، المستدرک، 4 : 422، رقم : 8174

خواب تین طرح کے ہوتے ہیں، سچا و نیک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتا ہے، دوسری قسم آدمی اپنے نفس سے ہی گفتگو کرے، تیسری قسم شیطان کی طرف سے ڈرانا ہے۔

غرض یہ کہ نیک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے لیے خوشخبری اور بشارت ہوتا ہے،.برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، تیسرا تحدیث النفس، منتشر الخیالی جیسے آپ نے دیکھا کہ اچانک آپ عورت بن گئے یک لخت دیکھا کہ سر کٹ گیا ہے تھوڑی دیر کے بعد آپ شیر بن گئے ہیں، پھر دیکھا کہ پانی میں گر گئے ہیں ہوا میں اڑ رہے ہیں، اس قسم کے اوٹ پٹانگ خوابوں کو منتشر الخیالی کہتے ہیں، ان کی کوئی تاویل و تعبیر نہیں ہوتی۔

قرآن مجید کے علاوہ صحیح بخاری و مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل، موطا امام مالک اور احادیث کی دیگر کتب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے خواب بیان کیے گئے ہیں، خوابوں اور بشارتوں کے حوالے سے کتب احادیث میں ابواب و فصول قائم ہیں مثلاً کتاب الرویا، الرؤیا الحسنہ۔

امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری، علامہ انور شاہ کاشمیری کی فیض الباری، مولانا ادریس کاندھلوی کی التعلیق الصبیح میں خوابوں اور بشارات کے حوالے سے ان گنت تفصیلات موجود ہیں، امام کرمانی رحمۃ اللہ علیہ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھیں، ہر ایک کے ہاں اس باب میں قاری کو بہت کچھ ملے گا۔ اس حوالے سے ارباب عقل و دانش نے ستر ستر اسی اسی اور سو سو صفحات پر مشتمل ابواب اپنی کتب میں قائم کیے ہیں۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔ (مفتی عبدالقیوم ہزاروی)

اللہ کریم نے انہیں ابدال کے عہدے پر فائز فرمایا تھا۔ چونکہ ابدال کو حک ظاہر ہونے کا نہیں ہوتا۔ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو ان کو اللہ کریم اپنے جوار رحمت میں لے لیتا ہے۔

ہو سکتا ہے کسی کے ذہن میں گمان ہو کہ ابدال کون ہوتے ہیں اور انکی شرعی حیثیت کیا ہے لہٰذا اس پر تھوڑی بات کر لیتے ہیں۔

ابدال کی شرعی حیثیت:

امام راغب اصفہانی کے نزدیک ان کو ابدال اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئی ہیں اولیاء اللہ کے دس طبقوں میں سے چالیس (اور بعض کے نزدیک ستر یا سات)، اولیا کا ایک گروہ جن سے ہفت اقلیم کی نگرانی متعلق بتائی ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ جو شکل چاہتے ہیں بدل لیتے ہیں اور جہاں سے سفر کرتے ہیں وہاں ایک شخص اپنے بدلے اپنی صورت کا چھوڑ دیتے ہیں، (مفردات)

ابدال اللہ کے وہ مقرب بندے ہیں، جو ولایت کے اس مقام پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے، کفار اور دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد فرماتا ہے، اور ان کی دعاؤں کی برکت سے عذاب و حوادث کو دور فرماتا ہے، امام ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مرفوعاً نقل فرمائی ہے، اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں تین سو چھپن ابدال پیدا فرماتا ہے، ان میں سے تین سو ابدال، حضرت آدم علیہ السلام کی صفت پر ہوتے ہیں۔ اور چالیس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت پر ہوتے ہیں۔ اور سات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت پر ہوتے ہیں، اور پانچ حضرت جبرئیل امین کی صفت پر ہوتے ہیں، اور تین حضرت میکائیل کی صفت پر ہوتے ہیں، اور ایک حضرت اسرافیل کی صفت پر ہوتا ہے۔ ابدال کے بارے میں اللہ کے یہاں یہ نظام قائم کیا گیا ہے کہ جب اسرافیل کی صفت پر جو ابدال ہیں ان کی وفات ہو جائے تو ان یک جگہ پر میکائیل کی صفت پر جو تین ہیں، ان میں سے ایک کو قائم مقام کر دیتا ہے، اور پھر جبرئیل کی صفت کے پانچ میں سے ایک کو ان کی جگہ کرکے پانچ پورے کر دیتا ہے، اور حضرت ابراہیم کی صفت کے سات میں سے ایک کو ان کی جگہ پر کرکے پانچ پورے کر دیتا ہے، اور پھر حضرت موسی کی صفت کے چالیس میں سے ایک کو ان کی جگہ کرکے سات پورے کر دیتا ہے، اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کی صفت کے تین سو میں سے ایک کو ان کی جگہ کرکے چالیس پورے کر دیتا ہے، اور عامۃ المسلمین میں سے ایک کو ان کی جگہ کرکے تین سو پورے کر دیتا ہے، اسی طرح اگر درمیان میں سے کسی کی وفات ہو جائے، مثلاً چالیس یا سات میں سے کسی کی وفات ہو جائے تو اسی ترتیب سے ان کی جگہ پر کی جاتی ہے، ملک شام میں چالیس ابدال ہمیشہ رہتے ہیں، اسی طرح تین سو چھپن ابدال میں سے خاص خاص تعداد کم و بیش ہر ملک اور ہر صوبے میں رہتے ہیں، انھیں کی برکت سے آفات اور بلاء و مصیبتیں اللہ تعالیٰ لوگوں سے دور کرتا رہتا ہے۔ (مرقات بحوالہ حاشیہ مشکاۃ: ۵۸۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق میں تھے کہ آپ کے پاس اہلِ شام کا ذکر کیا گیا۔ لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ اہلِ شام پر لعنت بھیجیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، میں لعنت نہیں بھیجتا کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

الأَبْدَالُ يَكُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَهُمْ أَرْبَعُوْنَ رَجُلاً، كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ، أَبْدَلَ اللهُ مَكَانَهُ رَجُلًا يُسْقَى بِهِم الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ، وَيُصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِم الْعَذَابُ.

1. أحمد بن حنبل، المسند، 1:112
2. طبرانی، المعجم الكبير، 10:63، رقم: 10390
3. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 14:211

''شام میں (ہمیشہ) چالیس ابدال موجود رہیں گے، ان میں سے جب بھی کوئی مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو ابدال بنادیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اہلِ شام بارش سے سیراب کیے جاتے ہیں، دشمنوں پر ان کو ابدال کے وسیلے سے فتح عطا کی جاتی ہے اور ان کی برکت سے اہلِ شام سے عذاب کو ٹال دیا جاتا ہے۔''

ملا علی قاری ''مرقاۃالمفاتیح شرح مشکوٰۃالمصابیح (1:460)'' میں مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أی ببرکتھم أو بسبب وجودھم فیما بھم یدفع البلاء عَنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ.

''ابدالوں کی برکت اور ان میں ان کے وجود کے سبب اُمتِ محمدیہ سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔''

متعدد احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ امتِ مسلمہ کے اندر ہر زمانہ میں اللہ رب العزت کے کچھ اولیاء، صالحین اور مقرب یافتگان بندے موجود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اِن صالح بندوں کی برکات کے سبب سے امتِ مسلمہ کو فتح و نصرت، بارش اور رزق سے نوازنے کے ساتھ ساتھ اِن سے اپنے عذاب کو بھی رفع فرماتا ہے۔

چنانچہ جب والد محترم کا انتقال ہوا تھا۔ جب ان کو دفنا کر آئے تو تھوڑی دیر کے بعد بحکم الٰہی بارش شروع ہوئی جو پورے چالیس دن تک برسی۔ سوال لگاتار یا وقفے وقفے سے تو اگر کچھ وقفہ ہو جائے تو تواتر ہی گنا جاتا ہے۔ آپ کا وصال 20 محرم الحرام ہے۔

آپ کی وفات کے دوسرے دن فداک روحی جناب سیدۃالنسأالعالمین طیبہ طاہرہ، زاکیہ ذکیہ خاتون جنت فاطمۃالزہرأؑ اور مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے تسلی و تشفی سے نوازا۔ یہ والد بزرگوار کا نظر شفقت تھی ورنہ بندۂ ناچیز گنہ گار اس لائق کہاں کہ ایسی بزرگ ہستیوں کی زیارت نصیب ہو۔ بندہ امید کرتا ہے بارگاہ قدس سے انکے صدقہ سے ضرور ہماری بخشش ہو گی۔ بعونہ تعالیٰ

آپ کے انتقال فرمانے کے دوسرے روز جس جگہ آپ تہجد پڑھتے تھے۔ ایک عجیب روشن نور دیکھا وہ نور بندہ کی بیوی مسعودہ ہاشمی جو جناب محمد عظیمؒ کی صاحبزادی تھیں نے بھی بچشم خود دیکھا۔ بندہ نے وہ دو دفعہ دیکھا ایسے جیسے عبادت کرنے والے کا متلاشی ہو۔ سارا کمرہ بقعہ نور تھا۔

آپ میاں چنوں ضلع خانیوال اس وقت ضلع ملتان تھا میں میاں چنوں قبرستان میں دفن کئے گئے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے میاں چنوں صاحب بہت بزرگ ہیں۔ آپ کی قبر درمیان میں ہے اور دائیں طرف ایک بھتیجا جو کہ بڑے بھائی صاحب کی بڑی اولاد تھی

جن کا نام غلام محی الدینؒ ولد احمد دینؒ ہے ان کی قبر ہے اور بائیں طرف حکیم ثناًاللہؒ جو کہ غلام رسول صاحبؒ کے بڑے لڑکے تھے ان کی قبر ہے۔آپ ان دونوں سے بہت ہی محبت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی قبریں بھی اکٹھی ہو گئیں۔
اللہ کریم ان تینوں ہستیوں پر اپنا خاص فضل و کرم فرمائے انکی قبروں کو بقع نور فرمائے۔اللہ کریم سب کی مغفرت فرمائے آمین بجاہ نبیہ الکریم الامین ﷺ اور انہیں اپنے حبیب کریم ﷺ کی معیت عطا فرمائے آمین ثم آمین !
تلاش معاش کے سلسلہ میں یہ تینوں اکٹھے بہاول پور اور رحیم یار خاں میں اکٹھے رہے۔اللہ کریم کی ان پر اپنی خصوصی رحمتیں ہوں۔
اللہ کریم میرے بچوں پر رحم و کرم کی بارشیں فرمائے اور ان چاروں کو دارین میں ترقی عطا فرمائے آمین بصدقہ جناب سید الکونین و پنج تن پاک اور حضور ﷺ کی اولاد و والدین کا صدقہ ان کو نیک اور فرمان بردار کرے اور حضور ﷺ کا سچا اور پکا فدائی و جان نثار بنائے اور ان کے کاروبار میں برکت دے۔آمین۔اب عشائی کی اذانیں شروع ہو گئی ہیں لہٰذا میں لکھنا بند کرتا ہوں۔اللہ کریم بصدقہ اپنے محبوبان کا مجھ گنہ گار پر رحم فرمائے آمین ثم آمین !
لاکھوں اور کروڑوں درود و سلام ہوں نبی آخر الزمان سید دوجہاں محمد مصطفےٰ ﷺ پر امہات المؤمنین علیہا السلام اور ان کی آل و اولاد پر اور اولاد محمدؓ اور مسلم بن عقیلؓ پر۔ تحریر مورخہ 17-12-1980 (بقلم خود نور احمد ہاشمی)

آپ کی اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹے اور پانچ بیٹیوں سے نوازا تھا۔ بیٹے کا نام نور احمد اور بیٹیوں کے نام نور بی بی، نذیر بی بی، صغریٰ بی بی اور صدیقہ بی بی ہیں۔سب سے بڑی صاحبزادی کی شادی جناب حاجی غلام یٰسین ولد احمد دین صاحب سے ہوئی۔انہوں نے حج بیت اللہ شریف کا شرف حاصل کر لیا ہے اور جناب حاجی صاحب نے تین حج کئے ہیں۔ماشأاللہ آپ کا ایک لڑکا محمد انور اور بیٹی عصمت بی بی ہے۔
دوسری صاحبزادی کا نام نذیر بی بی ہے جو کہ چک دوست پور کے ایک سید گھرانے میں بیاہی گئیں انکے شوہر کا نام سید عاشق حسین بخاری ہے۔آپ ایک جید عالم مولوی فاضل اور درس نظامی فارغ التحصیل ہیں ان کی اولاد میاں چنوں رہتی ہے۔
انکے تین بیٹے اور دو لڑکیاں ہیں۔بیٹوں کے نام سید اقبال، سید افضال، سید خالد اور لڑکیوں کے نام مسرت افزا۔اور زیب النسأ ہیں

تیسری صاحب زادی کا نام عزیز بی بی ہے۔وہ اوکاڑا میں رہائش پذیر ہیں انکی شادی محمد اعظمؒ کے بڑے صاحب زادے حکیم ضیأ الحقؒ سے ہوئی ان کی اولاد دو لڑکے انوار الحق اور محمد علی اور لڑکیاں فاطمہ بی بی اور سعدیہ بی بی ہیں۔ حکیم ضیأ الحق درجہ اول کے حکیم ہیں اور سکہ

بند علاج کرتے ہیں۔ان کی معجونیں قابل رشک ہیں درویش طبع اور جلال والی طبیعت کے مالک ہیں لیکن جلال جلدی اتر جاتا ہے۔ بہت ہی نیک اور خوش خلق ہیں۔

چوتھی بیٹی صغریٰ بی بی ہے ان کی شادی ہماری والدہ رابعہ بی بیؒ کے میکے ماموں زاد ایک مرد درویش منظور احمد صاحب سے ہوئی ہے جو منڈیر خورد میں رہتے ہیں۔اور امام مسجد ہیں۔ان کے گھر تین لڑکے عبد الرحمٰن، محمد جاوید طاہر اور محمد منشأ اور لڑکیاں عصمت بی بی ، گلزار بی بی اور طاہرہ بی بی ہوئیں۔

پانچویں بیٹی صدیقہ بی بی ہے۔یہ سب سے چھوٹی ہے اس کی شادی جناب غلام رسولؒ جو کہ والد گرامی کے بھائی تھے ان کے صاحب زادے محمد اسحاق صاحب سے ہوئی۔ان کی رہائش خانیوال (موجودہ گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں ہے۔ان کے ہاں اللہ کریم نے درج ذیل اولاد عطا فرمائی۔

بیٹے: محمد ناصر، محمد یعقوب، محمد جمیل، ضیأالمصطفےٰ، نور محمد حسان، اور محمد نعمان

بیٹیاں؛ثروت بی بی، فرحت بی بی، راحت بی بی، شفقت بی بی، عفت بی بی اور عاتکہ بی بی

جناب محمد اسحاق صاحب نے بھی حج بیت اللہ شریف کا شرف حاصل کر لیا ہے۔ماشأاللہ

بہاول پور میں جناب محبوب عالم صاحب اور الٰہی بخش صاحب نے زمین لی اور اس میں کھیتی باڑی کرتے رہے۔

شجرہ محبوب عالمؒ
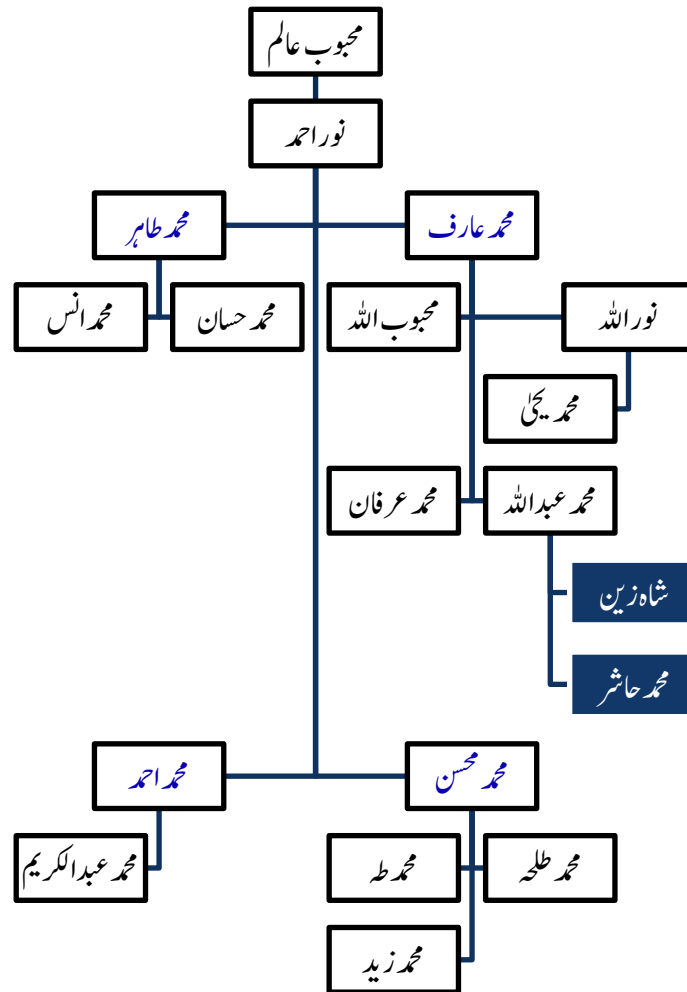
نور احمدؒ

جناب محبوب عالمؒ صاحب کی ایک ہی نرینہ اولاد ہے۔ان کا نام نور احمد ہے۔ بندہ کی شادی جناب محبوب عالم صاحب کے چچازاد بھئی جناب محمد عظیمؒ کی بیٹی مسعودہ ہاشمی سے ہوئی ہے۔ مسعودہ بی بی کے بطن سے اللہ کریم نے چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا کی ہیں۔

بیٹوں کے نام؛ محمد عارف، محمد طاہر، محمد محسن اور محمد احمد ہیں

بیٹیوں کے نام؛ ہاجرہ بی بی، عابدہ بی بی، اسمائی بی، حفصہ بی بی، زاہدہ بی بی ہیں اللہ کریم بچیوں کو انکے گھروں میں خوش وآباد رکھے اور اب بچوں کو نیک کرے ان کے دلو کو پاک و صاف کرے اور تمام علائق سے صاف رکھے آمین۔ دین و دنیا میں اللہ کریم انہیں عزت و شرف عطا فرمائے۔ اللہ کریم انہیں اپنی پناہ میں رکھے۔آمین

یا اللہ بندہ گنہ گار ہے اس کی دعاؤں کو قبول فرما بحرمت سید الانبیأ والمرسلین ﷺ۔

بچوں کی والدہ نے بندہ کا ساتھ سفر خواہ وہ سفر تکلیف سے گذرا یا راحت سے نہایت مستقل مزاجی سے گذارا۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ اللہ کریم اسکی عمر میں برکت دے اور اس کو اپنے بچوں میں قائم دائم رکھے۔ یہ نہایت پارسا خاتون ہے۔ یا اللہ جتنی تکالیف اس نے تیرے اس گنہ گار بندہ کے ساتھ اٹھائی ہیں۔ اے مولیٰ کریم دنیا میں اس سے زیادہ راحت وآرام پہنچادے۔آمین۔

جناب نور احمد ہاشمی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے والد گرامی قدر کے حالات سابقہ اوراق میں قلمبند کر دئے ہین۔ اب اپنے حالات تحریر کرہاہوں تاکہ میری اولاد کو میرے حالات سے وقفیت حاصل ہو جائے اور عبرت حاصل کرے اور محنت مزدوری کو اپنا شعار بنائے اور کسی غیر کے آگے اپنے ہاتھوں کو نہ پھیلائے۔ اللہ کریم میری اولاد کو دنیوی اور دینی آسائشیں عطا فرمائے۔ اپنے محبوب ﷺ کے صدقے سے یا اللہ ان کے دلوں سے ہر قسم کی کدورتیں دور کردے۔ اور انہیں نیک کردے۔ اور علم باطن سے ان کے سینوں کو اور ان کے دلوں کو بھرپور فرما آمین۔ اور میری اہلیہ کو ہر قسم کی آفات و مصائب سے محفوظ فرما۔ یہ دعا تیرے گنہ گار بندہ کی ہے۔ اور یا اللہ آخری وقت میں ہم سب کی زبان پر کلمہ طیب جاری فرما بلکہ ہمارا ہر بال ذر الٰہی میں مشغول ہو آمین ثم آمین۔

حالات زندگی

بندہ کی پیدائش ریاست بہاولپور میں چک نمبر 97 نہر فتح میں ہوئی۔ بزرگوں کے فرمان کے مطابق بندہ سات ماہ کا پیدا ہوا۔ والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ میں اولاد نرینہ سے محروم ہو چکی تھی ایک دفعہ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے مزار پر گئی اور اولاد نرینہ کے

لئے دعا کی۔ تقریباً پیدائش 1932ء میں ہوئی۔ یہ قبلہ مو موں جان محمد اعظم صاحب بتاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بندہ نہایت کمزور تھا اور میری حقیقی پھوپھی حسین بی بی جو کہ برادرم ضیأالحق صاحب کی والدہ تھیں انہوں نے بہت محنت کی اور قبلہ جناب ماموں جان کے تعویذ کی برکت سے بندہ مرنے سے بچا ورنہ کافی عرصہ پہلے ہی اس دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا۔ لیکن اللہ کو یہی منظور تھا کہ یہ گنہ گار زندہ رہے اور ساری زندگی عمر گناہوں میں صرف کرے آخر جب اللہ کی رحمت جوش میں آئیگی جملہ گناہ کی بخشش ہو جائے گی کیونکہ اس کی ذات غفور الرحیم ہے۔ اس کا عفو عام ہے۔ بندہ جب تین سال کا ہوا تو والدین نے بہاول پور سے گوجرہ ہجرت کی کیونکہ دونوں تایا جان میں کچھ اختلاف تھا۔ رشتہ کے معاملہ میں لہٰذا بڑے بھائی والد گرامی کے والدین کے ہمراہ لے آئے۔ پھر ابا جان نے چک 415 میں قیام کیا۔ تقریباً 15 سال رہے۔ پھر جناب چچا صاحب غلام قادر صاحب کے کہنے کے مطابق ہمارا قافلہ پھر ایک دفعہ چک 97 نہر فتح (بہاولپور روانہ ہو گیا۔ پھر تقریباً 15 یا 16 سال وہاں ہم مقیم رہے پھر ایک دفعہ جناب والد صاحب بہت سخت بیمار ہو گئے اور انکا پیشاب بند ہو گیا۔ چار ماہ کا عرصہ ملتان نشتر ہسپتال رہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ نور احمد اپنے بھائیوں کے نزدیک ہو جاؤ۔ لہٰذا ہم کچی کھوہ ضلع ملتان آ گئے۔ پھر اوکاڑا کے موضع دھنی رام جہاں زمین لی ادھر محمد عارف کو چوٹ لگ گئی۔ زمین فروخت کی اوکاڑا آئے یہاں کچھ عرصہ قیام کیا پھر سمبڑیال آ گئے۔ ابھی ادھر ہی ہیں۔

الحمد للہ رب العالمین جناب نور احمدؒ اور مسعودہ ہاشمیؒ کی دعاؤں اور تربیت سے انکی اولاد سے بچوں نے تعلیمی میدان میں جو کارکردگی دکھائی۔ ماشأاللہ (ربنا یرفع الدرجات)

تعلیمی قابلیت و فنون

محمد عارف (ریٹائرڈ ٹیچر)

محمد طاہر (ریٹائرڈ ٹیچر)

محمد محسن (ریٹائرڈ ٹیچر)

محمد احمد (گولڈ میڈیلسٹ علومِ شریعہ)

پوتے

حافظ محمد محبوب اللہ (ایم فل میتھ / ٹیچر)

محمد حسان (ایم فل کمپیوٹر سائنس / ٹیچر)

محمد عبداللہ (ایم ایس سی میتھ / ٹیچر)

محمد انس (بی ایس میتھ جاری۔۔۔)

محمد طلحہ (بی ایس میتھ جاری۔۔۔/ پولیس کانسٹیبل)

نواسے

ڈاکٹر شفقت رسول (پی ایچ ڈی/جونیئر انسپیکٹر ٹریفک پولیس)

محمد بلال (ایم فل اسلامک سٹڈیز/لیکچرر)

مزمل حسین (ایم ایس سی فزیکل ایجوکیشن/ٹیچر)

غلام جیلانی (ایم ایس سی زوولوجی/ٹیچر)

جواد احمد (ایم اے انگلش)

پوتیاں اور نواسیاں

رضوانہ بی بی (ایم اے ہسٹری)

رخشندہ بی بی (ایم اے ایجوکیشن)

فروا ضووقار (ایم اے انگلش)

زہرہ بتول (بی ڈی ایس ڈینٹل ڈاکٹر جاری۔۔۔)

حرا جاوید (ایم اے انگلش)

بارعہ احمد (ایم اے انگلش جاری۔۔۔)

الحمد للہ ایک دو کو چھوڑ کر سب بندہ ناچیز کے تلامذہ ہیں۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الزَّاهِدِ * رَسُولِ الْمَلِكِ الصَّمَدِ الْوَاحِدِ * صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلاَةً دَائِمَةً إِلَى مُنْتَهَى الأَبَدِ * بِلاَ انْقِطَاعٍ وَلاَ نَفَاد * صَلاَةً تُنْجِينَا بِهَا مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ وبِئْسَ الْمِهَادُ * اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَبِيِّ الأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَسَلِّمْ * صَلاَةً لاَ يُحْصَى لَهَا عَدَدٌ * وَلاَ يُعَدُّ لَهَا مَدَدٌ * اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلاَةً تُكْرِمُ بِهَا مَثْوَاهُ * وَتُبَلِّغُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الشَّفَاعَةِ رِضَاهُ * اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الأَصِيلِ * السَّيِّدِ النَّبِيلِ * الَّذِى جَاءَ بِالْوَحْيِ وَالتَّنْزِيلِ * وَأَوْضَحَ بَيَانَ التَّأْوِيلِ * وَجَاءَهُ الأَمِينُ سَيِّدُنَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ بِالْكَرَامَةِ وَالتَّفْضِيلِ * وَأَسْرَى بِهِ الْمَلِكُ الْجَلِيلُ * فِي اللَّيْلِ الْبَهِيمِ الطَّوِيلِ * فَكَشَفَ لَهُ عَنْ أَعْلَى الْمَلَكُوتِ * وَأَرَاهُ سَنَاءَ الْجَبَرُوتِ * وَنَظَرَ إِلَى قُدْرَةِ الْحَيِّ الدَّائِمِ الْبَاقِي الَّذِى لاَ يَمُوتُ * صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلاَةً مَقْرُونَةً بِالْجَمَالِ * وَالْحُسْنِ وَالْكَمَالِ * وَالْخَيْرِ وَالإِفْضَالِ * اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ الأَقْطَارِ * وَصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ وَرَقِ الأَشْجَارِ * وَصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ زَبَدِ الْبِحَارِ * وَصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ الأَنْهَارِ * وَصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى-

آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ رَمْلِ الصَّحَارِی وَالْقِفَارِ * وَصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ ثِقْلِ الْجِبَالِ وَالْأَحْجَارِ * وَصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ * وَصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ الْأَبْرَارِ وَالْفُجَّارِ * وَصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا يَخْتَلِفُ بِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ * وَاجْعَلِ اللَّهُمَّ صَلَاتَنَا عَلَيْهِ حِجَابًا مِنْ عَذَابِ النَّارِ * وَسَبَبًا لِإِبَاحَةِ دَارِ الْقَرَارِ * إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ * وَصَلَّى اللهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ * وَذُرِّيَّتِهِ الْمُبَارَكِينَ * وَصَحَابَتِهِ الْأَكْرَمِينَ * وَأَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ * صَلَاةً مَوْصُولَةً تَتَرَدَّدُ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ * اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِ الْأَبْرَارِ * وَزَيْنِ الْمُرْسَلِينَ الْأَخْيَارِ * وَأَكْرَمِ مَنْ أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ * اللَّهُمَّ يَا ذَا الْمَنِّ الَّذِي لَا يُكَافَى امْتِنَانُهُ * وَالطَّوْلِ الَّذِي لَا يُجَازَى إِنْعَامُهُ وَإِحْسَانُهُ * نَسْأَلُكَ بِكَ وَلَا نَسْأَلُ بِأَحَدٍ غَيْرِكَ * أَنْ تُطْلِقَ أَلْسِنَتَنَا عِنْدَ السُّؤَالِ * وَتُوَفِّقَنَا لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ * وَتَجْعَلَنَا مِنَ الْآمِنِينَ يَوْمَ الرَّجْفِ وَالزَّلَازِلِ * يَا ذَا الْعِزَّةِ وَالْجَلَالِ * أَسْأَلُكَ يَا نُورَ النُّورِ * قَبْلَ الْأَزْمِنَةِ وَالدُّهُورِ * أَنْتَ الْبَاقِي بِلَا زَوَالٍ * الْغَنِيُّ بِلَا مِثَالٍ * الْقُدُّوسُ الطَّاهِرُ * الْعَلِيُّ الْقَاهِرُ * الَّذِي لَا يُحِيطُ بِهِ مَكَانٌ * وَلَا يَشْتَمِلُ عَلَيْهِ زَمَانٌ * أَسْأَلُكَ بِأَسْمَائِكَ الْحُسْنَى كُلِّهَا * وَبِأَعْظَمِ أَسْمَائِكَ إِلَيْكَ * وَأَشْرَفِهَا عِنْدَكَ مَنْزِلَةً * وَأَجْزَلِهَا عِنْدَكَ ثَوَابًا * وَأَسْرَعِهَا مِنْكَ إِجَابَةً * وَبِاسْمِكَ الْمَخْزُونِ الْمَكْنُونِ * الْجَلِيلِ الْأَجَلِّ * الْكَبِيرِ الْأَكْبَرِ * الْعَظِيمِ الْأَعْظَمِ * الَّذِي تُحِبُّهُ وَتَرْضَى عَمَّنْ دَعَاكَ بِهِ وَتَسْتَجِيبُ لَهُ دُعَاءَهُ * أَسْأَلُكَ اللَّهُمَّ بِلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ *

الٰہی بخشؒ

جناب محمد علیؒ صاحب کے چوتھے بیٹے تھے۔ آپ نہایت پابند نماز و روزہ تھے۔ کتنی ہی سردی ہو یا گرمی روزہ کبھی قضا نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ عید کا چاند ہو گیا جب گھر کے افراد نے عید مبارک دی اور کہا کہ آج روزہ نہیں ہے تو فرمانے پہلے مجھے سحری کھائی کیوں تھی۔ خیر دونوں بھائیوں اور دیگر گھر کے افراد نے بہت کچھ کہا پھر کافی دیر کے بعد روزہ توڑا اور نماز عید پڑھی۔ بہت ہی سادہ طبیعت رکھتے تھے اور ان کی شادی بھی والدہ صاحبہ کی ہمشیرہ فاطمہ بی بی جو کہ والدہ سے چھوٹی تھیں ان سے ہوئی۔ لیکن نکاح کے چند ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر ساری عمر ویسے ہی انہوں نے گذار دی اور آپ لاولد ہی تھے۔ ہم سے بہت محبت کرتے تھے۔ ہم چچا بھتیجا اکٹھے چارہ وغیرہ لینے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ہم دونوں چارہ لینے گئے میں چادر میں چارہ ڈال کر اپنے سر پر رکھا اور گھر آ گیا۔ بعدہ مجھے تلاش کرتے رہے جب نی ملا تو انہوں نے مجبوراً اپنے تہبند میں چارا ڈالا اور گھر آ گئے اس وقت قمیص بڑی لمبی ہوتی تھی پھر تو میری سختی آ گئی اور درانتی لیکر میری طرف لپکے کہنے لگے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ والدہ صاحبہ نے جب دیکھا کہ تہبند میں چارا باندھا ہوا ہے تو انہوں نے تہبند دیا کہ اسے باندھ لو۔ جب چچا جان کا غصہ کم ہوا تو پھر راضی ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں اپنی بہنون کا کیا منہ دکھاتا ۔بغیر تہبند گھر آیا راستے میں مجھے بڑی شرم آئی۔

ایک دفعہ انکو ایک عورت جو کہ کھرل قوم کی تھی نے کہا الٰہی بخش آج بارش ہو تو تیرا منہ کھنڈ اور چینی سے بھر دوں گی۔ قدرت خدا سے وہ ابھی گھر نہیں پہنچی تھی کہ بارش شروع ہو گئی اور وہ راستے میں بھیگ گئی۔ اسی طرح ایک حجام آپ سے جھگڑ پڑا آپ نے اسے کچھ ایسے الفاظ کہے کہ وہ اپنے مکان گر پڑا۔ ابتدائی ایام میں ان کی زبان بہت سیف تھی۔ آخری وقت میں انہوں نے اپنا مقام دیکھ کر تمام کو باغ کی خوش خبری دی کہ بہت ہی اچھا باغ ہے۔ ان کا وصال بھی ہو چکا ہے۔ ان کی قبر قادر آباد کے قبرستان میں ہے۔ جو نہر کے نزدیک ہے۔

شجرہ الٰہی بخشؒ

آپ لاولد تھے

غلام قادرؒ

جناب محمد علیؒ صاحب کے پانچویں بیٹے جناب مولانا مولوی غلام قادرؒ ہیں۔ آپ بہت جید عالم دین ہیں اور پیر بھی ہیں۔ دینی تعلیم آپ نے مولانا سراج الحقؒ صاحب سے حاصل کی مولانا بہت زبردست عالم فاضل تھے۔ آپ کو بچپن ہی سے جماعت کرانے کا شوق تھا۔ ایک دفعہ سکول نی گئے تو بڑے بھائی جناب غلام رسولؒ نے سزا دی۔ آپ نے پانچ جماعت پڑھی تھیں۔ آپ کا خط اردو و عربی بہت ہی اچھا تھا۔ بندہ کو بھی ابتدائی تعلیم آپ نے ہی دی تھی۔ آپ از حد شریعت کے پابند تھے۔ باوجود پیرانی سالی آپ خود نماز پڑھاتے رہے۔ آپ کے مریدین کافی ہیں۔ آپ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ سے ملی ہوئی تھی جو کہ مولانا سراج الحقؒ کرنال والوں سے حاصل ہوئی تھی۔ آپ نہایت علام باعمل ہیں۔ بندہ کے حقیقی چچا لگتے ہیں۔ چندر کوٹ میں آپ کا آستانہ ہے۔ آپ نے زمین بھی کافی لی ہوئی ہے۔ اچھے خاصے زمین دار بھی ہیں۔ آپ کا صرف ایک بیٹا ہے جن کا نام محمد صدیق ہے۔ اور دو صاحب زادیاں ہیں۔ ایک زہرہ بی بی اور دوسری رضیہ بی بی

ایک دفعہ جناب چچا جان نے مجھے ایک وظیفہ بتایا جس کے پڑھنے میں بہت فائدہ ہوا۔ آپ نے ساری زندگی دینی تعلیم دینے میں صرف کر دی اور کئی حفاظ کرام بنائے۔ اب بھی حفاظ کرام قرآن کریم حفظ کرتے ہیں۔ اب ان کی نگرانی ان کے بیٹے محمد صدیق صاحب کر رہے ہیں۔ وہ بھی عالم دین ہیں اور حافظ قرآن ہیں بہت نیک ہیں۔

جناب مولوی صاحب کی دور نزدیک گاؤں میں بہت مشہوری ہے۔ آپ کا قیام چک 415 ج۔ب چندر کے میں ہے جو کہ گوجرہ منڈی سے تقریباً 10 میل کے فاصلے پر ہے۔ چونکہ دادا جان بھی اسی گاؤں میں رہے ہیں اور پھر چچا جان نے بھی ساری زندگی وہاں ہی

گذاری ہے۔اب ماشاًاللہ خاصے بڑے زمین دار ہیں۔ تقریباً 20 ایکڑ کے مالک ہیں۔زمین قادر آباد کے بلکل قریب ترپلیا کے قریب ہے۔اور بڑی زرخیز ہے۔اچھی نقد آور فصلیں دیتی ہے۔اللہ کریم اور برکتیں نازل فرمائے۔آمین

شروع ہی سے حکمت کا کارو بار کرتے رہے ہیں۔ نہایت متمول زندگی گذار رہے ہیں۔

اب یہ کام ان کے صاحب زادے محمد صدیق صاحب کرتے ہیں۔ محمد صدیق صاحب کی اولاد

بیٹے: احمد حسن، حسین احمد، بدر منیر، ابو بکر، محمد حسان

بیٹیاں؛ صفورہ بی بی، ثوبیہ

(نور احمد)

شجرہ غلام قادرؒ
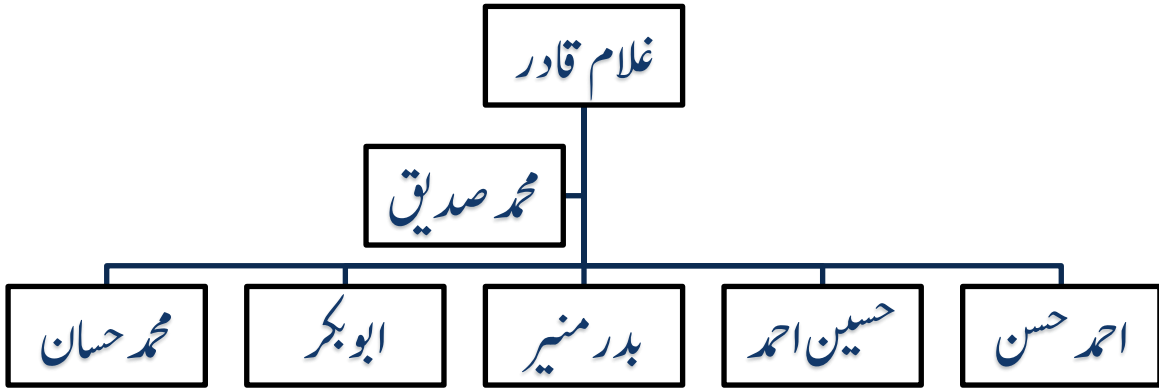
کرم الٰہیؒ

الٰہی بخشؒ کے ایک اور بیٹے کرم الٰہی تھا۔ آپ بڑے نیک اور پارسا تھے۔ اللہ کی یاد میں وقت گذارتے اور صبر سے زندگی گذارتے تھے۔ جناب کرم الٰہی بخش صاحب کے ایک بیٹے اور ایک بیٹی ایمنہ بی بی تھا۔

جناب محمد اعظم صاحب کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں بیٹوں کے نام ضیأالحق اور محمد ریاض تھے۔ محمد ریاض صاحب جوانی میں ہی انتقال فرما گئے۔ اور بیٹیوں میں مقبول بی بی اور صفیہ بی بی ہیں۔

ضیأالحق صاحب کی شادی اپنے حقیقی ماموں جناب محبوب عالم صاحبؒ کے گھر ہوئی جنکا نام عزیز بی بی تھا۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، بیٹے انوار الحق اور محمد علی ہیں آجکل اوکاڑا میں ہیں۔ جبکہ بیٹاں فاطمی بی اور سعدیہ بی بی ہیں۔

جناب حکیم محمد اعظم ساحب بہت بڑے عالم و فاضل عربی و فارسی ہیں۔ انہوں نے تعلیم ایک بہت بڑے عالم مولانا مولوی خدا بخش سے حاصل کی تھی۔ استاد مولانا خدا بخش کے بارے مشہور ہوگیا تھا کہ وہ قوم جنات میں سے تھے۔ بہت بڑے فاضل اور 14 علوم کے حافظ تھے۔ مقبول پور میں انکی قبر تھی۔ سنا ہے کہ انکی عمر 500 سال تھی۔ آپ نے مکہ شریف اور مدینہ شریف میں کئی سال درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ آپ کیمیا اور دیگر علوم کے ماہر تھے۔ تورات، انجیل اور زبور بھی انہیں زبانی یاد تھیں۔ جناب مولانا مولوی محمد اعظم صاحب نے دینی تعلیم ان سے حاسل کی تھی۔ کیونکہ آپ کے والد کی وفات ہو گئی تھی اس لئے آپکی والدہ نے ہی تعلیم دلوائی تھی۔ بڑے بڑے عالم جناب محمد اعظم ساحب کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔ کیونکہ آپ علم صرف و نحو کے بہت بڑے عالم تھے۔ اوکاڑا میں آپ مولانا غلام علی اکاڑویؒ سے اکثر ملتے رہتے تھے۔ مولانا صاحب آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ بندہ ساتھ تھا۔ مولوی صاحب نے آپ کا وضو خود کروایا تھا۔ حالانکہ شاگرد بھی انکے ہمراہ تھے۔ آپکی بیوی کا انتقال جوانی میں ہو گیا تھا وہ ہماری حقیقی پھوپھی تھیں ان کا نام حسین بی بی تھا۔ نہایت پارسا اور نیک طبیعت کی مالک تھین۔ آپ نہایت صابرہ تھیں۔ جناب

ہاشمی ہونے کی توثیق

محمد اعظم صاحب نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ میں حبیب پور آیا تو رستے میں نالہ پلکھو بہتا تھا۔ فرمانے لگے کہ میں بیگو والا اتر کر حبیب پور جارہا تھا جب نالہ کے اوپر پہنچا تو اندھیرا کافی ہو گیا تھا۔ ایک جگہ مجھے اچھی لگی میں عنقریب تھا کہ اس جگہ سے نالہ عبور

کرتا کہ اچانک ایک طرف سے ایک بابا جی ہاتھ میں 9 یا دس ہاتھ لمبا بانس لئے ہوئے آئے، مجھے میرے نام سے بلایا کہنے لگے تمہاری والدہ کا نام یہ ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ ان کو میرا اور میری والدہ کا نام کیسے پتا چلا۔ انہوں نے کہا میرے اللہ نے بتایا ہے۔

دیکھو جس جگہ سے تم نے نالہ کو پار کرنا تھا میرے ہاتھ میں یہ بانس ہے پھر اس جگہ انہوں نے بانس پانی میں ڈبویا تو بانس سے پانی زیادہ تھا اگر اس جگہ سے پار کرتے تو ڈوب جاتے۔ تمہارا نام و نشان باقی نہ رہتا۔ پھر انہوں نے کہا کہ بانس کے سرے کو مظبوطی سے پکڑ لو۔ لیکن آنکھیں بند رکھنا۔ آنکھیں نہ کھولنا اور میرے پیچھے چلے آؤ چند منٹ میں ہم پانی پار کر گئے تو پوچھا حضرت آپ کون ہیں۔ اتنا فرمایا کہ جاؤ تمہارا اللہ حافظ اور فرمایا میں خضر (علیہ السلام) ہوں۔ حضور ﷺ کے تم قرابت دار ہو اور ہاشمی ہو لہٰذا میں تمہاری مدد کو پہنچا ہوں۔ میری طرف نہ دیکھنا اور وہ غائب ہو گئے یعنی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میرا چھوٹا بیٹا محمد ریاض فوت ہو گیا میں اس کے غم میں ہر وقت روتا رہتا تھا کیوں کہ وہ بہت ہی نیک سیرت تھا۔ میں اس وقت چک 18 جی ڈی میں رہتا تھا۔ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ محمد اعظم سے کہو کہ روتا کیوں ہے۔ صبر کرے ہر ایک نے موت کا ذائق چکھنا ہے۔ اپنے رب کو یاد کرے اور اسے کہنا کہ میرے پیچھے نہ آئے میری رفتار بہت ہی تیز ہے۔ کہنا میں وہی ہوں جو نالہ پلکھو پر ملا تھا اور نالہ عبور کروایا تھا۔

یہ بلکل سچے واقعے ہیں ان واقعات سے ہاشمی ہونے کی توثیق ہوئی۔

شجرہ کرم الٰہی
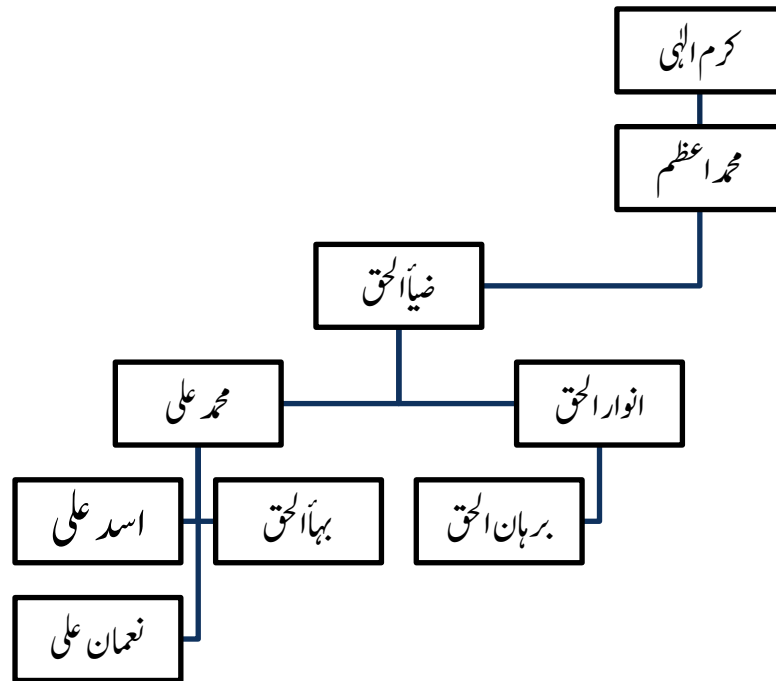
فضل الٰہیؒ

الٰہی بخش صاحب کے چوتھے بیٹے تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ جن کے نام ولی محمد، رحمت اللہ اور محمد عالم اور ایک بیٹی جس کا نام خدیجہ بی بی اور دوسری کا نام احمد بی بی تھا تیسری کا نام یاد نہیں۔

ولی محمد کی شادی مولوی غلام رسولؒ صاحب کی بیٹی انور بی بی سے ہوئی ان سے مسعود احمد، محمد یونس اور ایک بیٹی زبیدہ بی بی ہوئی۔ پھر کچھ مدت کے بعد ولی محمد صاحب نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا۔ فقہ حنفی کے مطابق ان سے طلاق لے لی گئی اور انور بی بی کی شادی ولی محمد کے بھائی مولوی رحمت اللہ صاحب سے ہو گئی۔ جناب مولوی رحمت اللہ صاحب کی ایک بیوی پہلے بھی تھی جو مولوی رحمت اللہ صاحب سے ہوئی تھی ان سے رحمت اللہ صاحب کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ان کا نام عائشہ بی بی تھا۔ پھر اس دوسری بیوی سے جو کہ انور بی بی تھیں سے محمد یوسف، محمد افضل اور محمد اقبال پیدا ہوئے۔ چک لاہوریانوالہ میں آپ دینی تعلیم دیتے رہے۔ قرآن و فقہ سے لوگوں کو روشناس کراتے رہے۔ آپ نہایت نیک سیرت اور نیک صورت تھے۔ خوش الحان بہت تھے۔ امامت کا کام آپ نے آخری دم تک کیا۔ اب ان کے بڑے بیٹے محمد یوسف صاحب یہ فریضہ سر انجام دے رہے ہیں۔

دونوں میاں بیوی انتقال فرما چکے ہیں اور لاہوریانولہ کے قبرستان میں مدفن ہیں۔

جناب فضل الٰہی صاحب کے تیسرے صاحبزادے کا نام محمد عالم تھا ان کی بیوی ممتاز بی بی تھین ان کے ہاں ایک بیٹا ہوا جس کا نام محمد طفیل تھا۔ محمد طفیل ابھی بچہ ہی تھا کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ محمد طفیل نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا۔ جناب محمد عالم صاحب نہایت ہی نیک اور پارسا شخص تھے۔ آپ اچھے درزی تھے ہر وقت مسکراتے رہتے۔ کسی سے بھی غصہ نہیں کیا۔ بندہ سے وہ بہت انس رکھتے تھے اور محبت کرتے تھے، ہر دل عزیز شخصیت تھے۔ ان کی وفات کے بعد ممتاز بی بی کی شادی بڑے بھائی کے لڑکے مولانا مولوی مسعود احمد سے ہوئی۔ مسعود احمد سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں کے نام محمد مزمل اور محمد خالد جب کہ لڑکیوں کے نام شمیم بیٔ بی، خالدہ بی بی، شہناز بیگم، اور فردوس بی بی ہیں۔

جناب محمد عالم صاحب کے لخت جگر محمد طفیل صاحب کی شادی جناب عنائت اللہؒ صاحب کی صاحب زادی ساجدہ بی بی سے ہوئی۔ جن سے محمد طفیل صاحب کے چار بیٹے فیض الحسن، عطاءالحسن، افتخار الحسن اور محمد فاروق ہیں۔ اور بیٹیوں کے نام شہزادی، امینہ، سمیرہ اور ریحانہ بی بی ہیں۔

شجرہ فضل الٰہیؒ

ابھی بہت سے بزرگوں کے حالات لکھنے کی ضرورت ہے۔ ہر لڑی اپنے اپنے بزرگوں کے حالات اب خود لکھ لے گی۔ تاکہ سکہ بند واقعات اور تاریخ ہر ایک کے پاس بطور اثاثہ ہو۔ اور وہ اپنی آنے والی نسلوں کو ان سے روشناس کرسکے۔

آخر میں میں برادر عزیز جناب ڈاکٹر محمد رضا ہاشمی صاحب کا تیار کردہ شجرہ لف کر رہا ہوں اس مین رنگ کی ذرا پرابلم ہے اگر دوبارہ اسے سادہ کلر میں شائع کیا جائے تو بہترین ہے۔ غالباً انہوں نے اسے اپنے بیٹے جو کہ کمپیوٹر کا اچھا درک رکھتے ہیں سے بنوایا تھا۔ کافی مہارت سے بنا ہوگا۔ ماشاٗاللہ۔ وہ درج کر رہا ہوں۔ شکریہ

شجرہ نسب خاندانِ بنو ہاشم

March 2015

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (القرآن)

شیخ سلیمان

نوٹ:

1. حضرت مسلم بن عقیلؓ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ بنتِ حضرت علیؓ (المعروف بی بی پاک دامن) کا مزار اقدس لاہور میں ہے۔
2. حضرت شیخ سلیمانؒ کے بیٹے حضرت شیخ جان محمدؒ کی قبر انور سموریال ضلع سیالکوٹ میں حضرت شاہ شہاب الدینؒ کے مزار کے صحن میں ہے۔

یہ شجرہ نسب خاندانِ بنو ہاشم تیار کرنے کے لیے محترم و مکرم جناب محمد نواز ہاشمیؒ ولد محمد اسمٰعیل ہاشمیؒ (سموریال، ضلع سیالکوٹ) کے مرتب کردہ شجرہ نسب اور حضرت میاں جی علی اکبر ہاشمیؒ ولد میاں جی غلام نبی ہاشمیؒ (جن کی قبر انور حبیب پور، تحصیل سمبڑیال، ضلع سیالکوٹ میں ہے) کی کتاب "معراج النبی ﷺ" (مرتبہ ۱۹۰۱ء) میں بیان کردہ شجرہ نسب سے راہنمائی لی گئی ہے۔

طالبِ دعا:
ڈاکٹر محمد رضا ہاشمی
محمد قمر رضا ہاشمی
سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ
03006498474
03054888873

مزید معلومات کیلئے ان نمبرز پر رابطہ کریں

نام	فون
افتخار احمد ہاشمی ولد محمد نواز ہاشمی	0300-6125651
محمد ناصر ہاشمی ولد ضیاء الحق ہاشمی	0321-8640242
ڈاکٹر محمد احسن ہاشمی ولد عبدالمجید ہاشمی	0333-8663110
انوار الحق ہاشمی ولد حکیم ضیاء الحق ہاشمی	0314-5212385
محمد حامد ہاشمی ولد حافظ حبیب اللہ ہاشمی	0301-7239148
محمد حسن ہاشمی ولد محمد یونس ہاشمی	0346-6069344

عبد مناف — ہاشم — عبدالمطلب — ابوطالب — عقیل — محمد مسلم — عبداللہ — اسحاق — آمین الدین — صالح — محمود شاہ — نظام الدین — عمر الدین — جواہر شیخ — عبدالخالق — عبدالرحمٰن — جمال الدین — شیخ محمد — ناصر الدین — شیخ عبداللہ — نورالدین — عالم دین — شمس الدین — فتح اللہ — زین العابدین — شیخ سلیمان

شجرہ ایک مختصر تاریخ ہوتا ہے

آئیں ایک اور بزرگ جناب محمد نواز قریشی صاحب کا بنایا ہوا شجرہ دیکھیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرہ نسب ہاشمی قریشی خاندان سمبڑیال ضلع سیالکوٹ

محمد نواز قریشی سمبڑیال ضلع سیالکوٹ

ایک اور طریقہ سے دیا گیا شجرہ

شیخ سلیمان
علی
مدثر
انوار
اسد
طیب
حسن
احمد
واصل
نوید
رضوان
نعمان
عمران
عرفان
خالد
ناصر
طارق
جہانگیر
بابر
تنویر